(سلسلہ منشورات ریڈیو متحدہ عرب امارات اُمّ القیوین)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۔ القرآن ۔

سیرۃ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

حضرت مولانا محمد منیر قمر صاحب ترجمان شرعی کورٹ ام القیوین

ترتیب وتبییض

حافظ ارشاد الحق صاحب

یکے از منشورات

مکتبہ کتاب وسنت ریحان چیمہ ضلع سیالکوٹ

۲۹۲٫۹۹۲۱
م ۲۸۲ مشم
DATA ENTERED
44499

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــ سیرت امام الانبیاء ﷺ

تالیف و پیشکش ـــــــــ الشیخ محمد منیر قمر حفظہ اللہ

ترتیب و تبییض ـــــــــ حافظ ارشاد الحق حفظہ اللہ

اہتمام طباعت ـــــــــ غلام مصطفیٰ فاروق

طبع سوم ـــــــــ اپریل 2004ء

ہدیہ ـــــــــ ۲۰۰ روپے

Maqsood Publishers Sarwar Market Chowk Urdu Bazar

پاکستان میں ملنے کے پتے

لاہور مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ 7237184
اسلامی اکیڈمی 17 اردو بازار 7357587
مکتبہ قدوسیہ اردو بازار 7351524
کتاب سرائے فرسٹ فلور الحمد مارکیٹ اردو بازار 7320318
مکتبہ اصحاب الحدیث مچھلی منڈی اردو بازار 7321823

گوجرانوالہ مدینہ کتاب گھر اردو بازار 219791 ☆ والی کتاب گھر اردو بازار

ملتان فاروق کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ 541809

اسلام آباد دارالعلم 699 آبپارہ مارکیٹ

راولپنڈی تنظیم الدعوہ الی القرآن والسنہ، گوالمنڈی

سیالکوٹ الفرقان اسلامک بک سنٹر بانو بازار ☆ گلزار بک ڈپو اردو بازار

ڈسکہ شمس الھدیٰ کیسٹ ھاؤس وڈالہ روڈ نزد کچہری چوک
دار الحسنیٰ، العصر پرنٹرز سمبڑیال روڈ ڈسکہ

کراچی مکتبہ اھلحدیث ٹرسٹ کوٹ روڈ، کراچی
مکتبہ ایوبیہ محمدی مسجد، محمد بن قاسم روڈ

ہندوستان میں ملنے کے پتے

- توحید پبلی کیشنز ایس۔آر۔کے گارڈن بنگلور 6650618
- چار مینار بک سنٹر چار مینار روڈ شیواجی نگر بنگلور 560051 ☢ میسور 492129

Contact:E-Mail:tawheed_pbs@hotmail.com

Marfat.com

فہرست مضامین

الموضوع	صفحہ	الموضوع	صفحہ
تمہید	۱۳	کے متعلق بشارتیں۔	۶۵
حصہ اول۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۱	سیرت بعد از ولادت وقبل از بعثت	۷۷
۱۔ سیرت قبل از ولادت	//	شبِ ظلمت، ولادت وبعثت کے	//
میثاقِ انبیاء	//	وقت دنیا کی مذہبی حالت، اجمالی خاکہ	//
دعائے خلیل۔ نویدِ مسیحا۔	۳۳	بوقت ولادت دنیا کی سیاسی واخلاقی ابتری	۷۹
اہل کتاب کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ	۴۰	طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت عربوں کی	۸۲
وسلم کا ذکرِ جمیل، کتاب اللہ کی روشنی میں	//	مذہبی حالت۔	//
حدیث کے حوالوں سے۔	۴۴	عربوں میں بُت پرستی کی ابتداء	۸۴
ثعلبہ بن ہلال کی شہادت۔	۴۷	طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت عربوں کی	۸۶
بائیبل کے عہدِ قدیم یا تورات میں ذکرِ	۵۴	اخلاقی حالت۔	//
رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔	//	سیاسی حالت۔	۹۰
چند بشارتیں۔	۵۶	آفتابِ نبوت کے لئے ملکِ عرب کا	
بائیبل کا عہدِ جدید یا انجیل اور اس کی	۵۹	انتخاب کیوں؟	۹۴
ملحقہ کتابیں۔	//	عطائے نبوت کے لیے قومِ عرب ہی کیوں	۹۷
انجیل برناباس عیسائیوں کے یہاں	۶۲	نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ۔	۱۰۱
غیر معتبر کیوں؟	//	شجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء۔	//
موجودہ اناجیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم	۶۵	ہاشم بن عبد مناف۔	۱۰۶

Marfat.com

الموضوع	صفحہ
عبدالمطلب بن ہاشم	۱۰۸
عبداللہ والد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور	۱۱۲
قربانی کا واقعہ	//
والدین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی	۱۱۵
شجرۂ طیبہ	۱۱۸
(الف)	//
(ب)	۱۱۹
(ج)	۱۲۰
شجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء	۱۲۴
لرسولنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین	//
صلی اللہ علیہ وسلم۔	//
حصہ اول	//
حصہ دوم	۱۲۸
نسب نامہ تا حضرت اسماعیل علیہ السلام	//
حصہ سوم	۱۳۱
تعدد ایام قیام نبویؐ، بعالم دنیوی۔	۱۳۲
ظہور قدسی یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی	۱۳۴
ولادت باسعادت	//
عید میلاد کے نام سے کی جانیوالی خوشیاں	۱۳۸
ولادت پر ہیں یا وفات پر ؟	//

الموضوع	صفحہ
مروجہ میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت،	۱۴۳
کتاب وسنت کی روشنی میں	//
صحابہؓ۔ تابعینؒ، تبع تابعین اور ائمہ اربعہؒ	۱۴۷
کی نظر میں۔	//
قائلین عید میلاد النبیؐ کے دلائل اور ان	۱۵۳
کا جائزہ۔	//
ایام رضاعت	۱۶۹
فیوض وبرکات رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۱۷۲
بچپن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شق صدر	۱۷۶
والدہ اور دادا کی کفالت و وفات۔	۱۸۰
دعوت فکر۔	۱۸۴
بشریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بریلوی	۱۸۷
مکتب فکر کے علماء کے اقوال میں۔	//
نور مجسم نہیں، نور ہدایت	۱۹۴
عنایت وحکمت الٰہی	۱۹۶
ابوطالب کی آغوش کفالت اور آپ	۱۹۹
صلی اللہ علیہ وسلم کا بکریاں چرانا۔	//
سفر شام اور بحیرہ راہب کا واقعہ۔	۲۰۳
داستان بحیرہ پر عیسائی مصنفین کے	۲۰۶
برگ وبار۔	//

Marfat.com

الموضوع	صفحہ	الموضوع	صفحہ
داستانِ بحیرہ کی علمی تحقیق	۲۰۹	تعمیرِ کعبہ بعثتِ نبویؐ کے بعد ، اور	۲۴۹
حربِ الفجار میں شمولیت	۲۱۴	چند حکایتیں۔	"
حلف الفضول میں شرکت	۲۱۶	سیرت قبل از بعثت۔ اجمالی نظر	۲۵۱
مالِ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تجارت	۲۱۹	ایک مشہور روایت	۲۵۴
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	۲۲۲	سیرت بعد از بعثت	۲۵۸
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح	۲۲۵	طلوعِ آفتابِ رسالتؐ اور بعثتِ نبویؐ	"
اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	۲۲۶	ورقہ بن نوفلؓ کی شہادت	۲۶۱
سے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور	"	مکی دور میں دعوت کا پہلا مرحلہ، خفیہ تبلیغ	۲۶۵
نظریۂ مختارِ کل	"	تصدیق وایمان ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ	۲۶۷
وفاتِ ابراہیمؓ پر سورج کو گرہن لگ جانا۔	۲۳۰	خلاصۃ الکلام	۲۶۸
صلاۃ الکسوف		دوسرا مرحلہ۔ علانیہ تبلیغ	۲۶۹
عقیدہ مختارِ کل اور حضرت پیر جیلانیؒ	۲۳۱	لمحۂ فکریہ	۲۷۱
کا نظریہ۔	"	کفار اور مشرکین کی ایذاء رسانی	۲۷۳
ایک وظیفہ کی حقیقت	۲۳۴	ترغیب و ترہیب	۲۷۶
از بطنِ خدیجہ رضی اللہ عنہا تعدادِ اولادِ رسول	۲۳۶	سوشل بائیکاٹ	۲۷۷
صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں غلط فہمی۔	"	عام الحزن	۲۸۱
فضیلتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔	۲۴۱	دعوت و تبلیغ کا تیسرا مرحلہ اور سفر طائف	"
صادق و امین اور تعمیرِ کعبہ	۲۴۴	تیسری شادی	۲۸۵
تعمیرِ کعبہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا	۲۴۵	شق صدر اور اسراء و معراج	۲۸۶
حکم مقرر ہونا۔	"	ہجرتِ صحابہؓ سوئے حبشہ و مدینہ	۲۹۰

الموضوع	صفحہ	الموضوع	صفحہ
ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۲۹۶	ہجرتِ مدینہ کی حقیقت	۳۲۵
وصولِ مدینہ	۳۰۱	قرآن مجید کی اصطلاح "تزکیہ"	۳۳۷
دولتِ اسلامیہ کا قیام	۳۰۵	داخلی استعداد کا دور	"
کیلنڈر کا آغاز اور ارتقاء	۳۰۹	تکمیلِ کار کا اعلان	۳۳۸
ہجری کیلنڈر کا آغاز	۳۱۳	مدینے کی فتح	۳۳۹
اسلامی تقویم کا واقعۂ ہجرت سے	۳۱۸	واقعۂ ہجرت اور فتح و نصرتِ الٰہی	۳۴۰
آغاز کیوں ؟	"	سالِ نو مبارک	۳۴۱
ہجری سنہ کی ابتداء واقعۂ ہجرت سے کیوں؟	۳۲۲	سالِ نو کے آغاز پر محاسبۂ نفس اور	۳۴۵
واقعۂ ہجرت کی عظمت	۳۲۳	روزے۔	
فتح مندیوں کا بیج	"	یادگارِ ہجرتِ نبویؐ یا مغرب کی نقالی۔	۳۵۰
سنہ ہجری کی ابتداء	۳۲۴	مشرکین کی دسیسہ کاریاں اور مسلمانوں	۳۵۳
احساسِ ضرورت اور مشورہ	۳۲۶	کو اذنِ جہاد۔	"
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے	۳۲۷	غزوات و سرایا۔ ایک جائزہ	۳۵۸
قومی سنہ کی ضرورت و اہمیت	۳۲۸	حدیثِ افک	۳۶۲
اجنبی سنہ سے اجتناب کیوں ؟	۳۲۹	حضرت زینب بنت جحش اور جویریہ	۳۶۳
صحابہؓ کرام کے دماغ کا سانچہ	"	رضی اللہ عنہما سے نکاحِ نبویؐ۔	"
قومی زندگی کی بنیادی اینٹ	۳۳۰	براءت عائشہ رضی اللہ عنہا من فوقِ	۳۶۶
سنہ اپنا ضروری تھا۔	۳۳۱	سبع سماوٰت۔	"
واقعۂ ہجرت کا اختصاص	۳۳۲	حلِ مسائل	۳۷۱
واقعۂ ہجرت کی اہمیت	۳۳۳	امہات المومنین حضرت حفصہ و زینب	۳۷۳

Marfat.com

الموضوع	صفحہ	الموضوع	صفحہ
اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن سے نکاحِ نبویؐ	۳۷۳	شتم پر وعید شدید۔	۴۱۴
علمِ غیب شیخ جیلانیؒ کی نظر میں۔	۳۷۸	مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم	۴۲۱
علمِ غیب بریلوی مکتبِ فکر کی نظر میں	۳۷۹	مقام و مرتبۂ شہادت اور دین و نوحہ خوانی	۴۲۳
ملوک و امراء اور سلاطین و حکام کو تبلیغ	۳۸۳	نوحہ خوانی اور سوگ و ماتم	۴۲۸
حضرت صفیہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما سے	۳۸۶	خلاصۃ الکلام	۴۳۳
نکاحِ نبویؐ۔	״	فضیلتِ ابوبکر و عمر بزبانِ علی رضی اللہ عنہم	۴۳۵
فتح مکہ اور رحمۃ للعالمین کی رحم گستری	۳۸۷	فضائل و مناقب صدیق رضی اللہ عنہ	۴۳۹
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے	۳۸۹	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۴۴۰
نکاح نبویؐ۔	״	حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے	۴۴۵
دوسری عورتیں اور کنیزیں	۳۹۰	فضائل و مناقب۔	۴۴۶
حجۃ الوداع اور تکمیل اسلام کی بشارت	۳۹۱	نام ونسب اور حالاتِ زندگی۔	۴۴۵
مرض الموت اور وصیتیں	۳۹۴	صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے چند	۴۵۳؟
آخری وصیتیں اور نصیحتیں	۳۹۹	مشترکہ فضائل و مناقب	״
آخری لمحات اور سانحۂ ارتحال	۴۰۳	حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	۴۵۸
وفاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم،	۴۰۸	اور ان کے فضائل و مناقب	״
غسل اور تکفین و تدفین	״	نام ونسب اور مختصر حالاتِ زندگی	״
حصہ دوم	۴۱۳	فضائل و مناقب صدیق و عمر رضی اللہ عنہما	۴۶۴؟
تذکارِ صحابہؓ و مناقب اہل بیت	״	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے	۴۶۷؟
رضی اللہ عنہم۔	״	فضائل و مناقب۔	״
مقامِ صحابیت و شانِ صحابہؓ اور سب و	۴۱۴	نام ونسب اور حالاتِ زندگی	״

Marfat.com

الموضوع	صفحہ	الموضوع	صفحہ
فضائل ومناقب عشرہ مبشرہ وخلفائے	۴۷۳	بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تذکرہ	۵۱۰
(اربعہ) راشدین وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین	″	حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔	″
فضائل ومناقب اہل بدر رضی اللہ عنہم	۴۷۸	حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا۔	۵۱۱
فضائل ومناقب اہل حدیبیہ رضی اللہ عنہم	۴۷۹	حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا	۵۱۲
انصار ومہاجرین رضی اللہ عنہم کے	۴۸۱	حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا	۵۱۵
فضائل ومناقب۔	″	شیعہ کتب ومصنفین کے یہاں تعداد	
اہل بیت کون ؟	۴۸۴	بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔	۵۱۸
ازواج مطہرات سے خطاب الٰہی	۴۸۶	شیعہ کے اعتراضات اور ان کے مختصر	
امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن	۴۹۴	جوابات۔	۵۱۹
ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ	۴۹۵	فضائل ومناقب حضرت فاطمۃ الزہراء	
عنہا کا تذکرہ۔	″	رضی اللہ عنہا۔	۵۲۳
فضائل ومناقب ام المؤمنین حضرت		حضرت فاطمہ، علی، حسن وحسین رضی	
خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔	۴۹۷	اللہ عنہم کے فضائل ومناقب	۵۲۶
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے		فضائل ومناقب حضرت حسن رضی اللہ عنہ	۵۳۱
اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔	۵۰۲	فضائل ومناقب حضرت حسین رضی اللہ عنہما	۵۳۴
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے		ذکر ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ	
بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد	۵۰۶	رضی اللہ عنہا۔	۵۳۸
قرآن وسنت اور لغت عرب کی رو سے		ذکر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۳۹
ربائب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	۵۰۹	فضائل ومناقب ام المؤمنین حضرت	
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے	۵۱۰	حفصہ رضی اللہ عنہا۔	۵۴۶

Marfat.com

الموضوع	صفحہ
اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا۔	۵۴۹
اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ و فضائل	〃
اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح	۵۵۴
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح سے متعلقہ آیت کی وضاحت	۵۵۷
حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں اہتمام الٰہی اور اس کی وجہ	۵۶۱
حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر کفار و منافقین	۵۶۴
کے اعتراضات اور اُن کا رَدّ۔	〃
حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر عیسائیوں کو تکلیف	۵۶۸
ظہار اور اس کا کفارہ۔	۵۷۱
ذکر اُمّ المؤمنین حضرت جویریہ رضی بنت حارث رضی اللہ عنہا۔	۵۷۴
ذکر ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۵۷۷
ذکر اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا۔	۵۷۹
ذکر اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا۔	۵۸۲
نقشہ متعلق حالات تاریخی اُمّہات المؤمنین رضی اللہ عنہن،	۵۸۵
تتمہ باب اُمّہات المؤمنین	〃
تعددِ زوجات کے سلسلہ میں عام مسلمانوں	۵۸۶
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق۔	〃
تعددِ زوجات اور قانون	۵۹۰
تعددِ زوجات. ہندوں اور اہل کتاب میں	۵۹۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائی اکابرین سے تعددِ زوجات کی تائید	۵۹۶
تین اہم نکات	۶۰۰
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعددِ ازواج کی حکمتیں، مصلحتیں اور فوائد۔	۶۰۳
مراجع و مصادر	۶۰۹

Marfat.com

حصّہ اوّل

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ابتدائیہ

الحمد للہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علےٰ
خاتم الانبیآء والمرسلین وعلےٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین
ومن تبعھم باحسان إلیٰ یوم الدّین۔ امّا بعد!

اس کتاب کو مَیں نے حرفاً حرفاً پڑھا ہے جو کہ مولانا محمد منیر قمر صاحب (مترجم شرعی کورٹ اُمّ القیوین۔ متحدہ عرب امارات) کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے۔ جو متحدہ عرب امارات کی ریاست اُمّ القیوین کے ریڈیو اسٹیشن کی اُردو سروس سے سیرت النبیؐ کے عنوان سے نشر کی گئی تھیں۔ جنہیں بعد میں اکٹھا کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

سیرت النبیؐ کا موضوع اتنا وسیع و جامع ہے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور قیامت تک مسلمان اس پاکیزہ و بابرکت موضوع پر لکھتے رہیں گے۔

کیونکہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ سیرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھ یا پڑھ کر سعادتِ دارین حاصل کرے۔

میں اپنے فاضل دوست مولانا محمد منیر قمر صاحب کا مشکور و ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اپنے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام کو ترتیب دینے کے لیئے بندۂ عاجز کا انتخاب کیا۔ اور پروگرام کا مسودہ لکھنے اور کتابی شکل میں ڈھالنے کے لیئے مجھے دیا۔

(جزاہ اللہ خیرا)

میں نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ پروگراموں کی ترتیب میں ربط برقرار رہے۔ ہاں اگر کسی جگہ میں نے تکرار کو ضروری و مفید سمجھا، تو برقرار رکھا۔ اب اگر کسی جگہ تکرار یا کلام کے ربط و ترتیب میں کمزوری نظر آئے تو وہ بندہ کی طرف سے ہوگی۔

اس کتاب میں اصل محنت تو قمر صاحب کی ہے۔ کیونکہ یہ کتاب اُن کی ہی

Marfat.com

تقاریر ہیں۔ اور میں نے تو صرف تھوڑا بہت ترتیب کا کام کیا ہے۔ اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کتاب قارئین کے لیئے مفید ثابت ہوگی۔

قارئین سے التماس ہے کہ اپنی نیک دعاؤں میں قمر صاحب کے ساتھ ساتھ مجھے بھی یاد رکھیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو خالص اپنے لیئے بنائے اور شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اور آخرت میں ہمارے اور تمام قارئین کے لیئے ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین۔

وصلی اللہ علی النبی محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین۔

حافظ ارشاد الحق
رکن اسلامک مشن دبی
متحدہ عرب امارات

Marfat.com

تمہید

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ خاتم الانبیآء

والمرسلین وعلےٰ الہٖ وصحبہٖ اجمعین ومن تبعھم باحسان

الیٰ یوم الدین۔ اما بعد!

قارئین کرام! اَلسَّلَامُ عَلَیکُم وَرَحمۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ!

اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیآء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو تمام ہی اپنی اپنی جگہ بڑی قدر و منزلت والے اور مقربین الٰہی تھے۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جس پیغمبر کا نام لیں، پڑھیں یا ذکر سنیں تو پورے احترام سے نام لیں، پڑھیں، اور سنیں۔ اور ساتھ ہی علیہ السلام بھی کہیں۔

اور جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی اسمِ گرامی یا صفاتی نام آئے تو

"علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صلی اللہ علیہ وسلم"

ضرور کہیں، کیونکہ سورۃ احزاب آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّ اللہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود و سلام بھیجا کرو۔

Marfat.com

اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ اور حدیث شریف میں تو یہاں تک آتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے کہا:۔

رَغِمَ اَنفُ عبد او بَعُدَ (مَنْ) ذُكِرتَ عِندَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ

فقلتُ آمين۔[1]

وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جس کے سامنے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیجے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں نے اس پر آمین کہا۔

ایمان کے چھ[2] ارکان ہیں۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کے نبی ہونے کا پختہ عقیدہ رکھنا بھی جزوِ ایمان ہے۔ رہا معاملہ اتباع کا، تو وہ ہم پر صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فرض ہے جن کی بعثت سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔

ایسے ہی یہ بھی نہایت ضروری ہے اور جزوِ ایمان ہے کہ ہم ان کے مابین نبی ہونے کی حیثیت سے کوئی تفریق نہ کریں۔ جیسا کہ سورۂ بقرۃ کی آخری سے پہلی آیت ۲۸۵ میں اللہ تعالیٰ نے اصول ایمان کا ذکر کرتے ہوئے اہلِ ایمان کی زبان سے کہلوایا ہے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ

---

[1] رواہ الحاکم عن کعب بن عجرۃ، وقال: صحیح الاسناد ورواہ ابن حبان فی صحیحہ عن الحسن بن مالک بن الحویرث عن ابیہ عن جدہ ورواہ ابن خزیمہ وابن حبان عن ابی ہریرۃ کما فی الترغیب والترہیب للمنذری ۲۲۰/۴-۲۲۱ طبع مصر۔ بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید وقال الاعظمی فی تحقیق صحیح ابن خزیمہ (۱۹۲/۳) اسنادہ جید قال البنا فی الفتح الربانی (۲۳۰/۹)۔ اخرجہ الامام احمد والترمذی والحاکم فی المستدرک

[2] ایمان کے چھ ارکان یہ ہیں:۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) فرشتوں پر ایمان لانا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانا۔ (۴) اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (۵) اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا (۶) حیاتِ اخروی پر ایمان لانا۔

Marfat.com

"ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے۔"

ایسے ہی سورہ آلِ عمران آیت ۸۴ میں حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، انبیآء آلِ یعقوب اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام، اور بالاجمال تمام انبیآء علیہم السلام اور اُن کی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ اور ایمان لانے کی کیفیت سکھلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ کہیں:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔

ہم (ان تمام انبیآء علیہم السلام کی نبوّت میں) کوئی تفریق نہیں کرتے۔

البتہ خود اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض انبیآء ورُسل کو بعض دیگر پر کچھ درجۂ فضیلت و بزرگی عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کے تیسرے پارے کی پہلی ہی آیت (یعنی سورۂ بقرۃ کی آیت ۲۵۳) میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔

ان سب رسُولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اُن میں سے کوئی ایسا تھا جس سے اللہ تعالیٰ خود ہم کلام ہوا۔ کسی کو اس نے دُوسری حیثیتوں سے درجے دیئے۔ اور ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو روشن نشانیاں عطا کیں، اور جبریلِ امینؑ سے اس کی تائید و مدد کی۔

اس سلسلۂ انبیآء علیہم السلام میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فضیلت و عظمت، قدر و منزلت اور شرف و رفعت امام الانبیآء خاتم الرُّسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے صرف اس ایک پہلو پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کیا تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انبیآء سے ممتاز کرتے ہیں؟ اور دلائلِ نبوّت کیا کیا ہیں؟ اہلِ علم نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں، جن میں اس موضوع

Marfat.com

کا بڑی حد تک حق ادا کر دیا ہے۔ جن میں سے

١۔ الخصائص الکبریٰ — امام سیوطی

٢۔ دلائل النبوۃ — امام بیہقی

٣۔ دلائل النبوۃ — ابو نعیم

٤۔ دلائل النبوۃ — ابن قتیبہ صاحب "غریب الحدیث و مختلف الحدیث" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

آئندہ صفحات میں ہم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تذکارِ صحابہؓ و مناقب اہلِ بیت رضی اللہ عنہم پر پیش کیے گئے اپنے ریڈیو پروگرام کی متعلقہ اقساط کو کتابی صورت میں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ہم اپنے فاضل دوست جناب مولانا حافظ ارشاد الحق صاحب (فاضل مدینہ یونیورسٹی مقیم الذید، شارجہ) کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے مسودہ اور اضافوں کی تبییض اور ترتیب کی ذمہ داری بطریقِ احسن سرانجام دی۔

فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرہ۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے ان اوراق کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے رشد و ہدایت اور بالیدگیٔ ایمان کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

ابو عدنان محمد منیر قمر،
ابن حاجی نواب الدین غفر اللہ لہ۔

متحدہ عرب امارات اُم القیوین

۲۱ رجب ۱۴۱۰ھ
۱۰ فروری ۱۹۹۰ء

تبصرہ جات

تبصرہ نگار

حافظ صلاح الدین یوسف صاحب

ایڈیٹر ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور

یہ کتاب بھی مولانا محمد منیر صاحب قمر کی تحریر کردہ ہے۔ جس کی ترتیب و تبییض کا کام حافظ ارشاد الحق صاحب نے کیا ہے۔

اس کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ دوسرا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتگان، یعنی شمع رسالت کے پروانے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ازواج مطہرات کے حالات کا۔

اس کتاب میں بھی فاضل مصنف نے روایات کی صحت و تحقیق کا خصوصی اہتمام کیا ہے، بالخصوص سیرت سے متعلقہ حصہ اول میں۔ جس کی وجہ سے یہ کتاب بھی سیرت کی دوسری کتابوں سے ممتاز ہو گئی ہے۔ صحت روایات کے التزام و اہتمام کی وجہ سے ہی بہت سے مشہور واقعات بالخصوص ولادت نبوی وغیرہ سے متعلقہ اس میں بار نہیں پا سکے۔

بہر حال یہ کتاب بھی نہایت مفید اور عوام و خواص کے مطالعہ کے لائق ہے۔

ماہنامہ "البدر" ساہیوال جلد: ۳ شمارہ: ۱۲
زیر ادارت: سید ضیاء اللہ شاہ بخاری۔ دسمبر ۱۹۹۲ء

Marfat.com

تبصرہ نگار

مولانا ثناء اللہ سیالکوٹی ایم۔اے (عربی و اسلامیات)

ایم، او، ایل نائب امیر المرکزیہ (برطانیہ) سب ایڈیٹر ماہنامہ "صراطِ مستقیم" برمنگھم

سیرۃ طیبہ بڑا مبارک، مقدس اور نازک موضوع ہے۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ اصحاب جو اس موضوع پر قلم اٹھا کر اپنے آپ کو سیرت نگاروں کی صف میں شامل کر لیتے ہیں۔ سیرت نگاری پر قلم چلانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔ جس ہستی کی تعریف میں قرآن نازل ہو، دوسرا کیا کر سکتا ہے۔

بقول حسانؓ بن ثابت ؎

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ

وَلٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

یہ موضوع نازک اس لیے ہے کہ جس ذاتِ گرامی کے حالات و واقعات تحریر کرتے ہیں۔ کہیں ان کی شانِ اقدس میں گستاخی نہ ہو جائے اگر تھوڑا سا بھی شائبہ پایا گیا تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ بڑا پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اس ہستی کے آگے بڑے بڑے بھی دم نہیں مار سکتے ؎

Marfat.com

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

سیرت نگاری میں کئی اصحاب نے اپنی ہمت اور استطاعت کے مطابق خامہ فرسائی کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف گوشوں کو چھان مارا۔ آپؐ کی خلوت اور جلوت کے قیمتی موتی اکٹھے گئے۔ اس بحرِ بیکراں میں بڑے بڑے سیرت نگاروں نے اپنی قلم کے گھوڑے دوڑائے مگر انہیں اعتراف کرنا پڑا۔ ابھی اس بحر میں باقی ہیں۔ لاکھوں لولائے لالا۔

اُردو زبان میں بھی سیرت کی کئی مشہور کتب جن میں سرفہرست سیرۃ النبیؐ رحمۃ للعالمین، سیرت طیبہ، الرحیق المختوم، اور ہادی دو عالم ہیں۔ مولانا محمد منیر قمر بڑے مشہور فاضل عالم دین ہیں کئی کتب کے مُصنّف ہیں۔ ام القیوین شرعی کورٹ کے یہ ترجمان ہیں۔ "سیرت امام الانبیاءؐ" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ یہ کتاب دراصل متحدہ عرب امارات کی ریاست ام القیوین کے ریڈیو اسٹیشن کی اُردو سروس کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو مولانا نے سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر کی تھیں۔ یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیگر کتب میں، عربوں کے حالات بچپن رسولؐ، امین کعبہ، بعثت نبویؐ، ہجرتِ رسولؐ، غزوات تجہیز و تکفین رسولؐ جیسے موضوعات بیان کئے گئے ہیں۔ دوسرے حصّہ میں مقام صحابہ، مناقب اہل بیت، خلفاء اربعہ، اُمّہات المومنین، بناتِ رسولؐ، تعدّد ازواج جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مؤلف نے سیرۃ النبیؐ کے وسیع موضوع کو کوزہ میں بند کرنے کی کوشش کی

ہے۔ تمام واقعات و حالات اختصار کے ساتھ اس میں سمو دیئے ہیں سلفی انداز اور خیالات سے کتاب لکھی گئی ہے۔ کتاب کا انداز مناظرانہ ہے۔ بریلوی اور شیعہ حضرات کے عقائد اور ان کے سوالات کا پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے۔ مؤلف نے انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس وجہ سے واقعات و حالات میں تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔ کتاب پڑھ کر "رحمۃ اللعالمین" کی جھلک اس میں نظر آتی ہے۔ وہ اصحاب جو اختصار کے ساتھ سیرۃ النبیؐ کی کسی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے نایاب تحفہ ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی محنت و کاوش کو قبول و منظور فرمائے اور انہیں مزید لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ثناءاللہ سیالکوٹی ایم۔اے

"صراطِ مستقیم" برمنگھم جلد: ۱۳ شمارہ: ۱۱-۱۲

مئی، جون ۱۹۹۳ء

Marfat.com

تبصرہ نگار

بشیر انصاری صاحب ایم۔ اے

مولانا محمد منیر قمر سیالکوٹی کی شخصیت دینی، علمی اور جماعتی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ ایک عرصہ سے دعوت وارشاد کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے نامور فرزند ہیں۔ طالب علمی کے دور سے ہی ان کے مضامین اعلیٰ جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنّف، مؤلّف اور مترجم ہیں۔ ان میں سے آئینہ ختم نبوت، رمضان المبارک، روحانی تربیّت کا مہینہ، کشف الشبہات، مناسک حج وعمرہ، دعوت الی اللہ، وجوب عمل بالسنّۃ، قبولِ عمل کی شرائط، سوئے حرم، حج وعمرہ، قربانی کے مسائل، نمازِ مسنون، اور "درآمد شدہ گوشت کی شرعی حیثیت" بہت اہم ہیں۔

زیرِ نظر کتاب مولانا محمد منیر قمر مترجم شرعی کورٹ اُم القیوین کی اُن تقاریر کا مجموعہ ہے جو اُم القیوین ریڈیو اسٹیشن کی اُردو سروس سے سیرۃ النبیؐ کے عنوان سے نشر کی گئی تھیں۔ جنھیں بعد میں اکٹھا کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔ اس کتاب کی ترتیب وتبییض میں حافظ ارشاد الحق صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی مقیم الذید نے بھی بڑی محنت وکاوش صرف کی ہے۔ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے جس میں رنگا رنگ کے بیسیوں عنوانات پر علمی جواہرات بکھرے ہوئے ہیں۔

حصّہ اوّل میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے پہلے کے حالات سے لے کر آپ کی وفات، غسل اور تکفین وتدفین تک سیرت کے پہلو

Marfat.com

اختصار کے ساتھ آگئے ہیں۔ دوسرے حصے میں تذکارِ صحابہ و مناقب اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا تذکرہ موجود ہے۔ وہ بھی بڑا مدلل تحقیقی اور علمی انداز کا حامل ہے۔

سیرت النبی ؐ کے موضوع کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ لگانا ہی بڑا مشکل ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر ہر زبان میں ہزاروں کی تعداد میں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہر مصنف نے اپنے انداز میں گلدستۂ سیرت میں گل بوٹے سجائے ہیں۔ اور دارین کی سعادتیں سمیٹی ہیں۔ مولانا محمد منیر قمر صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ انہوں نے تقریب کے محدود وقت کے باوجود ہر عنوان پر قارئین کو خاصا مواد مہیا کیا ہے۔ بحمد اللہ ان کا سلسلۂ تصنیف و تالیف روبہ ترقی ہے۔ جن دوست و احباب نے کتاب کی ترتیب و اشاعت میں حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے اور قارئین کرام کو اس پر عمل کی توفیق بخشے۔ (مدیر)

ہفت روزہ اہلحدیث لاہور جلد : ۲۴ شمارہ : ۵
۵ شعبان ۱۴۱۳ھ ۲۹ جنوری ۱۹۹۳ء

۴۴۴۹۹

Marfat.com

تبصرہ نگار

جناب علیم ناصری صاحب ایم۔ اے

مولانا محمد منیر قمر ایک طویل عرصے سے اُم القیوین (عرب امارات) میں شرعی کورٹ کے ترجمان ہیں۔ وہ ہمارے جواں سال علماء میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ شرعی عدالت میں ترجمانی کے فرائض انجام دیتے ہیں بلکہ وہاں ریڈیو عرب امارات سے دینی امور کے سلسلے میں ان کی تقاریر بھی نشر ہوتی ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی ان کی انہی تقاریر کا مجموعہ ہے جو انہوں نے سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر فرمائی تھیں۔ مولانا موصوف سراپا صالح الفکر شخص ہیں۔ اور انہوں نے سیرت کے جملہ پہلوؤں کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں تالیف فرمایا ہے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ دورِ حاضر میں بعض غالی حضرات نے سیرت طیبہ کے بعض پہلوؤں پر غیر ثقہ روایتوں اور وضعی حدیثوں سے حاشیہ آرائی کی ہے۔ مثلاً اول ما خلق اللہ نوری، لولاک لما خلقت الافلاک۔

معراج النبیؐ، اور میلاد النبیؐ کی روایات، نور و بشر، مختارِ کل کا عقیدہ علم غیب، حاضر و ناظر، وفات یا وصال اور بعض غیر ثقہ معجزے وغیرہ کی غلط روایات رائج ہیں۔ مولانا قمر نے ان مضامین پر موقع بہ موقع کتاب و سنت کی روشنی میں محاکمہ کیا ہے اور حقائق سے پردہ کشائی کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت سے قبل عرب کی عام معاشرتی، مذہبی اور سیاسی بے راہ روی پر بھی مدلل قلم فرسائی کی گئی ہے جس

Marfat.com

سے فکر و فہم کے دریچے وا ہوتے ہیں، اور ایامِ جاہلیت سے آنحضرت علیہ السلام کی وفات تک کے تمام مراحل بالترتیب بیان ہوتے چلے گئے ہیں۔ اس حادثۂ فاجعہ پر کتاب کا پہلا حصہ تمام ہوتا ہے جو صفحہ ۵۰۰ تک محیط ہے اس کے بعد حصہ دوم کا سلسلہ چلتا ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب ہیں اور بعض دینی مسائل بھی جو ہماری زندگیوں میں رہنمائی کا کام انجام دیتے ہیں۔ ان محترم شخصیات میں خلفائے اربعہ، امہات المؤمنین، بنات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں۔ نیز عیسائی مستشرقین کے بعض اعتراضات کے جوابات بھی اس حصے میں مندرج ہیں۔ غرض یہ کتاب سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر نہایت مدلل اور مرتب کتاب ہے جس کا ظاہر بھی دیدہ زیب اور باطن بھی دلکشا اور نظر افروز ہے۔ مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ اس کی طباعت کے بہترین اہتمام پر مبارک باد کا مستحق ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مولانا منیر قمر کے حسنات میں شمار کر کے فوز و فلاحِ آخرت کا سبب بنائے۔

علیم ناصری ایم۔ اے

ہفت روزہ الاعتصام جلد: ۴۴ شمارہ: ۵۲
۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۳ھ ۲۵ / دسمبر ۱۹۹۲ء

تبصرہ نگار

جناب ابوالریاض سلفی صاحب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا سدا بہار پھول ہے جس میں کبھی خزاں نہیں آئی۔ یہ حیات شک و شبہ سے بالا ہے کہ دُنیا بھر کے ریفارمروں، مصلحین جرنیلوں اور فاتحین، سیاسیین اور انقلابی انسانوں کی سوانح عمریاں جو کسی بھی زبان میں لکھی گئی ہیں، ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی جائیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحہائے حیات دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پلڑا بھاری ہوگا۔ عربی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر بے شمار اور قیمتی کتابیں موجود ہیں۔ اُردو میں رحمۃ للعالمین علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کو جو اولیت حاصل ہے ان کے مقام کو کوئی نہ پہنچا ہے۔

"سیرۃ النبیؐ"، مصنفہ علامہ شبلی نعمانیؒ اور علامہ سید سلیمان ندویؒ اردو میں اعلیٰ پائے کی کتاب ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی "الرحیق المختوم" نے بھی سیرت کے موضوع پر عالمی شہرت حاصل کی ہے "محبوبِ خدا" مصنفہ چوہدری فضل حق مرحوم بھی علم و ادب کا مرقع ہے۔

ہمارے فاضل دوست مولانا محمد منیر قمرؔ (جو ام القیوین کے شرعی کورٹ میں ترجمان ہیں) نے "سیرۃ امام الانبیاءؐ" مرتب کر کے سیرت نگاروں میں اپنا نام درج کرانے کی سعادت حاصل کر لی ہے۔

مولانا منیر قمرؔ نے گمنامی کی صفوں سے اُٹھ کر اپنی محنت اور علمی خدمات کی بدولت نہایت اچھی شہرت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لکھنے پڑھنے

کی بہترین صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ ہمیشہ لکھتے پڑھتے ہیں۔ مولانا منیر قمر متحدہ عرب امارات اُم القیوین کے ریڈیو اسٹیشن سے سیرۃ النبیؐ اور فضائل صحابہ کے موضوع پر اُردو میں تقریریں نشر کرتے رہے ہیں۔ یہ کتاب بھی دراصل ان کی ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ جس میں دو سو ستر (۲۷۰) عنوان قائم کر کے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ مولانا منیر قمر نے کتاب پر خاصی محنت کی ہے اور آخر میں چھ صفحوں پر مراجع و مصادر بھی لکھ دیئے ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تکمیل اور تسوید و تبییض میں مدینہ یونیورسٹی کے فاضل حافظ ارشاد الحق نے ان کا خوب ہاتھ بٹایا ہے۔ اور اُردو میں اس کی طباعت و کتابت اور پوری پروف ریڈنگ میں مولانا سید محمد اسلم سلیم ترمذی نے اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن انجام دی ہیں۔

کتاب بڑے سائز کے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت و طباعت، اور کاغذ نہایت عمدہ ہے۔ خوبصورت جلد پانچ رنگ جاذبِ نظر ٹائیٹل اس کی اہمیت کو دوبالا کرتا ہے۔ قیمت درج نہیں۔ مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ نے شائع کیا ہے۔

ابوالریاض سلفی

ماہنامہ مجلہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن جلد: ۶ شمارہ: ۶
شعبان ۱۴۱۳ھ فروری ۱۹۹۳ء

Marfat.com

تبصرہ نگار

مجلّۃ الدعوۃ

مولانا محمد منیر قمر گلف کی ایک ریاست "ام القیوین" میں ایک عرصہ سے دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں۔ وہاں وہ اُردو دان طبقہ کے لیے ریڈیو پر دعوتی درس بھی دیتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب دراصل ان کے انہی دعوتی دروس اور تقاریر پر مشتمل ہے۔ جو کہ سیرت النبی ؐ پر ہیں۔ چھ صد صفحات کی اس کتاب میں صحابہ اور صحابیات" کے فضائل بھی ہیں۔ عقائد کی اصلاح کی جانب بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ اور بدعات کا ردّ بھی دلائل کے ساتھ موجود ہے۔

(مدیر اعلیٰ)

مجلّۃ الدعوۃ لاہور جلد: ۴ شمارہ: ۳
رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ مارچ ۱۹۹۳ء

Marfat.com

تبصرہ نگار

شیخ محمد اقبال لاہی

میرے محترم! کل ہی کی بات ہے کہ مجھے آپ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب "سیرۃ امام الانبیاء" مل چکی ہے۔ یہ کتاب چونکہ کل رات ملی ہے اس لیے میں اس سے کوئی استفادہ نہیں کر سکا ہوں۔ لیکن مضامین فہرست دیکھ چکا ہوں۔ آپ نے بڑی محنت سے کام لیا۔ خصوصاً عیسائی اور دیگر مغربی مؤرخین و مفکرین کی آراء کو نہ صرف پیش کرنے میں بلکہ ان کی تحریروں میں پائے جانے والے بے جا تعصبات اور سقم کو بھی ظاہر کیا ہے اور ان کے اعتراضات کا تجزیہ بھی فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ برِصغیر پاک و ہند کے علمائے کرام کے نزدیک پچھلی تقریباً پون صدی سے اُٹھے ہوئے مسائل جن میں سے اکثر و بیشتر کا رُخ سیدنا و مولانا و مرشدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ تو آپ نے ان مسائل میں سے بالخصوص نور و بشر، علم غیب اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت اور مروجہ انداز پر بحث کی ہے۔ میں نے چونکہ ان مباحث کو جستہ جستہ دیکھا ہے، بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا شرف حاصل نہیں ہوا ہے لیکن مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے علمی ذوق اور سابقہ عادت شریف، جو ہر بات میں میانہ روی اور اعتدال کو پسند کرتے ہیں، برقرار رکھا ہوگا اور مسائل کے صرف بیان تک ہی نہیں بلکہ ان دقیق و تحقیق اور علمی مسائل

Marfat.com

کا جو میرے نزدیک زیادہ تر "روحانی" ہیں۔ بہترین انداز سے حل کیا ہوگا۔

آپ کا مخلص

شیخ محمد اقبال لاسی کراچی

اسلامک سنٹر۔ بی بلاک۔ نارتھ ناظم آباد کراچی (پاکستان)

مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۲ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ہ
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ہ

Marfat.com

سیرت ـــــ قبل از ولادت

میثاقِ انبیآء

عام طَور پر اساطینِ علم و فکر، اصحابِ قوت و سلطنت، ملوک و امراء، ریفارمرز یا مصلحین و مجدّدین، دانشمندوں اور سیاستدانوں میں سے کسی بھی بڑی شخصیت کا سوانحی خاکہ تیار کرنا ہو تو اس کا آغاز اس کی ولادت سے کیا جاتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اس کی مساعی اور کارناموں کو اُجاگر کرنے کے لیئے اس زمانے کی اخلاقی و سیاسی حالت ذکر کر دی جاتی ہے۔ لیکن انبیآء علیہم السّلام اور خصُوصًا ہمارے نبی حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیّبہ کا معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ولادت سے پہلے ہی مشہُور و معرُوف ہو چکے تھے۔

تو آیئے پہلے سیرت النّبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس جزوِ اوّل یعنی قبل از ولادت کا مختصر مطالعہ کریں۔ اور دیکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت سے بھی پہلے کب سے اور کس طرح مشہُور و معرُوف تھے۔

اس سلسلہ میں ہمیں تاریخِ انسانیت یا تاریخِ عالم کے اَوراق کھنگالنے کی بجائے صرف خود اللہ تعالیٰ کی اپنی نازل کردہ کتابوں سے ہی کافی مواد مِل جاتا ہے۔

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جن خصائص و فضائل سے نوازا تھا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیآء و رسل سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ آپ سب میں سے جس کسی کے عہدِ رسالت و نبوّت میں میرا رسُول صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائے تو آپ کا

فرض ہے کہ ان پر ایمان لائیں، ان کی اتباع کریں۔ اور مدد و نصرت میں لگ جائیں۔ اگر کسی کی زندگی میں یہ واقعہ رونما نہ ہوا تو اپنی امت کو اسی بات کی وصیت کر کے جائیں [۳]

اس عہد و پیمان کا ذکر سورۂ آل عمران آیت ۸۱ - ۸۲ میں یوں مذکور ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) سے یہ عہد لیا کہ جو کچھ کتاب و حکمت (اور شریعت) میں تمہیں عطا کروں، پھر آپ کے پاس میرا رسول آجائے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو آپ سب اس رسول پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور اس کی مدد و نصرت کرو گے۔ فرمایا: کیا آپ سب نے اقرار کیا، اور میرے اس عہد کو قبول کیا؟ ان سب نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا: اب پھر گواہ رہو۔ اور میں بھی آپ سب کے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر اس (عہد و اقرار) کے بعد جو کوئی پھر جائے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس آیت میں اہل کتاب کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لا کر اس عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو تمہارے انبیاء اور ان کے ذریعے تم سے لیا گیا ہے۔ اب بتاؤ کہ تمہارے فاسق ہونے میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے؟ [۴]

حضرت علیؓ اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اس آیت میثاق کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

۳۔ تفسیر ابن کثیر مختصر۔ الرفاعی ۲۳۰/۱ ۔ ۴۔ تفسیر کبیر رازی بحوالہ فوائد سلفیہ المسمی بہ اشرف الحواشی۔

Marfat.com

"اس آیت میں رسول سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا تھا۔ کہ اگر وہ خود ان کا زمانہ پائیں تو ان پہ ایمان لائیں۔ اور ان کی تائید و نصرت کریں۔ ورنہ اپنی اُمت کو اس بات کی وصیت کر کے جائیں۔"

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی مشہورِ عالم تفسیر میں اسی قول کو اولیت دی ہے۔[ف]

اس سے معلوم ہوا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے علم میں ازل سے ہی نبی تھے لیکن آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معروف تھے۔ اس موضوع سے متعلقہ احادیث اگلے عنوان کے تحت ملاحظہ فرمائیں:۔

دُعائے خلیل، نوید مسیحا!

سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے تعمیر کعبہ کا واقعہ بالتفصیل نقل فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ دونوں باپ بیٹا خلیل و ذبیح علیہما السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی:۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ۔

اے میرے رب اس شہر مکہ کو امن والا بنا دے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

ف:۔ جب کہ دوسرا قول حضرت طاؤس، حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ میثاق اس لیے لیا گیا تھا کہ تمام انبیاء (علیہم السلام) آپس میں ایک دوسرے کی تائید و نصرت کریں گے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یکے بعد دیگرے دونوں تفسیریں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان دونوں میں بھی کوئی تناقض یا تعارض نہیں ہے۔ (ابن کثیر مختصر الرفاعی ۱/۲۸۷)

Marfat.com

اس کے بعد والی دُعا میں حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ دعا میں شامل ہو گئے۔ اور فرمایا:۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔

اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا دے۔ اور ہماری اولاد میں سے ایسی اُمت پیدا فرما، جو تیری فرمانبردار ہو۔

اور دُعا کے آخر میں فرمایا:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(البقرۃ ۱۲۹)

"اے ہمارے رب! اُن میں سے ایک رسُول بھیج جو انہی میں سے ہو، ان کے سامنے تیری آیات بیان کرے۔ انہیں کتاب و حکمت سکھلائے۔ اور انہیں (شرک و بدعت سے) پاک کرے۔ بے شک تو غالب و حکمت والا ہے"۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا میں جس رسُول کا ذکر ہے۔ تمام مفسّرین کے نزدیک اس سے مُراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی سُورۃ جُمعہ آیت ۲ میں ارشاد فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔

"اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے اُن ناخواندہ لوگوں میں ایک رسُول کو مبعوث فرمایا، جو اُن ہی میں سے تھے"۔[۶]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ ساری دُعائیں من و عَن قبول ہوئیں۔ مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے "بلد الامین" یعنی امن و آشتی والا شہر بنایا۔ اور اہلِ مکہ ہی میں نبی اکرم صلی اللہ

---

[۶]۔ مختصر ابن کثیر للرفاعی ۱/۱۱۰۔

Marfat.com

علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً چھ سو برس پہلے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہدِ نبوت تھا تو انہوں نے اپنی اُمت کو اسی وقت ایک نبی و رسول کی آمد کی بشارت دی اور معاملہ بالکل مبہم نہیں چھوڑا، بلکہ صفات کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ذاتی ناموں[ؓ] (محمد و احمد) میں سے ایک نام احمد بھی لیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ جیسا کہ سورۂ صف آیت ۶ میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ۔

اور یاد کرو مریم کے بیٹے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی وہ بات جو انہوں نے کہی تھی کہ "اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ اس توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے۔ اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور جن کا نام احمد ہو گا۔"

ؓ:۔ ارشادِ نبوی ہے: ان لی اسماء..... انا محمد، انا احمد۔ میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں۔ ان دونوں ناموں میں سے پہلا نام دادا نے رکھا۔ اور دوسرا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ نے رکھا تھا۔ اور یہ حدیث بخاری و مسلم میں حضرت جبیر بن مطعمؓ سے اور ترمذی نسائی، دارمی، مسلم، ابوداؤد طیالسی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت اور اسمائے گرامی:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت اپنے بیٹے لختِ جگر حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کے نام سے "ابوالقاسم" تھی جس کا ذکر صحیح بخاری (مع الفتح ۱۰/۵۷۱؛ کتاب الادب اور صحیح مسلم (مع النووی ۱۴/۱۱۲؛ کتاب الآدب اور دیگر کتبِ حدیث میں

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی صریح پیشین گو
کا ذکر ہے جو کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے آخری نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اسی بشارت کا ذکر کرتے
ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَنَا دعوۃُ ابراھیم و بشارۃُ عیسٰی و رُؤیا اُمّی۔ [۵]

(بقیہ حاشیہ) مذکور صحیح احادیث میں آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند ناموں کا تذکرہ تو خود فر
ہے۔ جیسے احمد، الحاشر، الماحی، العاقب، المقفی، نبی الرحمۃ، نبی التوبہ، خاتم نبی الملاحم یا
نبی الملحمۃ (بخاری حدیث ۳۵۳۲ و مسلم مع النووی ۱۵/۸ ۱۰۴-۱۰۵، حاکم ۲۷۳/۲-۲۷۴،
مسند طیالسی ۸۵/۲، مسند احمد ۱۰۴/۵-۱۰۵، و مسند بزار حدیث ۲۳۷۸) ان اسمائے گرامی کی تو
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صراحت فرمائی ہے۔ جبکہ قرآن و حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
کئی دیگر صفاتی اسمائے گرامی کا بھی ذکر ملتا ہے۔ اور امام ابن العربی رحمہ اللہ نے واضح طور پر ذکر ہو
والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی کو جمع کیا ہے جن کی مجموعی تعداد سڑسٹھ (۶۷) تک
پہنچ گئی ہے (عارضۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی ۲۸۱/۱۰)۔ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اوصاف میں سے ایک ایک کا نام لیا جائے تو ان کی تعداد دوسو
(۲۰۰) سے بھی متجاوز ہو جائے گی (زاد المعاد لابن قیمؒ ۸۸/۱)۔ اور حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ناموں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی تعداد چار سو تیس (۴۳۰)
کے لگ بھگ پہنچ گئی ہے۔ اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے پہلے کسی نے اس
طرح ان ناموں کو جمع اور مرتب کیا ہو۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:۔

القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ص ۸۰-۸۳ بحوالہ تخریج و تعلیق
فرقۂ ناجیہ مولانا حکیم محمد اشرف سندھو از حفید المؤلف مولانا حافظ عبد الرؤف صاحب۔ تخریج نمبر ۶

Marfat.com

ییں ابراہیم علیہ السلام کی دُعا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کا خواب ہوں۔

اور مولانا حالیؒ نے اس حدیث کا ترجمہ اس مصرعہ میں کیا ہے۔

ع دُعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحاؑ

یہ حدیث مشکاۃ شریف میں شرح السنۃ کے حوالے سے یوں ہے :-

انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ وساخبرکم باول امری، دعوۃ ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ ورؤیا امی التی رأت حین وضعتنی وقد خرج لھا نور أضاء لھا منہ قصور الشام۔

میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوں جبکہ آدم علیہ السلام کا ابھی خمیر تیار ہوا تھا۔ اور میں تمہیں اپنے ابتدائے امر کی خبر بھی دوں گا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا وہ خواب ہوں جو اس نے مجھے جنم دیتے وقت دیکھا۔ اور اُس کے لیے ایک نور نکلا جس سے اُس کے سامنے شام کے محلات روشن ہو گئے۔

اسی موضوع کی بعض دیگر روایات بھی ہیں جن کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علمِ الٰہی میں ازل سے ہی نبی تھے۔ البتہ بعض غالی لوگوں نے جو یہ مفہوم نکالا ہے، کہ آپؐ کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی۔ یہ عقیدہ سراسر غلط اور خلاف ارشادِ نبویؐ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

اَوَّلُ مَا خَلَقَ الْقَلَمُ وَقَالَ اُکْتُبْ قَالَ رَبِّ وَمَا اَکْتُبُ ؟ قَالَ اُکْتُبْ مَا

شہ :- احمد ۴/۲۱۷ عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ، ابن حبان وصححہ، موارد الظمآن ۲۰۹۳، مستدرک حاکم ۲/۴۱۸ عن العرباض بن ساریۃ وصححہ، ووافقہ الذہبی وصححہ الالبانی فی المشکاۃ ۵۷۵۹۔

Marfat.com

هو کائنٌ الیٰ یوم القیامۃ۔

سب سے پہلے قلم پیدا کی گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے (اسے قلم کو) فرمایا: لکھ۔ تو قلم نے کہا: اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے (سب کچھ) لکھ دے۔

اُمّ الکتاب میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی آخر الزمان ہونا مرقوم تھا۔ جو کہ وجودِ علمی ہے نہ کہ وجودِ خلقی۔ اور وجودِ علمی کے اعتبار سے تو تمام مخلوقات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہیں کیونکہ ارشادِ نبویؐ ہے:۔

انّ اللہ علم الاشیاء قبل ان یخلق السمٰوٰت و الارض بخمسین الف عام۔

"زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں کا علم تھا" اور علمِ الٰہی اس کی غیر مخلوق ذاتی صفت ہے۔[9]

بعض دیگر روایات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ الٰہی میں ازل سے نبی ہونے پر دلالت کرتی ہیں، یہ ہیں:۔

۱۔ عن میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ قال: قلت یارسول اللہ متی کنت نبیّا۔ وفی لفظ متی کتبت۔ قال: وادم بین الروح والجسد۔[10]

حضرت میسرۃ الفجر سے مروی ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ کب سے نبی ہیں؟ (اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کب سے نبی لکھے گئے ہیں؟) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میں علمِ الٰہی میں اُس وقت سے نبی ہوں جب) آدم علیہ السلام کی تخلیق ہو رہی تھی۔

---

[9]۔ حاشیہ مختصر ابن کثیر ۱/۱۱۱۔ اور مزید تفصیل کے لیے "محمدؐ افضل الخلق لا اول الخلق" لعلامہ محمد نسیب الرفاعی

[10]۔ احمد ۵/۵۹ وصححہ وحاکم ۲/۶۰۷-۶۰۹ وصححہ واقرہ الذہبی وقال الہیثمی ۸/۲۲۳ رواہ احمد الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح۔

Marfat.com

۲۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال، وآدم بین الروح والجسد۔[11]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کب نبوت واجب ہوگئی؛ یعنی آپ کب سے نبی ہیں؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔

۳۔ عن عبد اللہ بن شقیق عن رجل قال، قلت یارسول اللہ متی جعلت نبیًا؛ قال: وآدم بین الروح والجسد۔[12]

ان تمام روایات کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم علمِ الٰہی میں اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہو رہی تھی۔

---

[11] ترمذی کتاب المناقب ۳۶/۹ وصححہ، وحاکم ۶۰۹/۲ وصححہ ووافقہ الذہبی وصححہ الالبانی فی المشکاۃ ۵۷۵۸۔

[12] مسند احمد ۶۶/۴ و ۳۷۹/۵ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۲۲۳/۸ رجالہ رجال الصحیح

اہلِ کتاب کے یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل

کتاب اللہ کی روشنی میں

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ولادت سے صدیوں پیشتر ہی معروف ہو چکے تھے اور اہلِ کتاب کو اس بارے میں علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں مبعوث ہوں گے، کہاں ہجرت کریں گے؟ یہاں تک کہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے اوصاف بھی کتب سابقہ میں موجود تھے۔ قرآن پاک کے کئی مقامات پر ان امور کا تذکرہ ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ آیت ۸۹ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَٰبٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ، وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

اور جب اللہ کی طرف سے ایک کتاب (قرآن کریم) اُن کے پاس آئی جو تصدیق کرتی ہے اُس کتاب (تورات) کی جو اُن کے پاس تھی، اور اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلے میں اس کی مدد مانگا کرتے تھے۔ اور جب وہ چیز آ گئی جس کو پہچان چکے تو اس کا انکار کرنے لگے۔ کافروں پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے۔

تفسیر ابن کثیر اور طبری میں لکھا ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہودی لوگ جب عرب مشرکین سے مغلوب ہوتے تو وہ دعا کیا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم جلد ظاہر ہوں تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر ان کافروں پر غلبہ حاصل کریں۔[۱۳]

---

[۱۳] ابن کثیر ا ص ۱۲۴ طبع حلبی مصر و مختصر طبری ص ۱۵، طبع مصر

Marfat.com

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے :-
"یہودی لوگ کہا کرتے تھے ، عنقریب نبی آخرالزمان ظاہر ہوں گے اور ہم ان کے ساتھ مل کر تم پر غالب آئیں گے۔ چنانچہ حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے کہ قبائل عرب میں ہم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ اس لیئے کہ ہم یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب اور ہم بت پرست تھے۔ وہ جب کبھی ہم سے مغلوب ہوتے تو کہتے کہ ایک نبی کی بعثت ہونے والی ہے۔ اور اس کا زمانہ آ پہنچا ہے۔ اس کے ساتھ مل کر ہم تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کریں گے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اختیار کر لی ، اور یہ یہودی منکر ہو گئے۔"

(ابن جریر و فتح القدیر بحوالہ فوائد سلفیہ لاستاذی محمد عبدہ الفلاح)

معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حد تک معروف تھے کہ روزمرہ کی زندگی میں بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و بعثت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔
اور سورہ بقرہ ہی کی آیت ۱۴۶ میں ارشادِ الٰہی ہے :-

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو، اور ان میں سے ایک فرقہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے[۱۴]

[۱۴] :- یہاں ایک فرقہ اس لیئے کہا گیا ہے کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔
(قرطبی ، ابن کثیر کما فی اشرف الحواشی)

Marfat.com

اور سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ میں ارشادِ ربانی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔

یہ (رحمت کے مستحق) وہ لوگ ہیں جو اس اَن پڑھ نبی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

محققین بائیبل نے دلائل و شواہد کے ساتھ ثابت کر رکھا ہے کہ عہدِ قدیم اور عہدِ جدید میں، یا تورات و انجیل میں زبردست تحریف واقع ہوئی ہے۔ اور اس بات کا انکار تو خود اہلِ کتاب بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے یہاں تحریف جائز سمجھی جاتی ہے جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایڈیشن ۱۹۴۶ء) کے مضمون "بائیبل" کا مصنف لکھتا ہے

"اناجیل میں ایسے نمایاں تغیرات دانستہ کیئے گئے ہیں جیسے مثلاً بعض پوری پوری عبارتوں کو کسی دوسرے ماخذ سے لے کر کتاب میں شامل کر دینا۔۔ یہ تغیرات صریحاً کچھ ایسے لوگوں نے بالقصد کیئے ہیں جنہیں اصل کتاب کے اندر شامل کرنے کے لیئے کہیں سے کوئی مواد مل گیا۔ اور وہ اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتے رہے کہ کتاب کو بہتر یا زیادہ مفید بنانے کے لیئے اس کے اندر اپنی طرف سے اس مواد کا اضافہ کر دیں۔۔۔۔۔ بہت سے اضافے دوسری صدی میں ہو گئے تھے۔ اور کچھ نہیں معلوم کہ ان کا ماخذ کیا تھا۔"[۱۵]

اور ہنری واسکٹ نے اپنی تفسیر کی جلد اول میں اگسٹائن کا یہ قول نقل کیا ہے "یہودیوں نے عبرانی نسخہ میں طوفان سے پہلے اور بعد والے اکابر کے زمانوں میں یہاں تک کہ (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک اس میں تحریف

---

[۱۵] تفہیم القرآن ۵/۴۶۴

کی۔ انہوں نے یہ کام دینِ مسیح کے عناد اور یونانی ترجمے کو غیر معتبر بنانے کے لیے کیا۔ اور قدیم مسیحی بھی اسی طرح ہی کہتے تھے۔ اور ان کا کہنا تھا کہ یہودیوں نے ۱۳۰ءء میں تورات میں تحریف کی۔[۱۶] ان کے یہاں تحریف جائز و مستحسن سمجھی جاتی تھی۔ اور ان کے احبار و رہبان زمانۂ قدیم سے یہ شغل کرتے آئے ہیں۔ مگر ان تمام تحریفات کے باوجود بھی تورات و انجیل میں آج تک بیسیوں مقامات ایسے ہیں جن میں کہیں صراحت کے ساتھ اور کہیں اشارات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارتیں مذکور ہیں

---

[۱۶] ۔ محمد نبی الاسلام فی التوراۃ والانجیل ص ۸۵ و ۹۲ ۔ ۹۷ لمحمد عزت طہطاوی مصری
اس موضوع پر مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے ۱/ یروشلم کی تاریخ طبع ۱۸۳۲ء بیان علماء قرن ثانی ص ۶۵ و ۸۶ از کتاب محمد نبی الاسلام (۷)، اظہار الحق مجلد اول کامل۔

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل

حدیث شریف کے حوالوں سے

ہم نے قرآن کریم کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ولادت وبعثت سے قبل ہی اہلِ کتاب کے یہاں معروف تھے۔ ایسے ہی کتبِ حدیث وسیرت میں بھی کئی دلائل موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہانِ رنگ وبو کو سعادت بخشنے سے پہلے بھی یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل پڑھا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے کتاب اللہ کے بعد دنیا کی سب سے صحیح اور معتبر کتاب بخاری شریف (کتاب البیوع وکتاب التفسیر) کو دیکھیں جس میں ایک حدیث ہے، کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے جب تورات میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اَجَلْ وَاللّٰہِ اِنَّہٗ لَموصوفٌ فِی التَّوْرَاۃِ بِبَعْضِ صفتہٖ فِی الْقُرْاٰنِ ۰

ہاں بخدا قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض اوصاف خود تورات میں بھی موجود ہیں۔

جیسا کہ قرآن پاک سورۂ احزاب آیت ۴۵ میں ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۰

اے پیغمبرؐ! ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گواہ بنا کر بھیجا اور (مسلمانوں کو جنّت کی خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو خدا کے عذاب سے) ڈرانے والا (بنایا ہے)۔

اور تورات میں ان الفاظ پر مستزاد یہ بھی ہے۔

وَحِرْزًا لِلْاُمِّیّٖنَ ، فَاَنْتَ عَبْدِیْ وَرَسُوْلِیْ وَسَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ، لَیْسَ

بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَةَ بِالسَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَعفو وَيغفِرُ ولن يقبضهُ الله حتّٰى يُقِيْمَ بِهِ المِلَّةَ الوجاءَ: بأن يقولوا لَا اِلٰهَ اِلَّا الله فيفتح به اعيُنًا عميًا وآذانًا صمًّا وقلوبًا غلفًا۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان ناخواندہ لوگوں کی پناہ گاہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بدخو، اور سخت دل ہیں، اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کوئی برائی کا جواب برائی سے دینے والے ہیں، بلکہ عفو و درگذر کرنے اور بخش دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح کو اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کج رَو ملت کو سیدھا نہ کرلے۔ اور وہ یہ کلمہ نہ پکارنے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جب تک اس کلمے سے اللہ تعالیٰ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور غافل دل کو نہ کھول دے۔"

یہ بخاری شریف کے حوالے سے تورات کے الفاظ کا ترجمہ ہے جو کتنی وضاحت سے نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر صادق آتا ہے۔

مسندِ احمد، طبرانی کبیر اور بزار میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بسندِ صحیح مروی ہے کہ انہیں عموریہ (مدینۃ القدس) کے ایک اہلِ کتاب (عیسائی) عالم نے نصیحت کرتے ہوئے کہا:۔

قد اظلّک زمان نبیٍّ وھو مبعوثٌ بِدِینِ ابراھیم، یخرج بارض العرب، ومھاجرہٗ اِلٰی ارضٍ بَیْنَ حَرَّتَیْنِ بینھما نخل به علاماتٌ لَا تخفٰی، یأکل الھدیۃ وَلَا یأکلُ الصدقۃ

بین کتفیہ خاتم النبوۃ فإن استطعت ان تلحق بتلك البلاد فافعل۔ [۱۷]

"تجھے ایسے زمانے نے آلیا ہے جس میں ایک نبی معوث ہونیوالا ہے جو دین ابراہیمی لے کر آئے گا۔ جو عرب کی سرزمین پر ظہور فرمائے گا۔ اس کا دارِ ہجرت ایسی سرزمین ہوگی جو دو حرّوں کے مابین ہے۔ اور ان دونوں کے مابین نخلستان بھی ہے۔ اس کے پاس ایسی علامتیں ہوں گی جو چھپی نہ رہیں گی، وہ ہدیہ کھائے گا، مگر صدقہ و زکوٰۃ نہیں کھائے گا۔ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔ اگر تم اس سرزمین تک پہنچ سکو تو ضرور پہنچ جاؤ۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دارِ ہجرت مدینہ منورہ ہے اور وہ واقعی نخلستان کے ساتھ ساتھ دو حرّوں کے مابین ہی ہے اور اُن دونوں حرّوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ حرّہ واقم ۔ مشرقی جانب

۲۔ حرّہ وبرہ ۔ مغربی جانب

حرّہ سے مُراد، جلے ہوئے سیاہ رنگ کے پتھروں کی زمین ہے۔ [۱۸]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اولاد ہدیہ کھایا کرتے تھے اور صدقہ و زکوٰۃ نہیں کھایا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں

---

[۱۷]: احمد ۵/۴۴۱-۴۴۴ بأسانید۔ الطبرانی فی الکبیر ۶/۲۷۲-۲۷۷ رقم ۶۰۶۵۔ وقال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۹/۳۳۶ اسناد الروایۃ الأولیٰ عند احمد والطبرانی رجالہا رجال الصحیح غیر محمد بن اسحاق وقد صرح بالسماع، ورجال روایۃ الثانیۃ انفرد بہا احمد، ورجالہا رجال الصحیح غیر عمرو بن ابی قرۃ وھو ثقۃ، وکذا فی "الرحمۃ المہداۃ" للدکتور خلیل ابراہیم ملا خاطر ص ۱۴، طبع مدینہ منورہ۔

[۱۸]: فقہ السنۃ محمد عاصم ۲/۵۵۹ حاشیہ

Marfat.com

کے مابین مُہرِ نبوت بھی تھی۔ ان امُور سے معلوم ہوا کہ عموریہ والے نے جو نشانیاں بتائی تھیں، وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھیں اور اُس نے یقیناً اپنی کتاب میں پڑھی ہوں گی، جو کتبِ سابقہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مذکور تھیں۔

ثعلبہ بن ہلال کی شہادت۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابو مالک ثعلبہ بن ہلال سے پُوچھا جو کہ احبارِ یہود میں سے تھا کہ مجھے تورات میں مذکور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بتا تو اُس نے کہا کہ نبی ہارون علیہ السلام کی تورات جس میں کوئی تغیّر و تبدّل واقع نہیں ہوا۔ اُس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات یُوں مذکور ہیں:۔

احمد مِنْ ولدِ اسماعیل بن ابراھیم و هو اٰخرُ الانبیاء۔ وَهُوَ النَّبِیُّ العربی الّذی یأتی بدین ابراھیم (علیہ السلام) الحنیف، یأتزر علٰے وسطہٖ ویغسلُ اطرافہ، فی عینیہ حمرۃ وبین کتفَیْہِ ختم النبوّۃ، لیس بالقصیر وَلَا بالطویل یلبس الشملہ ویجتزئ بالبلغۃ ویرکب الحمار ویمشی فی الاسواقِ، سیفہٗ علی عاتقہٖ لایبالی من لقی من النّاس، معہ صلاۃٌ لوکانت فی قومِ نوح ما اُھلکوا بالطوفانِ ولوکانت فی عادٍ ما اھلکوا بالرّیح ولوکانت فی ثمود ما اھلکوا بالصیحۃ۔ یولدُ بمکّۃ وھو اُمّی لایکتب ولایقرأ المکتوب وھو الحمّاد یحمد اللہ شدّۃ ورخاء، سلطانہ بالشّام، وصاحبہ مِنَ الملائکۃِ جبریل، یلقیٰ من قومہٖ اذیٰ شدیدًا ثمّ یدال علیھم (یعنی تکون لہ الدولۃ) فیحسدھم حسدًا، تکونُ الواقعات بیثرب منھا علیہ. منہ علیھا، ثم لہ العاقبۃ، معہ قوم ھم اسرع إلی

Marfat.com

الموت من الماء من رأس الجبل الی أسفله، صدورهم اناجیلهم وقربانهم دماءهم، لیوث النهار رهبان اللیل، یرعب عدوّہ مسیرۃ شھر یباشر القتال بنفسہ ثم یخرج ویحکم لاشرط معه ولاحرس، الله یحرسه۔ [19]

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام) احمد (ہوگا جو) اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آخری نبی ہوں گے۔ آپؐ وہ آخری نبی ہوں گے جو دین ابراہیم یعنی دین حنیف لے کر آئیں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر مبارک پر اپنی چادر باندھتے ہوں گے۔ اور اپنے ہاتھ پاؤں دھوتے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں مبارک میں لال ڈورے ہوں گے اور دونوں کندھوں مبارک کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی نہ چھوٹے قد کے ہوں گے اور نہ ہی بڑے قد کے (یعنی درمیانے قد کے ہوں گے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم شملہ پہنیں گے اور خچر و گدھے پر سواری کرتے ہوں گے۔ اور بازاروں میں (پیدل) چلتے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تلوار آپ کے کندھے مبارک پر ہوگی۔ لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف پہنچے گی اُس کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسی نماز (دُعا) ہوگی۔ اگر وہ قوم نوح کے ساتھ ہوتی تو وہ طوفان کے ذریعے ہلاک نہ کیے جاتے۔ اور اگر وہ نماز (دُعا) قومِ عاد کے پاس ہوتی تو وہ سخت ہوا کے ساتھ ہلاک نہ کیے جاتے۔ اگر وہ نماز (دُعا) قومِ ثمود کے ساتھ ہوتی تو وہ بھی چیخ (یعنی سخت تیز آواز) کے ساتھ ہلاک نہ کیے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے اور اُمّی ہوں گے جو نہ لکھتے ہوں گے اور نہ ہی خط پڑھتے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حمّاد ہوں

گے جو شدت و رخاء میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے۔ آپ کی حکومت شام (عرب) میں ہوگی۔ فرشتوں میں سے جبرائیل علیہ السلام آپ کے ساتھی ہوں گے۔ آپ کو اپنی قوم سے سخت تکالیف و ایذائیں پہنچیں گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم پر غالب آئیں گے۔ اور انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹیں گے آپؐ کے واقعات (جنگیں) یثرب (مدینہ) میں ہوں گے۔ بعض واقعات آپؐ کے حق میں ہوں گے۔ اور بعض آپؐ کے خلاف ہوں گے۔ پھر انجامِ کار فتح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوگی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی قوم ہوگی۔ جو موت کی طرف پہاڑ کی چوٹی سے پانی گرنے کی رفتار سے بھی زیادہ تیز دوڑے گی۔ ان کے سینے قرآن ہوں گے۔ اور وہ خود اپنی جانوں (نفسوں) کی قربانیاں دیں گے۔ دن کے شیر اور راتوں کے شب زندہ دار ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمن پر ایک ماہ کی مسافت سے رعب طاری ہو جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس جہاد کریں گے۔ پھر جب فارغ ہوں گے تو فیصلے (حکومت) کریں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی باڈی گارڈ (محافظ) نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائیں گے۔

اور ایسے ہی شاہِ حبشہ نجاشی رضی اللہ عنہ نے جب مہاجرینِ حبشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے دربار میں بلایا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سنیں تو اس نے کہا:

مرحبا بکم و بمن جئتم من عندہ اشھد انہ رسول اللہ و انہ الذی نجد فی الانجیل و انہ الذی بشر بہ

۱۹۔ رواہ الواقدی عن ثعلبۃ بن مالک "کذا فی" محمد نبی الاسلام فی التوراۃ والانجیل والقرآن ص ۷، لمحمد عزت طھطاوی، و فی مقدمۃ الکتاب بقلم الدکتور محمد طیب النجار ص ۵ طبع جامعہ ازہر۔

عیسیٰ ابن مریم۔
"مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں۔ اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) نے دی تھی۔"

(احمد عن ابن مسعودؓ، و ہذہ الروایۃ مرویۃ عن جعفر و ام سلمہ رضی اللہ عنہما ایضاً)

اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز میں نجاشی کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک نبی کی پیشین گوئی کر گئے ہیں بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نبی کی ایسی صاف نشاندہی انجیل میں موجود تھی جس کی وجہ سے نجاشی کو یہ رائے قائم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبی ہیں[20]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ تو اسی بات سے ہو جاتا ہے کہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ آپؐ کی اُمت کا ذکر بھی پہلے ہی کتابوں میں آچکا تھا۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے،۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال سمعت ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان اللہ عزّ وجل یقول: یا عیسیٰ اِنّی باعثٌ من بعدك اُمّۃً۔ اِن اصابھم ما یحبّون حمدوا وشکروا واِن اُصابھم ما یکرھون احتسبوا وصبروا ولا حلم ولا علم، اعطیتُ ھُمْ من حلمی وعلمی۔[21]

حضرت ابو درداء رضی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا۔ بے شک اللہ عزّ وجلّ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) فرماتے ہیں۔ اے عیسیٰؑ! یقیناً میں تیرے بعد ایک (ایسی)

---

[20]۔ تفہیم القرآن ۴۶۶/۵

امّت بھیجنے والا ہوں، اگر انہیں وُہ چیز ملے جسے وہ پسند کرتے ہوں (یعنی آسائش و فراخی) تو وہ حمد و شکر کریں گے۔ اور اگر انہیں وہ چیز پہنچے جسے وُہ ناپسند کرتے ہوں (یعنی کوئی تکلیف و مصیبت) تو وُہ اللہ تعالیٰ سے ثواب طلب کرتے ہُوئے صبر کریں گے۔ نہ علم نہ حلم۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا: اے میرے پروردگار! ان کے لیئے نہ علم نہ حلم کیسے ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں انہیں اپنے حلم و علم سے نوازوں گا۔

اور ایک حدیث میں ہے:۔

عن الفلتان بن عاصم رضی اللہ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المجلس فشخص بصرہ الی رجلٍ فی المسجد یمشی فقال: ایا فلانُ قال: لبیک یارسول اللہ وَلا ینازعہ الکلام الّا قال: یارسول اللہ۔ قال لہ: أتشہد أنی رسولُ اللہ قال، لا، قال أتقرأ التوراۃ، قال نعم، قال: والانجیل؟ قال نعم۔ قال: و القرآن؟ قال: والذی نفسی بیدہٖ لَوْ أشاءُ لقرأتُہٗ ثم ناشدہ هل تجدنی فی التوراۃ والانجیل؟ قال نجد مثلك ومثل مخرجك ومثل هیئتِك، فکنا نرجو أن یکون فینا، فلمّا خرجت خِفنا ان تکون انت هو، فنظرنا فإذا انت لستَ هو، قال: ولمّا ذلك؟ قال: معہ من أمّتہٖ سبعون الفًا لیس علیهم حسابٌ ولاعذابٌ، وانّما معك نفرٌ یسیرٌ، فقال، والّذی نفسی بیدہٖ لأنا هو، وإنهم لأمّتی وإنهم لأکثر من سبعین الفا وسبعین الفًا۔ [۲۲]

حضرت فلتان بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں ایک مجلس میں ایک شخص پر جم گئیں، جو مسجد میں چل رہا تھا۔ رسول اللہ

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُسے) فرمایا، اے فلاں (یعنی آپؐ نے اُسے یا فلاں کہہ کر پکارا)، تو اس نے لبیک یارسول اللہ! (اے اللہ کے رسولؐ میں حاضر ہوں) کہا۔ اور اُسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یارسول اللہ کہنے کے سوا کوئی چارۂ کلام نہ ہُوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس بات کی شہادت دینا (اقرار کرتا ہے) کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اُس (شخص) نے کہا، نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو تورات پڑھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو انجیل پڑھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے پوچھا کیا تو قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتا ہے؟ تو اُس نے کہا اگر میں چاہتا تو اس (قرآن پاک) کی تلاوت بھی کر لیتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قسم دلوائی (اور پوچھا کہ) کیا تو مجھے (یعنی میرا ذکر) تورات و انجیل میں پاتا ہے۔ تو اس نے کہا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے شہر مکہ کی مثال پاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت کی مثال بھی پاتے ہیں۔ پس ہمیں اُمید تھی کہ وہ (نبی) ہم میں سے ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ہمیں خدشہ (ڈر) ہوا کہ وہ (نبی جس کی صفات تورات و انجیل میں مذکور ہم پاتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ ہی ہیں۔ پھر جب ہم نے (غور سے) دیکھا تو وہ (نبی) آپؐ نہیں ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیوں میں وہ (نبی) نہیں ہوں؟ اس شخص نے کہا اس لیئے کہ اس (نبی) کی اُمت میں سے ستر ہزار لوگ ایسے ہوں گے جن کا کوئی حساب و کتاب

۲۱؎: مسند احمد ۶/۴۵۰ وذکرہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱۰/۶۷-۶۸ وقال رجالہ رجال الصحیح الا اثنین وہ ثقتان، ونقلہ ابن القیم فی زاد المعاد ۱/۴۶ وعزا الی البزار وغیرہ ورواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط۔

۲۲؎: قال الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱۰/۴۰۷-۴۰۸، رواہ البزار ورجالہ ثقات۔

Marfat.com

نہیں ہوگا۔ یعنی بغیر حساب جنّت میں داخل ہوں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ہی وہ (نبی) ہوں (جس کا ذکر تم تورات و انجیل میں پاتے ہو) اور یقیناً میری اُمت میں سے ستّر ہزار اور وہ ستّر ہزار میں سے کئی مرتبہ زیادہ ہوں گے (جو بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں جائیں گے)

Marfat.com

بائیبل کے عہدِ قدیم یا تورات میں ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسلامی کتب کے حوالوں سے جائزہ پیش کیا جا چکا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت سے بھی صدیوں پہلے بنی اسرائیل کی کتابوں میں مذکور ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اقوام یہود و نصاریٰ میں معروف تھے۔ مگر ایک غیر مسلم یہ سن کر کہہ سکتا ہے کہ ہم جب ان کتابوں کو سرے سے جانتے ہی نہیں تو ہمیں یہ کیسے یقین آئے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر سابقہ کتابوں میں موجود تھا۔

اسی طرح ہی ایک مسلمان بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ غیر مسلموں کو ہماری کتابوں کے حوالے دینے سے کیا حاصل ؟ ان کو ان کے اپنے مذہب کی کتابوں کے حوالے سے ہی قائل کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر خود تمہاری کتابوں میں بھی موجود تھا۔ اور تحریفات و تغیرات کے باوجود اب تک بھی باقی ہے۔

لہٰذا آیئے پہلے بنی اسرائیل کی قوم یہود کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان میں کہاں کہاں اور کیا کیا بشارتیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مذکور ہیں :-

کتب بنی اسرائیل کے مجموعہ "بائیبل" کا تقریباً نصف اوّل کتب یہود پر مشتمل ہے جس کو مجموعی طور پر عہدِ قدیم کہا جا سکتا ہے۔ جس کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ ہے۔ اسفارِ قدیم، جس کی چار قسمیں ہیں :-

۱۔ پہلی قسم ہے کتب موسیٰ علیہ السلام یا تورات ۔ اور یہ عہدِ قدیم کے پانچ اسفار، سفرِ تکوین یا پیدائش، سفرِ خروج، سفرِ تثنیہ یا استثناء، سفرِ لاویین یا احبار اور سفرِ عدد پر مشتمل ہے۔

۲۔ دوسری قسم ہے اسفارِ تاریخیہ، جس میں بارہ اسفار ہیں۔ جن میں ہی ایک سفر

Marfat.com

یوشع علیہ السلام بھی ہے۔

۳۔ تیسری قسم ہے اسفارِ منظومہ۔ اس میں پانچ اسفار ہیں۔ جن میں سفرِ ایوب علیہ السلام، سفرِ داؤد علیہ السلام اور سفرِ سلیمان علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

۴۔ اور چوتھی قسم ہے اسفارِ انبیاءؑ۔ جو سترہ اسفار پر مشتمل ہے۔ جن میں سفرِ اشعیا علیہ السلام، سفرِ یونس علیہ السلام اور سفرِ زکریا علیہ السلام بھی شامل ہیں۔

اور عہدِ قدیم کا دوسرا حصہ سفرِ یہودیت، سفرِ بنیامین علیہ السلام، سفرِ یسوع علیہ السلام اور کتب مقابیین پر مشتمل ہے۔ جنہیں احبارِ یہود نے عوام الناس سے مخفی رکھنے کی غرض سے عہدِ قدیم میں داخل ہی نہیں کیا۔ اگرچہ سفرِ بنیامین علیہ السلام کے سوا یہ سب ان کے ہاں نہایت معتمد علیہ اسفار ہیں۔

اور عہدِ قدیم کا تیسرا حصہ عقیدہ و شریعت اور تاریخ مقدس کے موضوعات پر مشتمل ۶۳ (تریسٹھ) اسفار کا مجموعہ ہے۔ جو دراصل فریسی فرقۂ یہود کے احبار و فقہاء کی تالیفات ہیں اور اسی مجموعے کا نام تلمود ہے۔[۲۳]

یہود کی کتابوں میں سے اسفارِ عہدِ قدیم یا تورات کے دو اجزاء سفرِ تکوین یا پیدائش اور سفرِ تثنیہ یا استثناء کے متعدد مقامات پر نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں۔ ایسے ہی اسفارِ منظومہ میں سے سفرِ مزامیر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل موجود ہے۔ اور اسی طرح ہی اسفارِ انبیاءؑ میں سے سفرِ اشعیاء، سفرِ میخا، حبقوق، سفرِ حجی اور سفرِ ملاخی میں بھی بالتصریح اور بالتلمیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کئی مقامات پر نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے اوصاف بھی مذکور ہیں۔ جن سے سورۃ الفتح کی آخری

۲۳۔ محمد نبی الاسلام فی التوراۃ والانجیل۔ محمد عزت طہطاوی ص ۹۰-۹۱ طبع مصر۔ اظہار الحق ۱/۹۰-۹۶ طبع قطر۔

Marfat.com

آیت (سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ، ذٰلِكَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰاةِ، وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ)

کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔

چند بشارتیں :-

بائبل کے عہدِ قدیم یا تورات اور اس کی ملحقہ کتب میں ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل موجود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ پر مشتمل وہ بشارتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کا پیش کرنا تو کوئی ضروری نہیں۔ البتہ ان میں سے چند عبارتوں کا باحوالہ ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔ چنانچہ سفرِ استثناء باب ۱۸، آیات ۱۵ تا ۱۹ میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوشخبری دی اور فرمایا :-

خداوند تیرا خدا تیرے لیئے، تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سُننا۔ یہ تیری (یعنی بنی اسرائیل کی) اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حواب (پہاڑ) میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے، اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو، تاکہ میں مَر نہ جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا۔ اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا۔ وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سُنے تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔[۲]

Marfat.com

یہ تورات کی صریح پیشین گوئی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پر چسپاں نہیں ہوتی۔ اور خود قرآن پاک نے سورۃ نجم کی آیت ۳، ۴ میں اس کی تصدیق ان الفاظ میں کر دی۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔

اور (نبی صلی اللہ علیہ وسلم)، اپنی مرضی سے کوئی بات نہیں کرتے بلکہ ان کی جو بات ہے وہ وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی جاتی ہے۔

اور تورات کے اسی سفر استثناء کے باب ۳۳ میں ہے

"اللہ تعالیٰ نے فاران سے اپنے نور کو روشن کیا، اور اس کے ساتھ دس ہزار قدسی بھی آئے۔"

ایک نومسلم فاضل شیخ عبداللہ ترجمان (سابق عیسائی) نے ایک کتاب "تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب" لکھی ہے جس میں اس نے لکھا ہے کہ:

"جبال فاران سے مراد مکہ اور وادیٔ حجاز ہے۔ کیونکہ شاہان عمالقہ میں سے ایک بادشاہ کا نام فاران تھا، اور زمین تقسیم کرتے وقت یہ علاقہ اس کے حصے میں آیا تھا۔ لہٰذا اسی کے نام پر اس کا یہ نام معروف ہوا۔"[۲۵]

اب آپ فاران کے متعلق بحث کرنے والی تمام تاریخوں کو پڑھ ڈالیں۔ آپ کو مذکورہ بالا آیتِ تورات کا مصداق فتح مکہ کے سوا دوسرا کوئی واقعہ نظر نہیں آئے گا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں دس ہزار قدسی نفوس صحابہ کے ساتھ داخل ہوئے۔[۲۶]

۲۴۔ تفہیم القرآن ۵/۴۵۹، رحمۃ للعالمین قاضی سلیمان منصورپوری ۱/۹۶-۹۷ حاشیہ، محمد فی الکتاب المقدس پروفیسر عبدالاحد داؤد سابق بشپ ص ۳۱ طبع قطر آیۃ واحدہ۔ ۲۵۔ محمد نبی الاسلام ص ۴-۵

۲۶۔ محمد فی الکتاب المقدس ص ۴۴، خاتم النبیین، محمد ابوزہرہ ۱/۹۳ اور معالم النور عباس محمود عقاد۔

اور سفرِ تکوین یا پیدائش باب ۲۱، آیت ۱۷ تا ۱۹ میں ایک عبرانی جملے کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اے ہاجرہ (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ) کھڑی ہو جاؤ، اور اپنے اس بچے کو اٹھالو، اور اسے سنبھال کر حفاظت سے رکھو، بے شک اسی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی اولاد پیدا ہو گی۔ جو آسمان کے ستاروں کی طرح ہوں گے۔" [۲۷]

سفرِ حبقوق باب ۳، آیت ۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دو مرتبہ آیا ہے۔ اور آپ کے یہ اوصاف بیان ہوئے ہیں کہ:۔

"وہ اہلِ زمین کے ساتھ برّی و بحری محاذوں پر جہاد کریں گے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ فاران سے نمودار ہوں گے۔" [۲۸]

ایسے ہی سفرِ تکوین یا پیدائش کے سات مقامات، سفرِ استثناء کے دو مقامات، سفرِ مزامیر کے دو مقامات، اشعیاء کے چودہ مقامات، میخا، حبقوق اور حجی کے ایک ایک اور سفرِ ملاخی کے [۲۹] دو مقامات پر ایسی بشارتیں موجود ہیں، جن میں نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل موجود ہے۔

---

[۲۷]:۔ محمد نبی الاسلام ص ۷ محمد عزت طہطاوی

[۲۸]:۔ محمد نبی الاسلام ص ۲۵ محمد عزت طہطاوی

[۲۹]:۔ سفرِ ملاخی باب ۴ آیت ۵ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ "میں روزِ قیامت سے پہلے پہلے ایک نبی ایلیاء بھیجوں گا۔" جبکہ ایلیا اور احمد دونوں کا عدد ایک ہی ۵۳ ہے (محمد نبی الاسلام ص ۲۷)

تفہیم القرآن ۵/۲۶۱ میں کلمہ ایلیاء کے بعد قوسین میں (حضرت الیاس علیہ السلام) لکھا ہوا ہے۔ جبکہ مؤلف "محمد نبی الاسلام" نے لفظوں کے عددوں پر بکثرت اعتماد کرنے والی یہود کی عادت کے پیشِ نظر ثابت کیا ہے کہ ایلیاء سے مراد "احمد" ہیں کیونکہ دونوں کا عدد ۵۳ ہے۔

بائبل کا عہدِ جدید یا انجیل اور اس کی ملحقہ کتابیں

بائبل کے عہدِ قدیم یا تورات اور اس کی ملحقہ کتابوں کی طرح ہی عہدِ جدید یا انجیل اور اس کی ملحقہ کتابوں میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بکثرت بشارتیں موجود ہیں اور تورات کی طرح ہی انجیل بھی کسی ایک کتاب کا نام نہیں، بلکہ اس کے ضمن میں بھی بیسیوں نام آتے ہیں۔ اور اس بات پر تعجب کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو ایک تورات، اور ایک انجیل نازل فرمائی تھی۔ مگر اتنی ساری توراتیں اور انجیلیں کیسے ہوگئیں۔ یہی چیز دراصل ان کے تحریف شدہ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کی طرف منسوب شدہ انجیلوں کی تعداد ستر (۷۰) تھی۔ اور بعض عیسائی مؤلفین نے تو ایک سو تک ان کی تعداد لکھی ہے۔ پھر ۳۲۵ء میں اہلِ انجیل کا ایک عالمگیر اجتماع ہوا۔ جس میں اڑتالیس ہزار عیسائی علماء جمع ہوئے۔ اور انہوں نے کسی ایک رائے پر متفق ہونے کی بجائے بے شمار اختلافات کی ایک خلیج پیدا کر دی۔ اور بالآخر اس وقت کے شاہ قسطنطین نے ۳۱۸ پادری اور بشپ منتخب کیے جو اس کی طرح ہی الوہیتِ مسیح کے قائل تھے۔

انہوں نے پھر جو قرار دادیں پاس کیں ان میں سے ہی یہ بھی تھیں کہ:-

۱۔ ایک قرار داد الوہیتِ مسیح کے اثبات اور عقیدۂ تثلیث کے اقرار پر مبنی تھی۔

۲۔ دوسری ایک قرار داد میں حضرت مسیح علیہ السلام کو انسان سمجھنے والے کو کافر قرار دیا گیا۔

Marfat.com

۳۔ بشپ اریوس کو کافر قرار دے کر اسے دھتکار دیا گیا۔ جبکہ یہ شخص اسکندریہ (مصر) کے کنیسہ کا پادری تھا اور وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ مسیح (علیہ السلام) بشر و مخلوق ہیں، نہ کہ اِلٰہ یا ابن اللہ۔

۴۔ اور ایک قرار داد میں یہ پاس کیا گیا کہ ہر وہ کتاب جو الوہیتِ مسیحؑ کے عقیدہ کے خلاف مواد پر مبنی ہو اسے جلا دیا جائے۔ یا کم از کم اس کے مطالعہ کو حرام قرار دیا گیا اس ضمن میں عیسائیوں کے اہلِ توحید فرقوں کی معتبر کتابیں آگئیں۔ جو بشریتِ مسیح اور ان کے فقط رسول ہونے کا پتہ دیتی تھیں۔ اور ان ہی سے انجیل برنا باس بھی تھی۔[۳۰]

اہلِ انجیل کے ۳۲۵ء میں منعقدہ اجتماع میں یہ طے پایا کہ:

صرف اناجیل اربعہ یعنی انجیل متی، انجیل مرقس، انجیلِ لوقا، اور انجیلِ یوحنا۔ اور ان چار انجیلوں کے ساتھ ساتھ پطرس کی طرف منسوب انجیل صبوہ کو کتب مقدسہ قرار دیا جائے اور باقی تمام انجیلوں کو ضائع کر دیا جائے۔

جبکہ اس زمانے تک یہ پانچوں انجیلیں ہی انتہائی غیر معروف تھیں۔ پس بات صرف اتنی تھیں کہ ان میں کچھ ایسا مواد موجود تھا جو الوہیت مسیح علیہ السلام، اور ایسے بعض دیگر فاسد و باطل عقائد پر مبنی تھا۔ لہٰذا انہیں مقدس قرار دے دیا گیا۔

اور خود یہ پانچوں انجیلیں (کتابیں) بھی تحریف اور تغیر و تبدل سے نہ بچ سکیں۔

اس بات کا اعتراف مسیحی عالم ہارون نے اپنی تفسیر مطبوعہ ۱۸۲۲ء کی جلد چہارم قسم ثانی اور باب دوم میں، اور لارڈ نر نے اپنی تفسیر کی جلد پنجم میں اور بعض دیگر عیسائی اہلِ علم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔

اور پروٹسٹنٹ عقیدہ کے مشہور کرسچن عالم پارکنز کے حوالے سے ایک جرمن عیسائی لکھتا ہے کہ:

---

[۳۰]۔ محمد نبی الاسلام فی التوراۃ والانجیل والقرآن ص ۷۷۔

Marfat.com

"عہدِ قدیم اور عہدِ جدید کی عبارتوں میں تیس ہزار مقامات میں اختلاف پایا جاتا ہے جب کہ ان کے بشپ مل کا کہنا ہے کہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے، تو ایک لاکھ پچاس ہزار عبارتوں میں اختلاف ملتا ہے۔"

۳۲۵ء میں ہونے والے نیقیہ کونسل کے عالمگیر اجتماع کے بعد عہدِ جدید میں جو کتب و رسائل شامل کیے گئے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم میں بیس کتابیں ہیں۔ جن میں ہی مروّجہ اناجیل اربعہ بھی ہیں۔ اور دوسری قسم میں سات کتب و رسائل شامل ہیں۔

پھر ۳۶۴ء میں سات اور ۳۹۷ء میں پانچ اور کتابیں عہدِ جدید میں شامل کر دی گئیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارہ سو سال بعد جب پروٹسٹنٹ فرقے کا ظہور ہوا تو انہوں نے ان کتابوں میں سے سات مکمل کتب اور ایک کتاب کے بعض ابواب کو رد کر دیا۔[31]

آج عیسائیوں کے پاس موجودہ اناجیلِ اربعہ میں بھی تمام تحریفات کے باوجود کئی مقامات پر ایسے واضح اشارات موجود ہیں جن میں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارتیں دی گئی ہیں۔

ایسے ہی ایک انجیل برناباس ہے جسے اگر کوئی بھی شخص تعصب کی عینک اتار کر کھلی آنکھوں سے پڑھے۔ اور دوسری چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کرے گا کہ یہ ان چاروں سے بدرجہا بہتر ہے۔ اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات دوسری انجیلوں کی بہ نسبت زیادہ واضح، مفصل اور مؤثر طریقے سے بیان ہوئی ہیں۔ اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بکثرت ذکر ہے۔

---

[31] :۔ محمد نبی الاسلام ص ۸۱ تا ۸۸ اور اظہار الحق ۱/۹۷ تا ۱۰۰ طبع مصر میں بھی اجمالی بیان موجود ہے۔

Marfat.com

انجیل برناباس عیسائیوں کے یہاں غیر معتبر کیوں ؟

اناجیل اربعہ کی نسبت سب سے زیادہ بشارتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل انجیل برناباس میں ہے۔ اور وہ ہے بھی صحیح ترین انجیل، کیونکہ عیسائیوں کے یہاں جو چار انجیلیں معتبر مانی جاتی ہیں ان میں سے کسی ایک کا مؤلف بھی ایسا نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی ہو۔ اور ان ہی میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ؛

"ان کی اناجیل میں درج معلومات انہوں نے کسی صحابی یا حواری سے سُنی ہوں، اور نہ ہی کوئی سَند یا حوالہ ہے۔"

اس کے برعکس انجیل برناباس کا مصنّف کہتا ہے کہ :۔

"میں مسیحؑ کے اوّلین بارہ حواریوں میں سے ایک ہوں، شروع سے آخر تک مسیحؑ کے ساتھ رہا ہوں۔ اور اپنی آنکھوں دیکھے واقعات اور کانوں سُنے اقوال اس کتاب میں درج کر رہا ہوں۔"

یہی نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں کہتا ہے کہ ؛

"دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت مسیحؑ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل گئی ہیں ان کو صاف کرنا اور صحیح حالات دُنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے۔"

اس انجیل برناباس میں توحید کی تعلیم، شرک کی تردید، صفات باری تعالیٰ، عبادات کی روح۔ اور اخلاق فاضلہ کے مضامین بڑے ہی پر زور اور مدلل و مفصل ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان، طرزِ بیان، طبیعت و مزاج سے کوئی شخص اگر تھوڑا سا بھی آشنا ہو تو اس انجیل کو پڑھ کر یہ ماننے پر

مجبور ہو گا کہ اناجیلِ اربعہ کی نسبت انجیل برناباس میں حضرت مسیحؑ اپنی اصلی شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مگر مسیحی لٹریچر میں جہاں کہیں اس انجیل کا ذکر آتا ہے، اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے جو صرف اس بنا پر بول دیا گیا ہے کہ اس میں کئی جگہ بصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ اوّل تو اس انجیل کو پڑھنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اگر مسلمان کی تصنیف کردہ ہوتی تو مسلمانوں میں یہ کثرت کے ساتھ پھیلی ہوئی ہوتی۔ مگر یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ جارج سیل کے انگریزی مقدمۂ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو سرے سے اس کے وجود تک کا علم نہ تھا۔

امام طبری، یعقوبی، مسعودی، البیرونی، ابن حزم اور دیگر مسلم مصنفین جو مسیحی لٹریچر پر وسیع معلومات رکھنے والے تھے ان میں سے کسی کے ہاں بھی مسیحی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برناباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں پائی جانے والی کتابوں کی بہترین فہرستیں مثلاً ندیم کی الفہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون ہیں۔ اور وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ انیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا ہے۔

اور اس بات کے جھوٹ ہونے کی تیسری اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی ۷۵ سال پہلے پوپ گلاسیس اوّل کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی،

Marfat.com

اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعے سے جن کا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا تھا، ان میں سے انجیل برناباس بھی شامل تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کونسا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی؟ یہ بات تو خود عیسائی علماء نے تسلیم کی ہے کہ شام اسپین، مصر وغیرہ ممالک کے ابتدائی کلیسا میں ایک مدت تک برناباس کی انجیل رائج رہی ہے۔ اور چھٹی صدی میں آ کر اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔[۳۲] اسے رد کرنے اور ممنوع قرار دینے کا سبب دراصل اس کے سوا کوئی نہیں کہ اس میں عیسائیوں کی موجودہ بدعقیدگی کے خلاف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بکثرت مواد موجود تھا۔

---

[۳۲] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے تفہیم القرآن ۵/۴۵۹ تا ۴۷۰، اور محمد نبی الاسلام التوراۃ والانجیل والقرآن ص ۴۳ تا ۴۷۔

Marfat.com

موجودہ اناجیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے عیسائیوں کے ہاں معتبر مانی جانے والی اناجیلِ اربعہ اور انجیل کے صحیح ترین نسخہ "انجیل برنا باس" میں بشارتیں موجود ہیں مثلاً انجیلِ یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ :

"مسیح علیہ السلام کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصوں کے منتظر تھے، ایک مسیح ، دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاس علیہ السلام کی آمد ثانی) ، اور تیسرے وہ (جس کی خبر تورات میں دی گئی تھی۔)

اس انجیل کے باب اوّل آیات ۱۹ تا ۲۵ میں ہے :

" اور یوحنا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے ؟ تو اس نے اقرار کیا، اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر ہے تو کون ؟ اس نے کہا، میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو۔

انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح علیہ السلام ہے ، نہ ایلیا، نہ وہ نبی، تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے ؟"

یہ الفاظ اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت مسیح علیہ السلام ، اور حضرت ایلیا علیہ السلام کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے اور وہ یوحنا حضرت یحییٰ

علیہ السلام) نہ تھے (بلکہ وہ نبی منتظر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے)۔

اور اسی انجیل یوحنا کے باب ۱۴، ۱۵، ۱۶ میں حضرت مسیح ؑ نے اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر دی ہے جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ

"وہ دُنیا کا سردار (سرورِ عالم) ہوگا۔" ابد تک رہے گا۔ یعنی اس کی شریعت قیامت تک کے لیے ہوگی۔ وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا۔ اور خود ان کی یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی گواہی دے گا۔"

ان تینوں ابواب میں "رُوح القدس" اور "سچائی کی رُوح" وغیرہ الفاظ شامل کرکے (اہلِ کتاب کی طرف سے) مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، مگر اس کے باوجود اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی رُوح نہیں بلکہ کوئی انسان[۳۳] اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالمگیر، ہمہ گیر اور قیامت تک رہنے والی ہوگی۔[۳۴]

اور انجیل متی باب ۱۱ آیت ۱۴ میں ہے،

"اگر تم اتباع کرنا چاہتے ہو تو اس ایلیاء کی اتباع کرنا۔ جو اپنی بعثت و رسالت کے وقت آئیں گے جس کے سُننے کے لیے دو کان ہیں وہ اچھی طرح یہ بات سُن لے۔"

یہاں ایلیا کی بشارت دی گئی ہے جبکہ یہ لفظ اپنے اعداد کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک "احمد" کے برابر ہے۔[۳۵]

۳۳: انجیل یوحنا کے باب ۱۳۶ کی آیات ۷ تا ۲۱ کے مابین یہ چیز بالصراحت موجود ہے کہ وہ نبی بشری جسم میں ہوں گے۔ (محمد نبی الاسلام ص ۶۱)

۳۴۔ تفہیم القرآن ۵/۶۴ ۔ ۶۱ ۴۲۶، محمد نبی الاسلام ص ۳۵ تا ۴۰ اور خاتم النبیین محمد ابوزہرہ ۱/۷ طبع حکومت قطر

۳۵۔ محمد نبی الاسلام ص ۲۷، ۲۸، ۳۱ ۔

اور انجیل مرقس کے باب اوّل آیت ۷ میں ہے کہ :

"وہ یوحنا بالتکرار کہا کرتے تھے کہ میرے بعد ایک نبی آنے والا ہے۔ جو مجھ سے زیادہ قوی ہوگا۔"

اس آیت میں تحریف کرکے اہل کتاب نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ،

"انہی دنوں یسوعؑ آگئے۔"

حالانکہ یوحنا کی بشارت یہ ہے کہ :

"وہ قوی نبی میرے بعد آئے گا۔ جبکہ یسوع علیہ السلام ان کے ہمعصر تھے۔"

لہٰذا یہ واضح اشارہ ہے کہ وہ قوی نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوسکتے ہیں۔

ایسے ہی انجیل لوقا کے باب ۲۰، اور آیت ۱۶ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارت موجود ہے۔

الغرض عیسائیوں کے ہاں معتبر مانی جانے والی اناجیل اربعہ میں سے انجیلِ متی کے تین مقامات، انجیلِ مرقس کے دو مقامات، انجیلِ لوقا کے ایک مقام اور انجیلِ یوحنا کے چار مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارتیں موجود ہیں۔ جبکہ انجیل برناباس کے دو چار نہیں بلکہ چالیس مقامات پر ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات پائی جاتی ہیں۔

ان تمام بشارتوں کی نصوص محمد عزت طہطاوی نے اپنی کتاب "نبی الاسلام" کے ص ۳۱ تا ۷۶ میں نقل کی ہیں۔ جبکہ انجیل یوحنا کی مذکورۃ الصدر نصوص کے علاوہ انجیل برناباس کی متعدد بشارتیں تفہیم القرآن جلد پنجم ص ۴۷۱ - ۴۷۴ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب "الوفاء باحوال المصطفٰےؐ" جلد اوّل ص ۶۷ تا ۱۲۵ پر ابن قتیبہ کے حوالے سے تورات و انجیل کی بکثرت بشارتیں ذکر کی ہیں۔

آپ کو ان نصوص کے مطالعہ کے دوران کہیں یونانی زبان کا لفظ فارقلیط یا پیرقلیطس اور کہیں سریانی زبان کا لفظ منحمنا ملے گا، ایسے عبرانی کا لفظ ایلیا بھی ہے۔ یہ دراصل ایک

ہی ذاتِ گرامی (محمد و احمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھومتے ہیں اور ان کا معنیٰ بھی وہی ہے جو لفظ محمد و احمد کا ہے [۳۶]

ہندؤوں کی کتب میں بشارات

یہود و نصاریٰ کی کتب کی طرح ہی ہندؤوں کے یہاں مقدس مانی جانے والی مذہبی کتب میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات مذکور ہیں۔

چنانچہ کراچی کے ایک مجلہ "ندائے دین" نے اپنی ماہ نومبر ۱۹۷۸ء کی خصوصی اشاعت "سیرۃ نمبر" میں الحاج بشیر الدین پنڈت صاحب کا ایک مضمون شائع کیا تھا، جسے بعد میں صدیقی ٹرسٹ کراچی والوں نے اپنے سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۰۸۴ کے تحت ایک پمفلٹ کی شکل میں چھاپ کر تقسیم کیا ہے۔

اس مضمون میں موصوف نے پہلے ہندؤوں کی مذہبی کتابوں (ویدوں، اپ نشدوں اور پرانوں) کا تعارف کروایا ہے، اور ویدوں میں سے (منوجی) اتھروید کو آخری وید بتایا ہے اور لکھا ہے کہ:

"اس کا زمانۂ تالیف سوامی دیانند جی کے بقول تو ایک ارب اکتیس کروڑ برس ہے لیکن عصرِ حاضر کے محققین انہیں چار ہزار سال پرانا بتاتے ہیں۔ جبکہ یہی زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔"

اور آگے پرانوں اور ویدوں کو ہمعصر اور ویدوں کو پرانوں کے مصدق قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

"جن پرانوں کے وید مصدق ہیں چونکہ انہی میں حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[۳۶] ۔ تفہیم القرآن ۵/۴۶۵ نقلاً عن سیرت ابن ہشام ۱/۲۴۸

کے متعلق بشارتیں ہیں، اس لیے بعض لوگ یہ عذر پیش کر دیتے ہیں کہ یہ نقلی ہیں۔ اصل غائب ہوگئے ہیں، یہ عذر غلط ہے۔ اس لیئے کہ پران ہندوؤں میں ویدوں کے مقابلہ میں زیادہ زیرِ استعمال ہیں۔ تعجب ہے کہ پران جو شروع زمانہ سے آج تک بکثرت پڑھے جاتے ہیں، وہ تو گم ہوگئے، مگر وید جن کو بہت کم لوگ پڑھتے اور جانتے ہیں وہ باقی رہ گئے؟" یہ خیال بھی غلط ہے کہ پرانوں میں پیش گوئیاں بعد میں شامل کی گئیں۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو آج ہندوستان کے کسی گوشہ میں کوئی نہ کوئی پران تو کسی برہمن کے گھر سے ایسا دیکھنے کو ملتا۔ جو پیش گوئیوں سے خالی ہوتا" اور آگے سام وید پر پاٹک ۲، رشی ۶، منتر ۸ کے حوالہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت ذکر کی ہے۔ اور آگے چل کر مزید بشارات بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔

(۱) سام وید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر

ترجمہ :۔ "احمد نے اپنے رب سے پُرحکمت شریعت کو حاصل کیا، میں سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں۔ یعنی میں (رشی وتسہ کنو) اس بشارت کو دیکھتے وقت آفتابِ رسالت کے نور سے منوّر ہو رہا ہوں۔"

قرآن شریف اس منتر کے راز کو اس طرح کھولتا ہے :۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (۳۳- ۴۵/۴۶)

ترجمہ :۔ اے نبی! ہم نے تجھے شاہد، مبشّر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور تو اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنے والا سورج ہے۔

تشریح :۔ روشنی دو طرح کی ہوتی ہے، اجرامِ فلکی کی، ایک وہ اجرام جو

Marfat.com

بذاتِ خود روشن ہیں جیسے سورج ۔ دوسرے وہ اجرام، جو اس سے روشن ہوتے ہیں۔ جیسے رات کے وقت چاند، ستارے سورج کی روشنی کی گواہی دیتے ہیں اس لیئے رشی دتسہ کا یہ کہنا کہ میں سورج کی مانند روشن ہوں، در حقیقت سراجاً منیرا کے لیئے ایک گواہی ہے۔ اور وہ۔ سراجاً منیرا احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

(۲) اتھر وید کے کنتاپ سوکت میں بشارات

اتھر وید تینوں ویدوں کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں رگ وید کی رچائیں (محامد) سام وید کے گانے اور یجروید کی عبادات کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مہلک امراض سے شفا، جنگ میں فتح و نصرت کے نسخے اور بہشت و دوزخ کے تفصیلی بیانات بھی ہیں۔ اس لیئے اس وید کو برہم وید (علم الٰہی) کہا جاتا ہے جس طرح بائیبل کا ماخذ الواحِ بابل ہیں۔ اُسی طرح ویدوں کی اندرونی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ اتھر وید صحیفۂ ابراہیمؑ کی بڑی حد تک نقل ہے۔ رگوید کا ⅕ حصہ بائیبل کی طرح بابل کے صحائف سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بابل اور مصر کے بادشاہوں کی جنگوں کا حال بھی ہے۔

(تفصیل کے لیئے ڈاکٹر پران ناتھ پروفیسر بنارس ہندو یونیورسٹی کا مضمون دیکھئے جو ٹائمز آف انڈیا کے جولائی و اگست ۱۹۳۵ء میں چھپا ہے)

اتھر وید کے بیسویں باب کے کچھ سوکت کنتاپ سوکت کہلاتے ہیں، ان کو طویل یگیوں اور قربانیوں میں ۱۷ پجاری بڑے اہتمام سے پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ ہر سال ہوا کرتا تھا۔ گویا ایک طرح سے انہیں یاد رکھنے کے لیئے ہندو قوم کو توجہ دلائی جاتی تھی۔

کنتاپ کے معنی ہیں پیٹ کی پوشیدہ گلٹیاں۔ یہ نام ان منتروں کا غالباً

Marfat.com

اس لیئے رکھا گیا کہ ان کا راز آئندہ زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا۔ یہ راز ناف زمین (مکہ) سے تعلق رکھتا ہے۔ مکہ کی زمین کو اُم القریٰ (ناف زمین) الہامی کتب میں بتایا گیا ہے۔ اس لیئے کہ یہیں سب سے پہلے پہل خدا کا گھر بنا اور نسلِ انسانی کو یہیں سے رُوحانی غذا ملنا شروع ہوئی۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ (۳ : ۹۶)

قرآن شریف میں مکہ کے دو نام ہیں۔ ایک بکّہ ، دُوسرا مکّہ۔
بکّہ کے معنی ہیں بطن (پیٹ زیر ناف) اور
مکّہ کے معنی ہیں پستان۔

انسان کو اپنی ماں سے غذا دو جگہ سے ملتی ہے یعنی پیٹ سے (رحمِ مادر سے) اور چھاتیوں سے۔ اسی طرح نسلِ انسانی کی ابتدائی پرورش (کنتاپ) (پوشیدہ گلٹیاں۔ رحمِ مادر) یعنی بطنِ مکہ سے شروع ہوئی۔ مگر جب بچہ رحمِ مادر سے مکمل ہو کر باہر آگیا یعنی وسیع دُنیا میں قدم رکھا۔ تو یہی گلٹیاں چھاتی میں دُودھ بن گئیں۔ اسی طرح انسان کی پرورش کا سامان اب مکہ میں یا ماں کی چھاتیوں میں ہے۔ کنتاپ سوکتوں کو لوگ اب تک معمہ یا پہیلیاں سمجھتے رہے ہے۔ چنانچہ پروفیسر پنڈت راجہ رام، پروفیسر مکولر بلوم فیلڈ وغیرہ نے ایسا ہی سمجھا۔ لیکن یہ گلٹیاں اب واضح ہو چکی ہیں۔

(۳) کنتاپ سوکت کا پہلا منتر اسم مُبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ :- ' اے لوگو ! یہ (بشارت) احترام سے سُنو۔ مُحمّدؐ تعریف کیا جائے گا۔

ساٹھ ہزار اور نوّے دشمنوں میں اس ہجرت کرنے والے

Marfat.com

(امن پھیلانے والے کو) ہم (حفاظت میں) لیتے ہیں۔"

تشریح :۔ نراشنسہ یعنی لوگوں میں تعریف کیا گیا۔ کوَرَم یعنی امن پھیلانے والا یا مہاجر۔ شیلستی شہر مکہ کی آبادی اس وقت ساٹھ ستر ہزار تھی جیسا کہ ابنِ اثیر کامل وغیرہ نے لکھا ہے۔

واضح اسمِ گرامی۔

ترجمہ :۔ "اس نے مامح رشی کو سَو دینار، دس تسبیحیں، تین سو گھوڑے، اور دس ہزار گائیں دیں۔"

(مترجمہ پنڈت کھیم کرن و پروفیسر راجہ رام)

تشریح : ما یعنی مہا بمعنی بہت زیادہ۔ مح یعنی تعریف کیا گیا۔ عروتام یعنی عربی گھوڑے۔

مطلب :۔

پیش گوئیاں بالعموم استعارات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس منتر میں سَو طلائی دینار وہ صحابہ کرامؓ ہیں جنہوں نے مکہ کے پُرفتن دَور میں مکہ سے حبش کو ہجرت کی۔ سرجہ یعنی گلدستہ تسبیح، سردار (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۸۴ منتر ۲ میں سرجہ بمعنی سہرا) عشرہ مبشرہ مُراد ہیں۔ عروہ بمعنی تیز رَو یا عربی گھوڑے۔ ان سے مُراد اصحابِ بدر ہیں جو تین سو تیرہ تھے۔ گو کا مادہ گم یعنی جنگ کے لیئے نکلنا۔ (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۳۳ منتر ۶) گائے کو رعب وجلال اور ہلاکت کا مظہر قرار دیا گیا ہے (رگوید منڈل ۵ سوکت ۵۶ منتر ۳)
گائے صلح واتفاق واتحاد کی علامت بھی ہے۔

Marfat.com

(رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۱۱۲ منتر ۳)

ان تشریحات سے ظاہر ہے کہ محمدؐ کے ساتھی گائے کی طرح مقدس اور رحم و محبت کے مجسمہ ہیں۔ اور اندر دیوتا کی طرح بارعب اور خوفناک بھی ہیں۔ اس تضاد کی پہیلی کو قرآن شریف نے اس طرح حل فرمایا۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ...... الخ (۴۸: ۲۹)

مکہ کی فتح کے وقت ٹھیک دس ہزار کی قدوسی جماعت آپ کے ساتھ تھی۔

مذکورہ بالا منتر میں حسب ذیل باتیں قابل غور ہیں:۔

۱۔ اس منتر میں محمد رسول اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام جو ذاتی نام سے بھی کسی قدر مشابہ ہے، موجود ہے۔

۲۔ آپؐ کو رشی یا پیغمبر بتایا گیا ہے۔

۳۔ آپؐ کو خالص سونے کے طلائی دینار یعنی سابقون الاولون صحابہ کرامؓ کے دیئے جانے کا ذکر ہے۔

۴۔ عشرہ مبشرہ یعنی با اقبال جنت کے دس گلدستوں کا عطیہ۔

۵۔ عابد، زاہد، عالم، جنگجو ۳۱۳ تاریخی اصحاب بدر کا ذکر۔

۶۔ فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدسیوں کی جماعت کا ذکر۔

دنیا کی تاریخی روشنی میں یہ ساری خوبیاں اور نشانات صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح حیات میں ملتی ہیں۔ اور یہ نشانیاں ٹھیک اسی ترتیب کے ساتھ ہیں جیسی کہ بعد کو تاریخی وجود میں آئیں۔ دنیا کے کسی رشی یا پیغمبر کے ساتھ بجز آنحضرتؐ کے ان کی تطبیق نہیں کی جا سکتی۔

Marfat.com

(۴) جنگِ احزاب کا مفصّل ذکر

اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۲۱، منتر ۶ حسبِ ذیل ہے:۔

ترجمہ:۔ اے صادقوں کے رب! تجھے ان سرور دینے والوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں اور مستانہ ترانوں سے دشمن کی جنگ میں مسرور کیا کہ جب حمد کرنے والے نیز عبادت کرنے والے کے لیئے تو نے دس ہزار دشمنوں کو بغیر مقابلہ شکست خوردہ کر دیا۔"

معنی:۔ برترےتے شتو۔ پتے بمعنی صادقوں کے رب۔ اَندَنُ بمعنی مسرور کیا۔ ورسنسٹریاتے ان بہادرانہ کاموں سے۔ سوماسہ یعنی مستانہ ترانوں نے۔ ورِترِ بمعنی دشمن کا ردِے بمعنی حمد کرنے والے کے لیئے۔ ورِ ہشمتے بمعنی عبادت کرنے والے کے لیئے۔ اپرتی بمعنی بغیر مڈبھیڑ۔ نی ورہیہ یعنی تو نے شکست خوردہ کر دیا۔ ہتیشو یعنی جنگ میں۔

تشریح:۔ وید منتر میں اللہ تعالیٰ کو ست پتی یعنی صادقین کی تربیت کرنے والا بتایا ہے۔ صادقین صحابہ کرامؓ کی صفت ہے۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔

وید منتر میں دوسری نشانی یہ ہے کہ:

سرور دینے والوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں اور ترانوں سے اللہ کو راضی کر دیا۔ اس کا نقشہ قرآن پاک میں یوں کھینچا گیا:۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ٥ (۲۳ - ۲۲)

Marfat.com

ترجمہ :۔ "جب مومنوں نے دشمن کے لشکر کو دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ وہ ہے جس کا
وعدہ اللہ اور اس کے رسُول نے کیا تھا (اس نظارہ نے) ان کے ایمان
نیز تسلیم و رضا کی ایمانی قوت کو المضاعف کر دیا۔"

تیسری نشانی دس ہزار کے لشکرِ عظیم کو جو تین ہزار کے مقابل تھا اور ہر طرح سے بڑھ چڑھ کر تھا شکست خوردہ بتایا۔ قرآن شریف میں یہ آیت جنگِ احزاب وقوع پذیر ہونے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ (۳۸ : ۱۱)

چوتھی نشانی اسمِ احمدؐ کا ذکر۔ کارو سے یعنی حمد کرنے والے یعنی احمد۔ پروفیسر گرفتھ نے اس کا ترجمہ اور پروفیسر پنڈت راجا رام نے ستوتا یعنی حمد کرنے والا کیا ہے۔ یہ صفاتی نام ہے جو اس جنگ کا ہیرو ہے۔ وہ حمد کرنے والا بھی ہے اور سپہ سالار بھی۔

حمد کرنے والے کی دوسری صفت لفظ برہشمتے ہے جس کے معنی ہیں مقدس گھاس، جو ویدی (آتش کدہ) کے کناروں پر بچھائی جاتی ہے۔ استعارۃ مقدس گھاس والا سے مراد عبادت گزار ہوتی ہے۔

دوسرے معنی اس کے روشن اور نورانی شخص کے بھی ہیں۔ یعنی احمد نہ صرف خدا کی حمد کرنے والے ہیں بلکہ عین میدانِ جنگ میں خدا کی عبادت کرنے والے بھی ہیں۔

یہ وید منتر کی پانچویں نشانی ہے۔

آخری نشانی ہے دشمن کا بغیر مقابلہ کیے فرار ہو جانا۔

اس کی وجہ اس سوکت کے منتر ۱ تا ۵، منتر ۷ اور ۸ میں بیان کی ہے۔ ان منتروں میں خطاب ہے اندر دیوتا سے۔ جو تند و تیز ہوا کا رفیق اور رعدو

Marfat.com

کڑک کا دیوتا ہے۔ اس جنگ میں دشمن تتّر بتّر ہوا اور کڑک سے ڈر کر یا اندر دیوتا سے خوف کھا کر بھاگ گیا۔

چنانچہ وید کے اپنے الفاظ ہیں۔

"تو نے اسے اندر! دس ہزار دشمنوں کو بغیر مڈھ بھیڑ کے شکست خوردہ کر دیا۔"

دشمن کی ہزیمت واقعی ایک حیرت انگیز امر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقابلہ دراصل مسلمانوں کے ساتھ نہیں تھا بلکہ اسی خالقِ فطرت کے ساتھ تھا۔ جس کے ایک ادنیٰ غلام تتّر بتّر ہوا، جھکڑ اور رعد و کڑک سے دشمن خوف زدہ ہو کر فرار ہو گیا۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ٥ (۳۳ : ۹)

ترجمہ:۔ "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو، جب تم پر لشکر آ پہنچے۔ سو ہم نے ان پر ہوا کو اور ایسے لشکروں کو بھیجا، جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔"

جنگِ احزاب صداقتِ اسلام کا کھلا معجزہ ہے۔[۳۷]

---

[۳۷]:۔ نشریہ نمبر ۱۰۸۴ ، از صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

سیرت بعد از ولادت و قبل از بعثت

شب ظلمت۔ ولادت و بعثت کے وقت دنیا کی مذہبی حالت۔ اجمالی خاکہ

پچھلے صفحات میں بڑے اختصار کے ساتھ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا وہ خاص پہلو یعنی سیرت قبل از ولادت پیش کیا ہے جو عام انسانوں کی سوانح حیات میں نہیں پایا جاتا۔ اور آئندہ ہمیں سیرت رحمۃ للعالمین کے دوسرے باب یعنی سیرت بعد از ولادت کی طرف پیش قدمی کرنا ہے۔ جو اپنی وسعتوں اور پہنائیوں کے اعتبار سے ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ اور عربوں میں مثل مشہور ہے :-

"تعرف الاشیاء باضدادھا"

کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے :

اور بقول سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ :

"اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کی ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ بارش کی خنکی سخت اُس کے بعد ہی زیادہ خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ روشنی کی پوری قدر شب تاریک میں ہوتی ہے۔ اور فضا جس قدر تاریک ہو بجلی کی چمک اتنی ہی زیادہ درخشاں نظر آتی ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ اصلاحی تحریک کی وقعت و عظمت کے جانچنے میں یہ لحاظ رکھنا چاہیئے کہ دنیا اس وقت کتنی گمراہی میں مبتلا، اور اصلاح کی محتاج تھی۔ اور ایسی اصلاح کی محتاج تھی جس کے لیے پیغمبرانہ دست و بازو کی حاجت تھی۔"

Marfat.com

لہٰذا آیئے! پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت اور ظہورِ اسلام کے وقت دنیا کی تمدنی، مذہبی و اخلاقی حالت کا جائزہ لیں۔

اس سلسلہ میں تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت کی دنیا کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک ایسا کرۂ ارض تھا جس پر آفتاب نہیں چمکتا تھا، تو بالکل سچ ہوگا۔ کیونکہ تمام دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہیں وجود نہ تھا، توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ محروم تھا۔ مصر، یونان، روم وغیرہ ممالک میں سورج، چاند اور ستاروں کی خدائی تھی۔ انہی کے معبد تھے، اور انہی کے ناموں پر بے گناہ انسانوں اور جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ ہر جگہ پتھر کی مورتیوں اور مٹی کی صورتوں اور سونے، چاندی و جواہرات کے بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔

آپ سوچیں گے کہ پہلے انبیاء اور مصلحین کی تعلیمات کیا ہوئیں؟ جی ہاں یہ سچ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چھ سو برس پہلے تزکیۂ نفس کے کچھ درس دیئے تھے مگر مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے بھی پیشتر ہدایت و نجات کی ایک شمع روشن کی تھی لیکن فتنوں اور ہنگاموں کی آندھی میں چراغِ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا۔

ہر قوم دوسری قوم سے برسرِپیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا۔ حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی۔ نفسِ انسانی کی ملکوتی طاقت، سفلی جذبات کے سامنے پامال ہو چکی تھی۔ عدل و راستی اور پاک بازی و پارسائی کی خوشبو انسان کے جامۂ خاکی سے اڑ چکی تھی۔ توحید و خداپرستی کا نور، دیوی دیوتاؤں، ولیوں شہیدوں اور ستاروں یا مجسموں کی پرستش کی عالمگیر تاریکی میں چھپ گیا تھا۔

غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی مصلح عالم، معلمِ اخلاق، داعیٔ حق اور بنی نوعِ انسان کا نجات دہندہ آخری بار وجود میں

Marfat.com

آئے اور عرصۂ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو چکنے والے شیرازۂ انسانیت کو پھر سے منظم کر دے۔ اور روحانیت و خدا پرستی کے خزاں رسیدہ باغ کو از سر نو پُر بہار کر دے۔ اور دنیا کے ظلمت کدہ کو پھر سے مطلعِ انوار بنا دے[۳۷]۔
یہ اُس شبِ ظلمت کی داستان یا اس عہد کے مذہبی حالات کا سرسری و اجمالی خاکہ ہے، جس عہد میں ہمارے رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہُوئی۔

بوقتِ ولادت دُنیا کی سیاسی واخلاقی اَبتری

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت یا طلوعِ سعادت کے وقت اس روئے زمین کی اہم طاقتیں دو ہی تھیں۔ فارس اور روم۔
فارس کا مذہب مجوسیت تھا جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحد تک محیط تھا۔ اور
سلطنتِ روم کا مذہب عیسائیت تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تینوں برِ اعظموں کو گھیرے ہوئے تھا۔
اور مذہبی حیثیت سے دو اور قومیں یہود و ہنود بھی تھیں۔ جن میں سے ہر ایک کا اپنی اپنی جگہ قدامت کا دعویٰ تھا۔ دیارِ عرب کی پہلی ہمسایہ سلطنت فارس ہی تھی جس کے تمدن کا ستارہ ایک زمانے میں اوجِ کمال پر تھا۔ مگر عہدِ بعثت سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے سے ساسانی شان و شوکت اور کیانی جاہ و جلال مٹتے مٹتے سایہ سا رہ گیا تھا۔ مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خوں ریزیوں اور سیاسی بدامنیوں نے اس کو تہہ و بالا کر دیا تھا۔

---

[۳۷] ، سیرت النبیؐ، شبلی نعمانی و ندوی ۴/۲۰۹ - ۲۱۱

مذہبی و اخلاقی اعتبار سے ایران میں بابل کے اثر سے ستارہ پرستی بہت عام تھی۔ اسی کا اثر ہے کہ ایرانی لٹریچر میں افلاک اور ستاروں کی کارفرمائی آج تک نمایاں ہے۔ اور اخلاقی انحلال و پستی کا یہ عالم تھا کہ باپ کا بیٹی اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لے لینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھا۔[۳۸]

اور کس قدر مقام حیرت ہے کہ یزدگرد ثانی جو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں وہاں کا بادشاہ تھا، اس نے اپنی بیٹی سے اپنا عقد کیا تھا اور پھر اسے قتل کر ڈالا۔[۳۹] اور یہ اخلاق باختگی دیر تک جاری رہی۔ (یزدگرد، البدایہ ج ۲ ص ۵۷۵)

سنن ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ والفئ جلد دوم ص ۲۶ میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں حکم دیا کہ مجوسیوں کو فعل شنیع سے روکا جائے۔ اور اہل فارس کی بدعقیدگی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ سلاطین و اُمراء درجہ بدرجہ رعایا کے دیوتا و خدا بنے ہوئے تھے۔ اور ان کو سجدے کیے جاتے تھے۔[۴۰]

آغازِ اسلام کے وقت دوسری بڑی سلطنت روم تھی۔ جو یونان کے زوال کے بعد دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور رومۃ الکبریٰ کہلاتی تھی۔ مگر اب روم کی قبائے سلطنت بھی ایران سے کچھ کم کرم خوردہ نہ تھی، بلکہ چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند سال بعد تک روم اپنے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ چکا تھا۔ اور "تاریخ زوال و انحطاطِ سلطنتِ روم" کے مصنف گبن کے بقول :۔

---

۳۸ ۔ تاریخ غرر اخبار الفرس للثعالبی ص ۲۷ طبع پیرس بحوالہ سیرت النبی ۲

۳۹ ۔ مورخوں کی تاریخِ عالم جلد ہشتم ص ۸۴ ۔

۴۰ ۔ تاریخ غرر اخبار الفرس، ثعالبی ص ۵۰۰ ۔

Marfat.com

"اس کی حالت بعینہٖ اس عظیم الشان درخت کی ہوگئی تھی جس کے سایہ میں ایک وقت تمام اقوامِ عالم آباد تھیں مگر اس پر ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہوگئی تھیں۔ اور اب خالی تنا خشک ہو رہا تھا اور کل کاروبار بند ہو گئے تھے۔ وہ بازار اور تماشہ گاہیں جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی۔ اب ویران و سنسان پڑی تھیں"[۴۱]

اور اس عام سیاسی و اخلاقی زوال و انحطاط کی طرح ہی رومن چرچ کی مذہبی حالت بھی بہت پتلی ہو چکی تھی اور ان پر ضعیف الاعتقادی، قبر پرستی اور شرک و بدعات نے یلغار کر دی ہوئی تھی۔ اور ان امور کا اعتراف خود عیسائی مصنفین و مورخین نے بھی کیا ہے۔ جن کی تفصیلات گبن کی "تاریخ زوال و انحطاط سلطنتِ روم" جلد دوم و سوم، ڈریپر[۴۲] کی "تاریخ معرکہ آرائی مذہب و سائنس" اور جارج سیل کے انگلش ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور ایسی ہی سیاسی، مذہبی اور اخلاقی ابتری و انارکی یہود و ہنود میں بھی پائی جاتی تھی جس پر کتب تاریخِ یہود اور آر۔سی۔دت کی کتاب "ہندوستان قدیم جلد سوم شاہد ہیں"[۴۳]

۴۱۔ تاریخ زوال و انحطاط سلطنت روم ۳/ ۲۷۲ بحوالہ سیرت النبی شبلی و نعمانی ۴/ ۲۰ - ۲۱۹۔

۴۲۔ یہ ایک امریکی مصنف ہے جس کا پورا نام ہے۔ JOHN WILLIAM DRAPER

اور اس کی کتاب کا نام یہ ہے۔ CONFLICT BETWEEN RELIGION AND SCIENCE.

۴۳۔ تفصیل کے لئے دیکھیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۴/ ۲۱ - ۲۱۱ -

Marfat.com

طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت عربوں کی

مذہبی حالت

ولادت و بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی مختلف قوموں کے سیاسی مذہبی اور اخلاقی حالات کا سرسری جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اور ذرا ایک نظر اس قوم عرب کے حالات پر بھی ڈال لیں جس کے افقِ نبوت سے صبحِ سعادت طلوع ہونے والی تھی۔

مذہبی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم کا اثر تھا کہ قدیم عرب زمانۂ دراز سے صرف معبودِ واحد اللہ تعالیٰ ہی پر اعتقاد رکھتے آرہے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ دینِ حنیفی کی تعلیمات ماند پڑنے لگیں، اور ان میں شرک بال و پر نکالنے لگا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معبودِ اکبر قرار دے کر دیگر بے شمار چھوٹے چھوٹے خدا بھی بنا ڈالے تھے۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ دنیا کے کاروبار اور روزمرہ کی ضرورتیں انہی چھوٹے خداؤں سے پوری ہوتی ہیں۔ اور کام اکثر انہی خداؤں سے پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ انہی کی پرستش کرنے اور انہی سے حاجتیں طلب کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ تو زمین و آسمان بنا کر ان کے نزدیک گویا بیکار سا ہو چکا ہے۔

اس شرکِ اکبر کے علاوہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا کرتے تھے جس کا تذکرہ سورۂ نجم کی ابتدائی آیات ۲۱، ۲۲، ۲۷ میں موجود ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰى۔

"جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں"۔
اور اس نظریہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔
اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی
تمہارے تو لڑکے ہوں اور خدا کی لڑکیاں۔ یہ تو کچھ اچھی تقسیم نہیں!
فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد قرار دینے کے بعد (عرب) ان کی الوہیت کے قائل بھی ہو گئے تھے۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۸۰ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔
وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا۔
"اور نہ خدا تم کو اس کا حکم دیتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ"۔
فرشتوں کی عبادت و پرستش کرتے اور انہیں اپنے پرستاروں کے لیئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ نجم کی آیت ۲۶ میں ارشادِ الٰہی ہے:
وَکَمْ مِّنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُھُمْ شَیْئًا۔
"اور آسمان میں کتنے فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش خدا کی اجازت کے بغیر کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی"۔
فرشتوں کی طرح وہ جنوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے رشتہ دار سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۵۸ میں فرمانِ الٰہی ہے۔
وَجَعَلُوْا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجِنَّۃِ نَسَبًا۔
"اور مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتہ داری بنائی"۔

---

[1]:۔ مزید وضاحت کے لیئے دیکھئے سورۃ الزخرف، والصافات۔

Marfat.com

اور وہ جنوں کو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں شریک سمجھتے تھے جیسا کہ سورۂ انعام آیت ۱۰۰ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔

"انہوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا حالانکہ وہ خدا کی مخلوق ہیں۔ اور جانے بغیر خدا کے لیئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔"

وہ (قوم عرب) اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے اور مرادیں مانگا کرتے تھے۔ ہر قبیلے کا اپنا اپنا اور ہر کام کے لیئے الگ الگ خدا تھا۔ گھر گھر بت خانے بنے ہوئے تھے۔ ان کے ان معبودانِ باطلہ میں سے سب سے بڑا "ہُبل" تھا۔ اور اس کے بعد منات، لات اور عزّٰی تھے۔

ایسے ہی قرآن پاک کی سورۂ نوح میں کچھ اور بتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ جو یغوث یعوق، نسر، ود، سواع اور بعل کے ناموں سے پائے جاتے تھے۔

اور بخاری شریف باب فتح مکہ میں مذکور ہے کہ،

کعبہ شریف اور اس کے اطراف میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت اور بعض عرب قبائل چاند، سورج اور ستاروں کی پوجا بھی کیا کرتے تھے۔

عربوں میں بت پرستی کی ابتداء

عربوں میں بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ بنی خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن لحی بنو جرہم کو شکست دے کر کعبہ کا متولی بن گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ بلقاء گیا وہاں لوگوں کو بت پرست دیکھ کر بت پرستی کی طرف مائل ہو گیا۔ اور وہیں سے ایک بت "ہبل" لا کر کعبہ میں نصب کر دیا۔ چونکہ اس کا اثر تمام عرب پر تھا اس لیئے تمام عرب نے بت پرستی قبول کر لی۔ اور گھر گھر بت خانے

بن گئے۔[۴۵]

اور اس عمرو بن لحی کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے:۔

رَأَیتُ عَمرُو بن لحی بن قمعة بن خندف یجرّ قصبه فی النار۔[۴۶]

"میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے۔"

ابن اسحاقؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثم بن جون خزاعی سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ اے اکثم میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے وہ تیرے بہت ہی زیادہ مشابہ ہے۔ اکثم نے کہا: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ مشابہت میرے لیئے ضرر رساں ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں تو مومن ہے اور وہ کافر تھا۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے دینِ ابراہیم، اسماعیل (علیہم السلام) کو بدلا اور بت نصب کیئے۔ بحیرہ سائبہ، وصیلہ اور حامی جیسے مشرکانہ تصورات کو جنم دیا۔[۴۷]

عربوں میں کہانت بڑے زوروں پر تھی۔ اور کہانت پیشہ لوگ بھی بڑے مقبول تھے۔ کاہنوں اور نجومیوں کی دوکانیں خوب چمکی ہوئی تھیں۔ اور شگون لینے کے لیئے پرندے اڑانے اور پانسے نکالنے کا رواج عام تھا۔ اور اوہام پرستی کا

۴۵۔ سیرت النبیؐ ۲۴۷/۴ ، ابن ہشام ۷۷/۱

۴۶۔ بخاری مع الفتح ۵۴۷/۶ طبع دارالافتاء

۴۷۔ سیرت ابن ہشام ۷۶/۱

یہ عالم تھا کہ سانپ کو نہیں مارتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ سانپ مارا جائے تو اس کا جوڑا آکر بدلہ لیتا ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد شریف (۳۲۶/۲ مجتبائی) میں ان کے اس وہم کا ذکر موجود ہے۔ ان کے جملہ باطل عقائد میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اگر کوئی شخص مظلومیت میں مارا جائے تو اس کے سر سے ایک الّو نکلتا ہے جو ہائے خون ہائے خون کہہ کر اس وقت تک چیخ و پکار کرتا ہے جب تک اس کے قاتل سے بدلہ نہ لے لیا جائے۔[۴۸]

طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت عربوں کی

اخلاقی حالت

پچھلی سطور میں ہم نے ولادت و بعثتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں کی مذہبی حالت کا ذکر کیا ہے۔ اور جہاں مذہبی طور پر ان لوگوں میں انتہائی ضعف پیدا ہو چکا تھا۔ اور وہ تمام انواع و اقسام شرک میں مبتلا تھے۔ وہیں ان کی اخلاقی پستی اور انحطاط بھی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ یہاں تک کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑ مرنا اور مختلف خاندانوں اور قبائل میں جنگ چھڑ جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اور ایک ایک لڑائی برسوں جاری رہتی۔ میدانی نیشاپوری نے اپنی کتاب "الامثال" میں ایک سو بتیس لڑائیوں کے نام اور وقائع لکھے ہیں۔ یہ وہ لڑائیاں ہیں جو اسلام سے چالیس پچاس سال پہلے سے لے کر ظہورِ اسلام تک ہوئیں۔ بکر و تغلب اور اوس و خزرج کی خونریز لڑائیاں معروف ہیں۔ ایک لڑائی صرف گھوڑ دوڑ میں قواعد کی خلاف ورزی سے شروع ہوئی اور چالیس برس تک قائم رہی۔

ام الخبائث شراب کا اس قدر رواج تھا کہ یہ ان کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی، اور تجارت، شراب فروشی کی مترادف بن چکی تھی۔ اس کے رواج کا اندازہ اس سے ہو سکتا

[۴۸] تفصیل کے لیے دیکھئے سیرت النبی ۴/۴۱-۲۴۲، رحمۃ للعالمین ۱/۳۰-۳۱۔

Marfat.com

ہے کہ عربی میں شراب کے اڑھائی سو نام ہیں۔ اور علامہ فیروزی آبادی نے خاص ناموں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور یہ مرض ان میں اس قدر رچ بس چکا تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سورۃ البقرۃ آیت ۲۱۹، اور سورۃ النساء آیت ، اور سورۃ المائدہ آیت ۹۰ میں اس کی حرمت کا حکم بتدریج نازل کیا اور تیسری مرتبہ سے صریحاً حرام قرار دیا۔

شراب نوشی کے ساتھ ہی ان میں قمار بازی کا بھی عام رواج تھا۔ امام رازی تفسیر کبیر (۲/۲۲۱) میں لکھتے ہیں کہ :-

"قمار و جوا کی محفلوں میں شریک نہ ہونا قومی عار سمجھا جاتا تھا۔ اور شرکت نہ کرنے والوں کو بخیل خیال کیا جاتا اور انہیں "برم" کا خطاب دیا گیا تھا۔ جو لوگ یہ خطاب حاصل کر لیتے، ان سے شادی بیاہ عار سمجھی جاتی تھی۔ اور انتہا یہ کہ مال و دولت ختم ہو جانے کے بعد وہ بیوی بچوں پر بازی لگا دیتے تھے۔ اور چالیس سال تک لڑی جانے والی عبس و ذبیان کی جنگ گھوڑ دوڑ کی قمار بازی ہی کا نتیجہ تھی۔ ان لوگوں میں سود خوری بھی عام تھی۔ لوٹ مار، راہزنی اور ڈاکے تو اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ کامیاب ڈاکو اپنے کارناموں کو نظم کرتے اور فخریہ پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

اقتصادی تنگدستی کی وجہ سے بدوؤں حتیٰ کہ عورتوں میں بھی چوری کی عادت پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ بنی مخزوم کی ایک عورت کی چوری کا واقعہ معروف ہے جس کی سفارش کے لیے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ تو اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

(بخاری ج ۲ کتاب الحدود)

Marfat.com

"اگر فاطمہؓ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۲/ ۷۷) میں کلبی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

"خود قریش کے کئی لوگ بھی اس مرض میں مبتلا تھے۔ انہوں نے خانہ کعبہ کے خزانے سے سونے کا ہرن چرا لیا تھا" [۴۹]

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ :

"اس سلسلہ میں خاص طور سے ابولہب کا نام لیا جاتا ہے"۔

دن رات کی لوٹ مار اور کشت وخون سے ان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو چکے تھے۔ زندہ اونٹ کی کوہان اور دنبے کی چکی کاٹ کر کباب لگاتے اور زندہ جانوروں کو باندھ کر تیراندازی کی مشق کرتے۔ لڑائیوں میں مقتولین کے ناک کاٹ دیتے عورتیں ان کے ہار بنا کر پہنتیں اور یہ منت مانی جاتی کہ دشمن کو قتل کریں گے تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے۔

اسی طرح زناکاری اور فسق وفجور عام تھے۔ اور یہ واقعات فخریہ اشعار میں بیان کیے جاتے تھے۔ امرالقیس نے اپنی پھوپھی زاد بہن عنیزہ اور دیگر عورتوں کے ساتھ جو بیحیایاں کیں، خود اس نے اپنے قصیدۂ لامیہ میں مفصل، فخریہ ذکر کی ہیں۔ فاحشہ عورتیں اپنے گھروں کے سامنے جھنڈیاں لگا کر بیٹھتیں اور بڑے بڑے رؤسا بھی اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر

---

[۴۹] ۔ مروج الذہب میں مسعودی نے لکھا ہے کہ اہل فارس شروع شروع کعبہ شریف کے لیے مال و جواہر کے ہدیے بھیجا کرتے تھے۔ اور ساسان بن مالک نے سونے کے دو ہرن، زر و جواہر اور تلواریں ہدیہ بھیجی تھیں۔ (مروج الذہب ۱/ ۲۰۵ بحوالہ الرحیق المختوم ص ۳۳ حاشیہ طبع رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ مؤلفہ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری)۔ یاد رہے کہ جناب مبارکپوری کی اس کتاب پر موصوف کو ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے پچاس ہزار سعودی ریال انعام (فرسٹ پرائز) دیا گیا تھا اور یہ کتاب بھی رابطہ نے اپنے خرچ پر چھاپ کر فری تقسیم کی ہے۔

Marfat.com

مجبور کرتے اور ان کی کمائی کھاتے تھے۔ جیسا کہ:

مسلم شریف میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا واقعہ موجود ہے کہ وہ اپنی دو لونڈیوں میکہ اور امیمہ کو زناکاری پر مجبور کرتا تھا۔ جس پر سورۂ نور کی آیت ۳۳ نازل ہوئی جس میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ۔

اور تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

اور ان میں نکاح کے کئی ایسے طریقے مروّج تھے جو انتہائی حیا سوز تھے، شرم و حیا نام کو نہ تھی۔ ننگے کھلے عام نہاتے۔

(نسائی باب الاستتار عند الغسل)

اور قضائے حاجت کے وقت پردہ نہیں کیا کرتے تھے۔

(ابوداؤد کتاب الطہارۃ)

اور کھلی مجلسوں میں اپنی بیویوں سے صحبت کے تمام واقعات بیان کر دیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب النکاح باب مایکرہ من ذکر الرجل...)

اور حد تو یہ ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ وہ لوگ مرد و زن ہی ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے۔

(صحیح مسلم کتاب التفسیر عن ابن عباسؓ)

سوتیلی ماں پر وراثۃً قبضہ کر کے اسے بیوی بنا لیتے اور نکاح کی کوئی حد نہ تھی آٹھ آٹھ، دس دس شادیاں کر لیتے۔

(ابوداؤد کتاب النکاح)

دو حقیقی بہنوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں نکاح کر لیتے تھے اور مجموعی حیثیت سے عورت کو بدترین مخلوق اور عار سمجھتے تھے۔

Marfat.com

سورۃ النحل کی آیت ۵۸-۵۹ میں مذکور ہے کہ :

اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تو اسے سخت رنج ہوتا اور شرم سے منہ چھپاتا پھرتا تھا۔ اور پھر پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی رسم چل پڑی۔

سورۃ التکویر کی آیت (وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ) کی تفسیر میں ابن جریر و ابن کثیر نے لکھا ہے کہ :

ایک آدمی نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں۔

مزید برآں ان میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ حشرات الارض چھپکلی، جما ہوا خون، مردار جانور غرض ہر چیز کھا جاتے تھے۔[۵۰]

سیاسی حالت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا طلوعِ صبحِ سعادت کے وقت تمام دنیا کی مذہبی و سیاسی اور خاص طور پر عربوں کی دینی و اخلاقی حالت آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ اس موضوع کی صرف ایک چیز باقی ہے کہ اس وقت عربوں کی سیاسی حالت کیا تھی؟

اس سلسلہ میں مختصراً عرض ہے کہ اس مغلوبِ نفس اور غلام حرص و ہوی قوم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو عوام کو اکٹھا کر کے حکومت کی باگ ڈور

---

۵۰ ؛ اسباب النزول للسیوطی آیت وحرمت علیکم المیتۃ

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۹۱ - ۲۶۱

رحمۃ للعالمین ۱/۳۰ - ۳۱

سنبھال سکتا۔ صرف ایک شخص اپنے قبیلے کا برائے نام حکمران ہوتا تھا، اس کے باوجود بھی ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتا۔ اپنے آپ کو کسی فیصلے کا پابند نہیں سمجھتا تھا۔ دوسرے ممالک سے بدلہ لینے کے لئے صرف ایک رسم محالفہ قائم تھی۔ جس میں اس بات کی قسم اُٹھائی جاتی تھی کہ ہم ہر معاملہ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔

مکہ مکرمہ کی بالائی جانب پہاڑوں کی گود میں خوشگوار فضا والے شہر طائف کے قریب سوقِ عکاظ کے نام سے ایک منڈی لگا کرتی تھی۔ اس موقعہ پر بہادر لوگ اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے۔ شاعر و انشاء پرداز اپنے اپنے ادبی شہ پارے پیش کیا کرتے تھے۔ جانوروں کی نمائش ہوتی، اور تجارتی لین دین کے امور اور بعض دیگر معاملات پر بھی غور کیا جاتا تھا۔

(اب اسے ان کی پارلیمنٹ کی اینوئل میٹنگ کہہ لیں یا کوئی اور بھی نام دے لیں بس یہی کچھ تھا۔)

خاندانِ ضجعم کا آخری سردار زیاد بن ہیولہ تھا۔ غسانیوں نے اسے کمزور دیکھ کر ملک یمن سے آ کر اس علاقے پر تسلط جما لیا۔ قباء کو دارالحکومت بنایا، اور ملکِ عرب پر باقاعدہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ اور سلطنتِ روم کو خوش رکھنے کی خاطر کسی حد تک دینِ عیسوی کے زیرِ اثر آ گئے۔

غسانیوں کے اس فعل سے جہاں عیسائیت کو کافی تقویت ملی وہیں شام و فلسطین کے ہزارہا مفرور یہودی بھی یہاں آ کر آباد ہونے لگے۔ جنوبی عرب میں بھی ایک حکومت قائم تھی مگر مذہبی اختلاف کی وجہ سے نہایت ضعیف تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حبشہ و فارس کی فوجیں آئے دن وہاں آ کر تباہی مچاتی رہتی تھیں۔ اس وقت فارس یا ایران کا حکمران نوشیرواں اور روم کا فرمانروا ہرقل

Marfat.com

تھا اور پروفیسر سیڈیو اپنی کتاب تاریخ العرب میں لکھتا ہے کہ :

ملکِ عرب کے جنوب پر سلطنتِ حبش، مشرقی حصّہ پر فارس اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔[۵۱]

ارضِ عرب کے انتہائی جنوب میں سمندر کے کنارے پر آباد یمن پر حبشہ کا ایک جرنیل ابرہہ قابض تھا۔ وہی ابرہہ جس نے خانہ کعبہ کی عزت و شرف سے بوکھلا کر مسلمانوں کی توجہ ادھر سے ہٹانے کے لیئے یمن میں ایک گرجا تعمیر کروایا۔ مگر عرب لوگ بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت کی طرف مائل نہ ہوئے تو اس نے لوگوں کو زیارتِ کعبہ کے لیئے جانے سے حکماً منع کر دیا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ میں امام سہیلی اور ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ :۔

اس حکم سے عربوں کی آتشِ غضب بھڑک اٹھی۔ یہاں تک کہ بنی کنانہ کے ایک بدو نے گرجے میں چپکے سے غلاظت ڈال دی۔ ابرہہ کو معلوم تھا کہ یہ جرائت کسی عرب کی ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس نے غضب ناک ہو کر کعبہ شریف کو گرانے کے ناپاک ارادوں سے مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی۔ قریب پہنچ کر اہلِ مکہ کے مویشیوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ اور عبدالمطلب جو ان دنوں قریش کے سردار اور کعبہ کے متولی تھے ان کے بھی ایک سو اونٹ پکڑ لیئے۔ وہ جب اونٹ چھڑانے کے لیئے خود ابرہہ کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ میں تو تمہارے کعبہ کو گرانے آیا ہوں اور تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر دامنگیر ہے۔ اس وقت عبدالمطلب نے یہ تاریخی جملہ کہا،

إِنِّيْ أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ وَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبٌّ سَيَمْنَعُهٗ

---

[۵۱] :۔ تاریخ العرب ص ۴۰ بحوالہ رحمۃ للعالمین ص ۳۰۔

"میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ وہ مجھے لوٹا دو۔ اور اس گھر (کعبہ) کا بھی رب ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔" [۵۲]

اور ربِ کائنات نے اپنے گھر کی کس طرح حفاظت کی۔ دشمنانِ کعبہ کے ارادوں کو خاک میں ملا کر انہیں کس طرح برباد کیا؟

اس کا ذکر تیسویں پارے کی سورۃ الفیل میں موجود ہے۔

الغرض عربوں کے ان ابتر سیاسی حالات میں اور اس واقعۂ فیل کے پچاس دن بعد نبی رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان عربوں اور پورے عالمِ انسانیت کی راہنمائی کے لیے منتخب فرمایا۔

---

۵۲ : البدایۃ والنہایۃ جلد اوّل جزء ثانی ص ۱۷۰ تا ۱۷۲۔

Marfat.com

آفتابِ نبوّت کے لئے ملکِ عرب کا انتخاب کیوں؟

ملکِ عرب اِتنے گئے گزرے لوگوں کا خطہ تھا کہ مذہبی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے وہ پستی کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ جیسا کہ کتبِ تاریخ و سیرت کے حوالے سے ہم نے ذکر کیا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ان حالات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو مبعوث فرمانے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اس ملک کا انتخاب ہی کیوں کیا؟

اس کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی سورۃ انعام آیت ۱۲۵ میں دیا ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے اس سے معلوم ہوا کہ ملکِ عرب کا انتخاب کرنے اور اسے خلعتِ رسالتؐ سے سرفراز کرنے میں جو حکمتِ الٰہی کار فرما ہے، اسے بہتر تو وہی جانتا ہے۔ البتہ عقلی نقطۂ نظر سے بھی یہ انتخاب نہایت موزوں اور مفید تھا۔ کیونکہ ہم جب ملکِ عرب کو کرۂ ارض کے نقشہ پہ دیکھیں تو اس کے محلِ وقوع سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے برِّاعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ کے وسط میں جگہ دی ہے اور وہ خشکی و تری کے راستوں سے دُنیا کو اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ سے مِلا کر ایک کر رہا ہے۔ لہٰذا اگر تمام دُنیا کی ہدایت کے لیئے کسی جگہ پر کوئی مرکزِ واحد

Marfat.com

قائم کرنا ہو اور اس کے لیئے جگہ کا انتخاب کرنا چاہیں تو مُلک عرب ہی اس کے لیئے موزوں ہے خصوصاً اس زمانے پر نظر کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب افریقہ یورپ اور ایشیا کی تینوں بڑی سلطنتوں کا تعلق عرب سے تھا تو وہاں کی آواز ان برِاعظموں میں بہت جلد پہنچ جانے کے ذرائع بخوبی موجود تھے۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ربّ العالمین نے اسی لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو عرب میں پیدا فرمایا، اور ان کو بتدریج قوم، مُلک اور عالم کی ہدایت کا کام سپرد فرمایا۔"

اور علم جغرافیہ کی رُو سے جب ہم کرۂ ارضی پر آباد دُنیا کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنوب میں زیادہ سے زیادہ چالیس[۴۰] درجے عرض بلد۔ اور شمال میں زیادہ سے زیادہ اسّی[۸۰] درجے تک آبادی ہے۔ دونوں کا مجموعہ ایک سو بیس[۱۲۰]، اور نصف ساٹھ[۶۰] ہوا۔ جب ساٹھ کو اسّی درجے شمالی سے تفریق کریں، تب بیس[۲۰] رہ جاتے ہیں۔ اور جب ساٹھ میں سے چالیس درجے جنوبی کو تفریق کر دیں، تو بھی بیس درجے شمالی رہ جاتے ہیں۔ اور مکّہ معظمہ ساڑھے اکیس درجہ پر آباد ہے اس لیئے کل کرۂ ارضی میں یہی وسط ہونے کا درجہ رکھتا ہے۔

اور یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مکّہ کا نام کتبِ لغت میں "ناف زمین" ہے، اور انسان کے جسم میں ناف بھی ٹھیک وسط میں نہیں ہوتی بلکہ تقریباً وسط میں ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عرض بلد میں مکّہ وسط حقیقی کے قریب تر واقع ہے صرف ڈیڑھ درجہ کا جو تفاوت ہے وہ اسی لیئے ہے کہ مکّہ نافِ زمین ثابت ہو۔

اب یوں سمجھیں کہ ملک عرب پندرہ سے پینتیس درجہ ہائے عرض بلد شمالی پر واقع ہے اور انہی خطوط کے اندر دُنیا کی تمام مشہور نسلیں اس طرح مقیم ہیں کہ مشرق

میں آریہ و منگول اور مغرب میں حبشی ہامائٹ (نسل عام) اور (امریکہ کے اصلی باشندے) ریڈ انڈینز۔ اور جب کُل قوموں میں تبلیغ کا پہنچانا مدِنظر ہو تو عرب ہی اس کا مرکز قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور شاید اس لیئے بھی قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳ میں فرمایا گیا ہے،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور اسی طرح تو ہم نے تم کو درمیانی اُمّت بنایا تاکہ قوموں کے سامنے تم اللہ تعالیٰ کی شہادت ادا کرو۔ اور رسول (صلّی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے اللہ کی شہادت ادا کریں۔[۵۳]

زمین کے وسط میں آباد ہونے ہی کی وجہ سے عرب مجاہدینِ اسلام ایک طرف عراق سے ہوتے ہوئے ایران، ترکستان، سیستان، کابل اور ہندوستان تک پہنچ گئے تو دوسری طرف شام سے ہوتے ہوئے مصر، افریقہ، الجزائر تیونس، مراکش اور اسپین تک جا پہنچے اور بحری راستوں سے ایک طرف تمام جزائر افریقہ، حبشہ، زنجبار۔ پھر ادھر جزائر ہند، جاوا، سماٹرہ اور چین تک ان کا گذر رہا۔ اور دوسری طرف سائپرس۔ کریٹ اور سسلی تک ان کا پرچم لہرایا۔

یہ تمام مواقع اس لیئے میسّر آئے کہ عرب کا جائے وقوع اس دعوتِ اسلامی کے لیئے مناسب مرکز تھا۔ اور اس وقت تک دُنیا جن دو مشرقی اور مغربی طاقتوں کے زیرِ فرمان تھی، ان دونوں کے زور کو ایک ساتھ توڑنے کے لیئے ملک عرب کے سوا دنیا میں دوسری کوئی جگہ موزوں نہ تھی۔[۵۴]

۵۳۔ رحمۃ للعالمین ۱/ ۳۰-۳۱ ۵۴: سیرت النبی ۴/ ۳۰۱ ، (باقی آئندہ)

Marfat.com

عطائے خلعتِ نبوّت کے لئے قوم عرب ہی کیوں؟

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے زمانے میں قوم عرب ہر قسم کی دینی اخلاقی اور معاشرتی برائیوں میں مبتلا ہو چکی تھی۔ تو سوال یہ ہے کہ:
پھر عطائے خلعتِ نبوّت کے لئے اسی قوم کا انتخاب کیوں کیا گیا؟
اس کا پہلا جواب تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ انعام کی آیت ۱۲۵ میں دیا ہے کہ:۔
اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ
اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے!

البتہ عقلی نقطۂ نظر سے بھی قوم عرب کا انتخاب ہی مفید اور موزوں تھا کیونکہ تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود ان میں کچھ ایسی خصوصیات بھی تھیں۔ جو دنیا کی تمام قوموں میں سے انہی کے ساتھ مخصوص تھیں۔ اور غالباً ان کی انہی فطری و طبعی خصوصیات و امتیازات کا اثر تھا کہ خلاقِ فطرت نے ان کو اپنی نبوّت و رسالت اور تعلیم و شریعت کا اہل سمجھا۔ اور انہیں اپنے اس خلعتِ خاص سے نوازا۔

ان خصوصیات میں سے:۔

۱۔ سب سے پہلی چیز ان کی صحیح النسبی ہے۔ اہل عرب کو اپنے حسب و نسب

؎ بقیہ:۔ اسی موضوع کو ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (دمشق) نے اپنی کتاب "فقہ السیرۃ" ص ۲۷ تا ۴۲ طبع ہشتم پر بھی بیان کیا ہے۔

Marfat.com

کی حفاظت کا جو خیال و لحاظ تھا اس کے ذکر سے عرب کی تاریخیں معمور ہیں۔
حسب پہ فخر کرنا ان کی شاعری کا اور نسبی مفاخرت ان کی تقریر کا سب سے
بڑا موضوع تھا۔ اپنے باپ دادوں کا نسب نامہ یاد رکھنا وہ اپنا خاندانی فرض
سمجھتے تھے۔ اور ہر قبیلہ میں کچھ ماہرینِ انساب موجود ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ
آج بھی ان کے اکابر و مشاہیر کا سلسلۂ نسب معلوم ہو سکتا ہے۔ اور ان کی اس
صفت خاص کا اعتراف خود نصاریٰ نے مغرب اور یہود نے بھی کیا ہے۔ اور یہ
اعترافات ریورنڈ ماسٹر کے ۱۸۴۴ء کے لکھے ہوئے عرب کے تاریخی "جغرافیہ"
۱۸۲۲ء میں طبع ہونے والے جارج سیل کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے مقدمہ جلد
اوّل ص ۲۵ پر قدیم یہودی مورخ یوسیفوس کا اعترافِ صحتِ نسبِ عرب،
اور دورِ حاضر کے ایک یہودی فاضل کی کتاب "تاریخ الیہود فی بلاد العرب"
ص ۵، ۶، ۷ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ جن کی قدرے تفصیل سیرت النبیؐ (۴/
۹۲-۲۹۲) پر بھی ہے۔

اور سید سلیمان ندوی نے ہی اپنی کتاب "ارض القرآن" جلد اوّل ص ۱۱۶ – ۱۰۷
پر مدلل بحث اور علمائے مغرب کے اقوال جمع کر دیئے ہیں۔

نسب بجائے خود تو کوئی فخر کی چیز نہیں۔ اسی لیئے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیا ہے لیکن دعائے خلیل کے پورا ہونے
اور اس کے لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی و حقیقی مصداق بننے کے لیئے
نسلِ ابراہیم علیہ السلام کی صحیح النسبی ضروری تھی۔ یہودِ بنی اسرائیل بھی اگرچہ اولادِ
ابراہیم علیہ السلام تھے، مگر دوسری قوموں کے اختلاط اور کوئی خاص وطن نہ ہونے
کی وجہ سے ان کی اکثر خاندانی خصوصیتیں مٹ گئیں۔ اور صحتِ نسب کا شرف
صرف عربوں کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

۲۔ دُوسری خاص صفت یہ تھی کہ وہ اگرچہ ہر چہار سُو سے مختلف مذاہب سے ٹکرا رہے تھے جیسا کہ مجوسیت خلیج فارس سے لے کر یمن تک حکمران تھی۔ یہودیت یمن اور حجاز کی تجارت گاہوں پر قابض تھی۔ عیسائیت یمن سے لے کر شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ بعض افراد و قبائل برائے نام عیسائی بھی بن چکے تھے۔ مگر پُورا عرب بدستُور اپنی خالص حالت پر ہی تھا۔[۵۵]

اور کوئی مذہب بھی حقیقی طور پر انہیں فتح نہیں کر سکا۔ ان کے نیک طبع اور دیندار لوگ اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی کے پیرو کہلاتے تھے۔ یہ سب اس لیئے ہو رہا تھا کہ خاتم الانبیاءؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دینِ ابراہیمی کی دعوت و تجدید کا دَروازہ کھلا رہے۔

۳۔ تیسرا خاص وصف یہ تھا کہ عرب اور خصوصاً شمالی عرب ہمیشہ آزاد رہا۔ انہوں نے کبھی کسی کی غلامی قبول نہیں کی۔ بابل کے بخت نصر نے بنی اسرائیل کو زیر و زبر کر دیا۔ مگر عرب کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھ سکا۔

یونانیوں اور رومیوں نے مصر سے لے کر عراق کی سرحد تک صدیوں حکومت کی۔ مگر خاص عرب کے اندر قدم نہ رکھ سکے۔ سکندر اور اس کے بعد والے رومی سپہ سالاروں نے جب بھی ادھر نظر اٹھائی تو فطرت نے ہمیشہ انہیں شکست دی۔

ملک عرب دُنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں یعنی ایران و روم کی سرحد پر واقع تھا مگر وہ دونوں اپنی حرص و آرزو کا ہاتھ اس کی طرف بڑھانے سے قاصر رہے۔ گستاخ عیسائی حبشیوں (ابرہہ اور اس کے لشکر) نے فتح یمن کے بعد ہاتھیوں کے ریلے کے ساتھ مکہ معظمہ پر چڑھائی کر دی۔ مگر قدرت

[۵۵]۔ سیرت النبیؐ ۴/۹۵-۲۹۴

Marfat.com

الٰہی نے انہیں تباہ کر دیا۔ اور قدرت کی طرف سے یہ اہتمام اس لیئے ہو رہا تھا کہ کوئی جابرانہ قوت ان کے دل و دماغ کی استعداد کو برباد نہ کر سکے۔ ان کی روح آزادی برقرار اور فاتحانہ طاقت بدستور قائم رہے تاکہ یہ مخفی خزانہ دینِ اسلام کی حکومت کے قیام و بقا میں کار آمد ہو۔

۴۔ ان میں چوتھی صفت یہ تھی کہ وہ جس طرح خارجی اثرات سے پاک تھے، ایسے ہی صحیفۂ فطرت کے سوا ہر قسم کے محرف و فاسد کتابی علم سے بھی نا آشنا تھے۔ وہ امی تھے تاکہ ایک امی معلم کی زبانی تعلیم کے قبول کرنے کے لیئے ہر طرح تیار رہیں۔

۵۔ پانچواں وصف یہ کہ یہ قوم دیگر اقوام عالم کے وسط میں آباد تھی۔ اور خیر الامم بننے کے لیئے جن اخلاقی خوبیوں کی ضرورت تھی، وہ ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ مثلاً

۶۔ وہ حد سے زیادہ بہادر تھے کہ قیصر و کسریٰ کو انھوں نے ایک ساتھ چیلنج کیا

۷۔ وہ پُر جوش و پُر عزم تھے۔ انہوں نے توحید کا عَلَم لیتے بحر و بر اور دشت جبل تو کیا تمام ارکانِ عالم کو اپنے عزم راسخ سے متزلزل کر دیا۔

۸۔ وہ حق گو تھے جو بات دل میں ہوتی وہی زبان پر لاتے۔ وہ اگرچہ ظاہری نوشت و خواند سے عاری تھے۔

۹۔ مگر فطرت کے عطیۂ عقل و دانش سے بہرہ ور تھے۔

۱۰۔ وہ ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔

۱۱۔ فیاض اور مہمان نواز تھے۔

۱۲۔ خود دار اور مساوات پسند تھے۔

۱۳۔ صرف گفتار ہی کے نہیں بلکہ وہ کردار کے بھی غازی تھے۔ اگر مگر، قیل و قال، خیال آرائی، تخیل پسندی، نظریہ بازی اور نقطہ آفرینی کے قائل نہیں، بلکہ

سراسر عملی لوگ تھے۔ ان تمام طبعی و فطری اوصاف و اخلاق کو دیکھ کر یقین پڑتا ہے کہ وہ قوم آخری دین کے لیئے ازل سے ہی منتخب ہو چکی تھی۔ ؎۵

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ

شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور بعد والے حالات شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اطہر کو مختصر طور پر قارئین کے سامنے رکھ دیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب کے تین حصے ہیں۔ ان میں

۱۔ پہلا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکیسویں پشت کے دادا عدنان تک ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب (جن کا نام عامر اور لقب شیبہ تھا) بن ہاشم (جن کا نام عمرو تھا) بن عبد مناف (جن کا نام مغیرہ تھا) بن قصی (جن کا نام زید تھا) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر (انہی کا لقب قریش تھا اور قبیلہ قریش کا نام انہی کی طرف منسوب ہے) بن مالک بن النضر (جن کا نام قیس تھا) بن کنانہ بن خذیمہ بن مدرکہ (جن کا نام عامر تھا) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

اس قدر نسب کے بارے میں تمام اہلِ تاریخ و سیرت اور ماہرینِ انساب کا کلی اتفاق ہے۔

؎۵: سیرت النبیؐ جلد چہارم ص ۲۹۲ تا ۳۰۱۔

Marfat.com

علامہ ابن عبدالبر نے الاستیعاب میں لکھا ہے

ھذا مالم یختلف فیہ احدٌ من الناس۔ [58]

اس قدر نسب پر کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بلکہ اس سلسلہ میں خود بخاری شریف کے باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک حدیث وارد ہے۔ اور

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیہقی سے نقل کرتے ہوئے البدایۃ والنہایۃ (۲/ ۲۵۵) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ:۔

"ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برسرِ منبر اپنا نسب نامہ عدنان تک پہنچایا۔ اور عدنان کے لیئے یہی شرف کیا کم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ مقدسہ ان تک متفق علیہ ہے۔ اور ان کی اکیسویں نسل کے پوتے نے ان کا رتبہ بلند کر دیا۔ اور کسی نے کیا خوب کہا ہے

کم من اب قد علا بابن ذوی شرف

کما علا برسول اللہ عدنان [59] "

کتنے باپ ایسے ہیں کہ وہ اپنے کسی بیٹے کی وجہ سے بلند مقام پا جاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عدنان کو عالی مقام مل گیا ہے۔

(۲۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کا دوسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ کے بائیسویں پشت کے دادا اُدّ سے شروع ہو کر ساٹھویں پشت کے دادا قیدار تک پہنچتا ہے)

محدثین کرام کے یہاں جو صحت روایت کا معیار ہے اس کے پیش نظر انھوں

---

[58] ۔ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۲/ ۲۱

[59] ۔ شرح الشفاء لملا علی قاری ۱/ ۳۷۶ طبع مصر

Marfat.com

اس حصہ کو بیان نہیں کیا، بلکہ ایک روایت "کذب النسابون مافوق عدنان"[٦٠] کے پیشِ نظر اس حصّے کو بیان کرنا ہی جائز قرار نہیں دیا۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اس روایت کے معیارِ صحت پر پورے نہ اترنے کے پیشِ نظر اس حصّے کو بیان کرنا بھی جائز قرار دیا ہے جن میں سے ابن اسحاق، ابن جریر اور امام بخاری رحمہم اللہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[٦١]

اور خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک نام گنائے ہیں۔[٦٢]

اور حضرت علامہ سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے طبری، طبقات ابن سعد، البدایۃ ابن کثیر، الفصل ابن حزم اور تورات کے حوالوں سے بڑی تحقیقِ دقیق کے بعد اس حصہ کے ناموں کو اپنی کتاب میں درج کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

"اُدد (دادا) بن ہمیسع بن سلامان بن عوص بن بوز بن قموال بن اُبی بن عوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن ناحش بن ماخی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الدعا بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوے بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن ناحث بن زارح بن سمی بن مزی بن عوض بن عرام بن قیدار۔"[٦٣]

(۳۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ گرامی کا تیسرا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکتیسویں پشت کے دادا حضرت اسماعیل ذبیح بن حضرت ابراہیم علیہما السلام سے شروع ہو کر اُنسٹھویں پشت پر جا کر ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچ جاتا

٦٠۔ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۲/۲۲

٦١۔ سبائک الذہب للسویدی ص ۱۹ بحوالہ قاضی ۲/۲۲

٦٢۔ سیرت النبیؐ ۱/۱۶۰

٦٣۔ رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۲۸ تا ۳۰۔

Marfat.com

ہے۔ اور اس حصے کے ناموں اور ان کی عمروں کی تفصیلات تورات میں موجود ہیں [۶۴] جن کی تفصیل یوں ہے۔ اسماعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام بن تارہ (آذر) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ (ادریس علیہ السلام) بن یارد بن مہلل ایل بن قینان بن آنوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام [۶۵]

اس شجرۂ نسب کے افراد کی طہارت و پاکیزگی کے بارے میں بخاری و مسلم ترمذی اور دیگر کتبِ حدیث میں بکثرت ارشاداتِ نبویؐ وارد ہیں کہ یہ سب لوگ پاک دامن اور نہایت صاحب عصمت و عفت تھے۔

جیسا کہ بخاری شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے:۔

بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ آدَمَ قَرْنًا حَتّٰی بُعِثْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ۔ [۶۶]

میں بنی آدم کے زمانوں میں سے بہترین زمانے، زمانہ بزمانہ مبعوث کیا گیا ہوں، یہاں تک کہ اس زمانے میں مبعوث ہوا ہوں جس میں میں ہوں۔

اور مسلم و ترمذی شریف میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی مِنْ وَلَدِ اِبْرَاہِیْمَ اِسْمَاعِیْلَ وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ کِنَانَۃَ قُرَیْشًا وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ہَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ [۶۷]

۶۴:۔ رحمۃ للعالمین ۲/۲۱ تا ۳۱، الرحیق المختوم ۵۵-۵۶ طبع مکہ و ابن ہشام مع الروض للسہیلی ۱/۴۳ تا ۴۸ تحقیق عبدالرحمان الوکیل طبع مصر۔

۶۵:۔ رحمۃ للعالمین ۲/۳۱

۶۶:۔ بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۵۶ و شرح الشفاء ملا علی قاری ۱/۴۷۵ تحقیق حسین محمد مخلوف مفتی الدیار المصریۃ طبع قاہرہ مصر۔

۶۷:۔ مسلم عن واثلۃ بن الاسقع بحوالہ البدایۃ ۲/۲۵۶ و شرح الشفاء ۱/۴۷۷ و (آگے دیکھیں)

Marfat.com

"اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیمؑ میں سے اسماعیلؑ کو منتخب کیا اور بنی اسماعیل میں سے بنی کنانہ کو چُنا۔ اور بنی کنانہ میں سے بنی قریش کا انتخاب کیا۔ اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چُنا۔ اور بنی ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔"

اور امام احمد، بیہقی، ابن عدی، ابن عساکر اور حاکم وغیرہ نے ملتے جلتے الفاظ کی متعدد روایات بیان کی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ أَخْرَجَنِي مِنَ النِّكَاحِ ولم يخرجني من السفاح۔ (اللفظ للبیہقی)

"اللہ تعالیٰ نے مجھے (نسل در نسل) جائز نکاح سے پیدا فرمایا ہے، اور اس نے میری تخلیق زنا سے (کسی نسل میں بھی) نہیں کی۔"[۶۸]

ان تمام روایات کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام بیہقیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

وهذه الروايات وإن كان في رواتها من لا يحتج به فبعضها يؤكد بعضاً ومعنى جميعها يرجع إلى حديث واثلة ابن الاسقع وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔[۶۹]

"ان تمام روایات میں اگرچہ بعض روات (راوی) ایسے بھی ہیں جو قابلِ حجت نہیں۔ مگر ان روایات میں سے بعض روایات بعض دیگر کی تاکید و تقویت کا باعث ہیں۔ اور ان تمام کا معنی واثلہ بن اسقع کی حدیث کی طرف

(بقیہ حاشیہ) ترمذی معہ تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴، ۷۵، طبع مدینہ منورہ۔

[۶۸]: تفصیل کے لیے دیکھیے البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر ۲/۲۵۵ تا ۲۵۹، والشفاء (قاضی عیاض) مع الشرح مُلّا علی قاری ۱/۴۷۲ تا ۴۸۰ طبع مصر بتحقیق مخلوف۔

[۶۹]: البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۵۷۔

Marfat.com

ہی لوٹتا ہے۔ یعنی اصل مرجع وہ مسلم و ترمذی شریف والی حدیث ہی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعلم۔

ہاشم بن عبدمناف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب میں جو نام آئے ہیں، ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد حضرت آدم، شیث، ادریس، نوح، ابراہیم، اسماعیل علیہم السلام۔ اور ان کے بعد عدنان، کنانہ فہر الملقب بقریش، عبدمناف، ہاشم، عبدالمطلب، عبداللہ اور کئی دیگر حضرات بڑے مشہور ہیں جن کے تفصیلی حالات تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں، مگر اختصار کے پیش نظر ہم صرف ہاشم اور بعد والوں کے حالات کا سرسری تذکرہ کریں گے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان ہاشمی انہی بزرگوار کی طرف منسوب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پردادا کا نام عمرو اور لقب عمرالعلا اور ہاشم تھا۔ یہ اپنے باپ عبدمناف کی وفات کے بعد اپنے قبیلے کے سردار منتخب ہوئے۔ ان کا لقب "ہاشم" اس طرح معروف ہوا کہ ایک دفعہ وہ تجارت کے سلسلہ میں شام گئے ہوئے تھے تو انہیں اطلاع پہنچی کہ مکہ میں قحط سالی کی وجہ سے آٹا کمیاب ہو گیا ہے۔ تو انہوں نے شام سے واپسی پہ تمام اونٹوں پر روٹیاں اور آٹا لاد لیا۔ اور مکہ پہنچ کر لوگوں کی دعوتِ عام کر دی۔ اور گوشت و شوربے میں روٹیوں کے ٹکڑے چورہ بنا کر ڈال دیئے اور یہ ثرید تمام اہلِ مکہ کو کھلایا اور چونکہ عربی زبان میں ٹکڑے اور چورہ کرنے کو "ہشم" کہا جاتا ہے، اس لیے ان کا نام "ہاشم" یعنی چورہ بنا کر کھلانے والا مشہور ہو گیا۔[له]

له : الرحیق المختوم ۵۶ - ابن ہشام ۱/۱۳۷

اس واقعہ کے بعد ہر سال موسم حج میں حجاج بیت اللہ اور زوّار کعبہ کی عام دعوت کیا کرتے اور یہی کھانا "ثرید" کھلایا کرتے تھے۔ طبقات ابن سعد میں سردار قوم ہاشم کی زیرکی و دانشمندی کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے خط و کتابت کر کے قیصر سے یہ خصوصی فرمان حاصل کر لیا ہوا تھا کہ قریش کا مال تجارت بغیر کسی ٹیکس کے شام میں داخل ہوتا رہے[۱]۔ اور شاہِ حبشہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کر لیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر اور قیصر کا پایہ تخت تھا۔ وہاں جب تجار قریش جاتے تو خود قیصر نہایت عزت و احترام سے ان کا خیر مقدم کیا کرتا تھا[۲]۔

ان کے چار لڑکے ابو صیفی، اسد، فضلہ اور جدِ رسول عبد المطلب تھے۔ اور پانچ لڑکیاں رقیہ، شفاء، ضعیفہ، خالدہ اور حنہ تھیں۔ ان ہاشم کی ایک پوتی رقیہ بنت ابی صیفی تھیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار بھی کہے تھے جن میں سے قاضی منصور پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین (۶۹/۲) میں یہ دو شعر نقل کیے ہیں:۔

۱۔ "منا من اللہ بالمیمون طائرہٗ
وخیر من بشّرت بہ مضر"

آپ کی ذات نعمتِ الٰہی ہے اور آپ بابرکت ہیں۔
اور قبیلۂ مضر کو جو بشارت دی گئی وہ آپ ہی ہیں۔

۲۔ مبارک الامر یستقی الغمام بہ
ما فی الانام لہ عدل ولا خطر

آپ ایسے بابرکت ہیں کہ آپ کے ذریعے بارشیں

---

[۱]:۔ طبقات ابن سعد ۱/۴۵ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۶۹/۲ ۔ [۲]: سیرت النبی ۱/۱۶۵-۱۶۶

Marfat.com

طلب کی جاتی ہیں۔

اور اس کائنات میں ایک کا ہمسر دُوسرا کوئی نہیں۔"

معرُوف سیرت نگار ابن ہشام لکھتے ہیں کہ" ہاشم "ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے شام گئے اور جاتے ہوئے جب مدینہ منوّرہ میں رُکے تو وہاں بنی نجار کے ایک فرد کی بیٹی سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی۔ کچھ دیر وہاں ٹھہرے، اور پھر شام روانہ ہو گئے۔ اور اسی سفر میں سرزمین فلسطین میں غزّہ کے مقام پر وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نئی مدنی بیوی سے (۴۹۷ء میں) لڑکا عطا فرمایا۔ جس کے سر میں پیدائشی طور پر ہی کچھ سفید بال تھے جو بڑھاپے کی علامت شمار کیئے جاتے ہیں۔ اور بُوڑھے کو عربی میں شیبہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کا نام ہی شیبہ رکھ دیا گیا۔[۴۳]

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ :۔

ان کا نام عامر تھا مگر ان سفید بالوں کی وجہ سے یا عُمر دراز پانے کی نیک فال لینے کے لیئے ان کا لقب شیبہ رکھ دیا۔ ان کی والدہ نے مدینہ میں ہی اپنے والدین کے گھر ان کی پرورش کی۔ اور مکّہ مکرمہ میں ان کے خاندان والوں کو کوئی خبر نہ ہوئی[۴۴]۔ یہ شیبہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے حقیقی دادا عبدالمطلب ہیں۔

عبدالمطلب بن ہاشم

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پردادا ہاشم بن عبد مناف کی وفات کے بعد حجاج کی خدمت و میزبانی اور کھانے پینے کے انتظامات کا شرف ان کے بھائی، مطلب بن عبد مناف کے حصّے میں آیا۔ وہ اپنی قوم میں بڑے معزّز تھے۔ اور

۴۳ :۔ ابن ہشام ۱/۱۳۷ بحوالہ الرحیق المختوم ص ۵۶۔ ۴۴ :۔ الرحیق المختوم ص ۵۶۔

ان کی سخاوت و بزرگی کی وجہ سے قریش کے لوگ انہیں "فیاض" کے لقب سے پکارا کرتے تھے۔

انہیں جب معلوم ہوا کہ میرے بھائی ہاشم کا ایک لڑکا شیبہ اپنے ننھیال کے یہاں مدینہ منورہ میں ہے تو وہ انہیں لینے کے لیئے گئے۔ اپنے بھائی کی اس آخری نشانی کو دیکھا تو آبدیدہ ہو گئے۔ اور انہیں گلے سے لگا لیا۔ اور جب اس کی ماں سے اُسے ساتھ بھیجنے کا کہا تو اس نے انکار کر دیا۔ مطلب نے کہا کہ میں اسے اس کے باپ کے گھر اور اللہ کے حرم مکہ مکرمہ لیجانا چاہتا ہوں، تو وہ رضامند ہو گئیں۔ مطلب جب اپنے بھتیجے کو اپنے اونٹ پر سوار کیئے مکہ پہنچے تو لوگوں نے کہا:-

هذا عبد المطلب و يحكم هذا ابن أخي هاشم.

"یہ مطلب کا غلام ہے۔ انہوں نے کہا، تمہارا بھلا ہو، یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔"

مگر وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ پھر انہیں اپنی اولاد کی طرح بڑے بڑے نازو نعمت سے پالا، یہاں تک کہ وہ جوان ہو گئے۔ اور جب مطلب نے وفات پائی تو عبدالمطلب ان کے قائم مقام سردارِ قریش اور کعبہ کے متولی ہوئے۔[۵۵] مگر اپنے چچا کی تربیت و پرورش اور احسان مندی کے اظہار کے لیئے عمر بھر عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام ہی کہلاتے رہے۔

قریش انہیں شیبۃ الحمد، فیاض، مطعم طیر السماء، سیدِ قریش و شریف قریش کہا کرتے تھے۔ یہی عبدالمطلب ہیں جنہوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھا۔ آٹھ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ اور انہی کی

۵۵:- ابن ہشام ۱/۱۳۸-۱۳۷، الرحیق المختوم ص ۵۷، زرقانی ۱/۸۵ بحوالہ سیرت النبیؐ۔

Marfat.com

سرداری کے زمانے میں ہاتھی والوں کا واقعہ رُونما ہوا تھا۔
ان کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ چاہِ زمزم بنی جرہم کے عمرو بن حارث نے بند کر دیا تھا اور امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کسی کو یاد بھی نہ رہا تھا کہ یہ کنواں کہاں ہے اُسے عبدالمطلب ہی نے دوبارہ نکالا تھا۔
سیرت ابن ہشام وغیرہ میں لکھا ہے کہ:
عبدالمطلب متواتر تین راتیں یہ خواب دیکھتے رہے کہ کنواں نکالو۔ پھر خواب ہی میں انہیں چاہِ زمزم کی جگہ بھی دکھائی گئی۔ عبدالمطلب اور ان کے فرزند اکبر حارث نے اس جگہ کنواں کھودنا شروع کیا۔ تین دن کی کھدائی کے بعد ان کو بنو جرہم کی مدفونہ اشیاء سونے کے دو ہرن، تلواریں اور زرہیں ملنے لگیں تو قریش کے لوگ جو اب تک عبدالمطلب کے اس فعل کو لغو و عبث ہی سمجھتے تھے۔ مگر مدفونہ اشیاء کی برآمدگی نے انہیں بھی یاد کرا دیا تو وُہ درخواستیں کرنے لگے کہ اس شرف میں ہمیں بھی شریک کیا جائے۔ مگر عبدالمطلب نے کسی کو اپنے ساتھ شامل کرنا پسند نہ کیا۔
جب ہر طرف سے ان پہ دباؤ بڑھنے لگا تو اس وقت انہوں نے یہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس لڑکے عطا کیئے جو جوان ہو کر میرے دست و بازو بن گئے تو میں ان میں سے ایک کو خانہ کعبہ کے پاس اللہ کے نام پہ ذبح کروں گا۔ اور تا آخر چاہ زمزم کی کھدائی باپ، بیٹا دونوں ہی نے کی۔ یہ زمزم جس سے آج لاکھوں مسلمان سیراب ہو رہے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے فرزندِ خلیل حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے لیئے ظاہر فرمایا تھا، یہ چاہِ زمزم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی بھی یادگار ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہی بات ان شعروں میں کہی ہے:-

Marfat.com

۱ نحن حفرنا للحجیج زمزم ‏ سقیا الخلیلؑ وابنہ المکرم

۲۔ جبریلؑ الذی لم یزمزم ‏ شفاء سقم وطعام مطعم[۷۶]

۱۔ ہم نے چاہِ زمزم کھودا جو کہ اوّلاً حضرت خلیلؑ اور ان کے لختِ جگر حضرت اسماعیلؑ کے لیئے نکالا گیا تھا۔

۲۔ اور جبریلؑ (نے اس کی نشاندہی کی) جن کی کسی نے مذمت نہیں کی۔ وہ آبِ زمزم بیماری سے شفاء اور ذریعۂ غذا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عبد المطلب کو کثیر الاولاد کیا تھا ان کے صحیح روایت کے مطابق بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ اور بیٹوں میں سات اسلامی تاریخ میں اسلام یا کفر کی خصوصیت سے بہت مشہور ہیں جو حارث، زبیر، ابو طالب، ابولہب حمزہ۔ عباس اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ ہیں۔ جبکہ ان کی چھ بیٹیاں اُم حکیم، برہ، عاتکہ، اروی، امیمہ اور صفیہ تھیں۔ یہ سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیاں تھیں۔ عبد المطلب نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سالِ ولادت کا اندازہ ۴۹۷ء ہے۔ اور سالِ وفات کا اندازہ ۵۷۹ء کیا گیا ہے۔[۷۷]

۷۶:۔ مختصر سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب ص ۴۶۔ طبع دارالافتاء سعودیہ۔

۷۷:۔ پروفیسر سیڈیو کی تاریخ العرب، فرنچ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۱/ ۷۰ تا ۷۲۔

عبداللہ والد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قربانی کا واقعہ

نبی ہاشمی و عربی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے باپ کے سب سے لاڈلے محبوب اور منظور نظر تھے اور وہ سب سے بڑھ کر خوبصورت، خوب سیرت اور عفت مآب بھی تھے ان کے والد عبدالمطلب پر چاہِ زمزم کی کھدائی کے وقت جب قریش کی طرف سے دباؤ ڈالا گیا تھا، تو اس موقع پر انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا کیے جو میرے سامنے جوان ہو کر میرے دست و بازو بن گئے تو ان میں سے ایک کی اللہ تعالیٰ کے نام پر خانہ کعبہ کے قریب ذبح یا قربانی کروں گا۔

جب ان کی دعا پوری ہو گئی، دس لڑکے جوان ہو کر معاون بن گئے تو انہوں نے منت کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، اپنے لڑکوں کو بات بتائی تو ان سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان میں سے قربان کس کو کیا جائے۔ اسے حل کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ پدر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نکل آیا۔ انہوں نے بھی اپنے جدِ امجد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح برضا و رغبت باپ کی خوشنودی اور رضائے الٰہی کے لیے قربان ہونا منظور کیا تو باپ نے ایک مرتبہ پھر سنتِ ابراہیمی کو زندہ کر دیا۔ چھری اور بیٹے کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ کی طرف چل دیئے۔ عبداللہ کی بہنیں رونے لگیں۔ رؤسائے قریش

Marfat.com

نے جب یہ دلدوز منظر دیکھا تو ان سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے عبد المطلب کو روکا۔ اپنے برادرِ شفیق کو قربانی سے بچانے کے لیئے ابوطالب نے چند اشعار کہے جن میں زیرِلب اپنا مدّعا بیان کیا۔ اور خاص طور پر عبداللہ کے ننھیال بنو مخزوم میں سے ان کے ایک ماموں مغیرہ نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ آپ اپنی نذر کا کفارہ ادا کریں۔ اس کیلیئے جتنے مال کی ضرورت پڑے گی وہ ہم آپ کو مہیا کریں گے۔ اس نئی صورتِ حال کے پیشِ نظر عبد المطلب نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم سب یہی چاہتے ہو تو پھر مجھے بھی کوئی راستہ بتاؤ کہ میں اپنی نذر کا کیا کروں؟ تو رؤساءِ قریش نے مشورہ دیا۔ کہ مدینہ کے قریب خیبر کے مقام پر ایک کاہنہ رہتی ہے اس کے پاس چلے جاؤ۔ اور وہ جو فیصلہ کرے اس پر عمل کر لینا۔ گئے۔ سارا ماجرا کہہ سنایا، تو اس نے کہا کہ عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ اندازی کرو۔ اتفاق یہ کہ اس قرعہ اندازی میں بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔ اس نے کہا دس اونٹ اور بڑھاؤ اور قرعہ اندازی کرو۔ اسی طرح دس دس کر کے بڑھائے گئے۔ مگر نوّے اونٹ ہو جانے تک ہر مرتبہ عبداللہ کا نام ہی نکلا۔ اور جب سَو اونٹ گئے تو اونٹوں پر قرعہ نکل آیا۔ (الرحیق المختوم)

سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ :-

جب سَو اونٹوں پر قرعہ نکل آیا تو قریش نے کہا :-

قد انتهى رضاء ربك يا عبد المطلب !

اے عبد المطلب ! تیرے رب کی رضا پوری ہو گئی۔

تو انہوں نے کہا ؛

لا، والله حتى اضرب عليها ثلاث مرات

بخدا مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہو گا جب تک کہ میں سَو اونٹ اور

Marfat.com

عبداللہ پر تین مرتبہ قرعہ اندازی نہ کر لوں۔ پھر یکے بعد دیگرے تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی اور تینوں مرتبہ ہی قرعہ اونٹوں پر نکلا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے فدیہ اور نذر کے بدلہ میں سو اونٹ قربان کر دیئے۔

اس واقعہ سے قبل انسانی دیت یا خون بہا دس اونٹ تھے لیکن اس کے بعد سو اونٹ ہو گئے۔ اور اسلام نے بھی اس مقدار کو قائم رکھا، گویا عبدالمطلب کے خلوص اور والدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعتِ پدری کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان کی قدر و قیمت میں دس گنا اضافہ ہو گیا۔ اور قتل کی وارداتوں میں بھی نمایاں کمی واقع ہو گئی۔ اس طرح یہ واقعہ نہ صرف ملکِ عرب بلکہ عالمِ انسانیت کے لیئے باعثِ برکت ہو گیا۔ اور کیوں نہ ہوتا جس کے فرزندِ خلیل کو رحمۃ للعالمین بننا تھا۔ اس کے آباء کرام کا بھی بنی نوعِ انسان کے لیئے ایسا ہی محسن ہونا ضروری تھا۔

خلیل و اسماعیل علیہم السلام اور عبداللہ و عبدالمطلب نے خلوص و وفا کی جو بے نظیر مثالیں قائم کی تھیں انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں یادگار بنا دیا۔ اور فرمایا:-

اَنَا ابْنُ الذَّبِیْحَیْنِ[۴۸]

میں دو قربان ہونے والے (یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور عبداللہ) کا بیٹا ہوں۔

۴۸:- تہذیب سیرت ابن ہشام عبدالسلام ہارون ص ۳۳ تا ۳۵ طبع کویت۔ الرحیق المختوم ص ۶۰ رحمۃ للعالمین ۲/ ۹۱-۹۲۔

سیرت النبی ۱/ ۶۸ - ۱۶۷ و مختصر سیرت الرسول شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ص ۴۶ طبع دار الافتاء، سعودیہ۔

Marfat.com

والدین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی

رئیس قریش عبدالمطلب کے حسین ومحبوب فرزند اور نبی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی عبداللہ جب سو اونٹوں کی دیت کے عوض قربانی سے بچ گئے تو ان کے والد کو ان کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اس وقت قبائل قریش میں سے بنی زہرہ حسب ونسب کے اعتبار سے بڑا معزز خاندان تھا۔ اور اس خاندان کے سردار وہب بن عبد مناف تھے۔ جو کہ اپنے خاندان کے سردار ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی شرافت میں بھی معروف تھے۔ ان کی بیٹی سیدہ آمنہ بنت وہب اپنی شرافت ونجابت اور عفت وعصمت کے لحاظ سے قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ اور اپنے چچا وہب بن عبد مناف کے یہاں پرورش پا رہی تھیں۔ یہ وہب بھی اپنے بھائی کی طرح ہی قوم کے معزز ومطاع تھے۔ عبدالمطلب ان کے پاس گئے۔ اور سیدہ آمنہ سے اپنے بیٹے عبداللہ کے نکاح کا پیغام دیا جسے انہوں نے بخوشی قبول کر لیا۔ اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرامی قدر والدین کی شادی ہو گئی۔

اس وقت دستور تھا کہ شادی کے بعد دولہا تین دن تک اپنے سسرال والوں کے گھر میں رہتا۔ یہ بھی حسب دستور تین دن سسرال میں رہے۔ اور پھر گھر چلے گئے۔

علامہ منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :۔

(سیدہ آمنہ نکاح کے پہلے ہی ہفتے میں ' امانتدار نور محمدی ' ہو گئیں۔ نکاح کے چند ماہ بعد عبداللہ بن عبدالمطلب تجارت کے لیے شام چلے گئے۔

Marfat.com

واپسی پر مدینہ منورہ میں اس لیے رک گئے کہ اپنے والد کے حکم کے مطابق وہاں سے کچھ کھجوروں کا سودا کریں۔ قیام مدینہ کے دوران وہ بیمار ہو گئے۔ قافلہ کے دیگر افراد نے جب ان کی بیماری کی خبر مکہ پہنچ کر ان کے والد کو دی تو وہ بے قرار ہو گئے۔ فوراً اپنے بڑے فرزند حارث کو خبرگیری کے لیے بھیجا، مگر وہ مدینہ پہنچے تو پتہ چلا کہ عبداللہ وفات پا گئے ہیں اور انہیں دارِ نابغہ جعدی میں دفن کر دیا گیا ہے۔ ان کی وفات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکمِ مادر میں ہی امانت تھے جب عبداللہ کی وفات کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو شکمِ طاہر میں اپنے شوہر کی پہلی امانت لیے عالم شباب میں ہی بیوہ ہو جانے والی سیدہ آمنہ نے رنج وغم کے عالم میں بے اختیار چند اشعار پر مشتمل مرثیہ کہا۔ جسے ابن سعد نے طبقات (۶۲/۱) میں یوں نقل کیا ہے۔ فرمایا:۔

۱۔ عفا جانب البطحاء من ابن ہاشم وجاور لحداً خارجاً فی الغماغم

ہاشم کا ایک فرزند بطحا کی جانب جاکر چھپ گیا۔ وہ لحد میں بہادروں کی بانگ و خروش کے ساتھ جا سویا۔

۲۔ دعتہ المنایا دعوۃً فأجابہا وما ترکت فی الناس مثل ابنِ ہاشم

موت نے اسے پکارا اور وہ چلا گیا افسوس کہ موت نے اس کا کوئی ہم مثل بھی دنیا میں نہیں چھوڑا۔

۳۔ عشیّۃ راحوا یحملون سریرہ تعاورہ أصحابہ فی التراحم

اس کے دوست شام کے وقت اس کی لاش اٹھا چلے۔ اور از راہِ محبت وہ اپنے کاندھے بدلتے اور اس کے اوصاف بیان کرتے تھے۔

۴۔ فإن یک غالتہ المنایا وریبہا فقد کان معطاءً کثیر التراحم

خواہ موت نے اسے ہم سے دور ہی کر دیا ہے۔ مگر اس میں تو شک نہیں کہ

Marfat.com

وُہ بڑا سخی اور غریبوں کا ہمدرد تھا۔
وفات کے وقت ان کی عُمر صرف پچیس[۲۵] سال تھی۔
صحیح مسلم اور کتبِ تاریخ و سیرت میں لکھا ہے کہ،
سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے والد نے جو کل ترکہ چھوڑا وُہ پانچ اونٹوں کچھ بکریوں اور ایک حبشی کنیز پر مشتمل تھا جن کا نام" برکہ" اور کنیت اُمِ ایمن تھی۔ "جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم ان کی بہت عزت کیا کرتے اور انہیں (اُمّی بعد اُمی) کہا کرتے کہ میری حقیقی ماں کے بعد یہ میری ماں ہیں۔
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم بہت محبت کیا کرتے تھے۔ وُہ انہی کے بیٹے تھے۔ صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما اپنے دَورِ خلافت میں اُمِ ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیئے ان کے گھر جایا کرتے تھے[۷۹]۔
اب ہم یہاں اپنے قارئین کی دلچسپی اور افادے کے لیئے ریاست پٹیالہ کے سیشن جج حضرت علامہ قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری رحمہ اللہ کی کتاب "رحمۃٌ للعالمین" جلد دوم کے ص ۲۱ تا ۳۱ کو من وعن نقل کر رہے ہیں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب کے بارے میں بڑی تفصیلات اور مفید معلومات مذکور ہیں۔

---

[۷۹]: الرحیق المختوم ص ۶۱۔ رحمۃٌ للعالمین ۲/ ۹۲ تا ۹۵
سیرت النبی ۱/ ۶۹ - ۱۶۸

Marfat.com

شجرۂ طیّبہ

شجرۂ مبارکہ کو تین حصوں میں پیش کیا جاتا ہے

(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے عدنان تک ہے۔ اور اس کی بابت حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ المعروف بابن عبدالبر النمری القرطبی دولدسنۃ ثمان وستین وثلاث مائۃ ۳۸۶ھ نے کتاب الاستیعاب میں تحریر کیا ہے:

ھٰذا مالم یختلف فیہ احدٌ من الناس۔

اس شجرے میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں۔

آبائے الکرام کے ساتھ میں نے تلاش کی کہ اُمہاتہ العظام کے مبارک نام بھی مل جائیں تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت عبداللہ سے لے کر عدنان تک برابر سب کے نام مل گئے۔ اور مزید برآں یہ بھی ہوا کہ ان امہات کے آباء اور قبائل کا پتہ بھی لگ گیا۔ مثلاً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی والدہ ماجدہ کا نام ملا تو سیّدہ آمنہ کے والد کا نام مع ان کے سلسلۂ نسب کے اور ان کی والدہ کا نام مع ان کے سلسلۂ نسب کے مل گیا۔ اس تمام سلسلے پر نظر ڈالو، شاید دنیا میں کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کا بھی سلسلۂ خاندانی اس وضاحت کے ساتھ اوراقِ تاریخ میں دستیاب نہ ہو سکے گا۔ پھر ہر ایک سلسلہ میں نسب کی رفعت و شان پر نظر ڈالو کہ دوھیال اور ننھیال، اور ننھیال در ننھیال کی دوھیال میں بھی کسی ایک جگہ وہن یا خمود نہ ملے گا۔ یہ شرف صرف اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جسے ازل الآزال میں قدرتِ ربّانیہ نے عالمین پر ممتاز فرمایا۔ اور آدم علیہ السلام سے لے کر

Marfat.com

ذاتِ گرامی تک ہر ایک نسل کی حفاظت خود فرمائی ہو۔
امہاتہ العظام اور ان کے ددھیال کے اسماء میں میرا ماخذ تاریخ کبیر طبری اور طبقات الکبیر ابن سعد اور کسی قدر تاریخ الکل ابن اثیر ہیں۔

(ب)

نسب نامہ گرامی کا حصّہ دوم وہ ہے جو معد بن عدنان سے اُوپر آتا ہے۔
محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حصّہ کا اندراج اس تفصیل کے ساتھ جیسا کہ ہم تحت میں تحریر کریں گے۔ اپنی کتابوں میں نہیں کرتے۔ کیونکہ ان اصُول کے مطابق جو صحیح روایات کے متعلق انہوں نے اختیار فرمائے ہیں، اس حصّہ کا روایت کرنا دشوار ہے۔
ان بزرگواروں کا یہ نہایت وَرَع و تقویٰ ہے۔
بایں ہمہ جُملہ محدثین اس سلسلہ کے خاص خاص مشاہیر کے آٹھ نو نام لے کر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نسب گرامی حضرت اسماعیل السّلام تک منتہی ہو جاتا ہے۔ یہ طریق کہ سلسلۂ نسب میں خاص خاص مشاہیر کا نام لے کر اختصار سے کام لیا جاتے۔ بنی اسرائیل میں بھی مروّج تھا۔
انجیل متی کو دیکھو، وہ لکھتے ہیں:۔
"یسُوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام کا نسب نامہ یہ ظاہر ہے کہ متی نے مسیح اور داؤد علیہم السّلام کے درمیان ۲۶ پُشتیں، اور داؤد و ابراہیم علیہم السّلام میں ۱۲ پُشتیں دانستہ اختصار کے لیے چھوڑ دی ہیں۔
حِصّہ دوم کے شامِل کتاب کرنے کی جرأت مجھے اس لیے ہُوئی کہ: کذب النّسابون مافوق العدنان کا قطعی صحت تک پہنچ جانا مجُھ پر مخفی رہا۔ اور میں نے دیکھا کہ اکثر علماء نے جو تاریخ اور حدیث میں امام تسلیم

Marfat.com

ہوتے ہیں۔ اس حصّہ کو بیان کیا ہے۔ سبائک الذھب للسویدی ص ۱۹ میں ہے:

قد اختلف فی کراھۃ رفع النسب من عدنان إلیٰ اٰدم فذھب ابن اسحاق وابن جریر وغیرہ إلیٰ جوازہ وعلیہ البخاری وغیرہ من العُلماء۔

ترجمہ، عدنان سے اُوپر آدمؑ تک نسب بیان کرنے کی کراہت میں اختلاف ہے۔ ابن اسحاق اور ابن جریر کے نزدیک جائز ہے۔ اور بخاری وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

کتاب رحلۃ الشافعی مصنفہ جلال الدین السیوطی میں امام شافعی رحمہ اللہ، اور ہارون الرشید کے مکالمہ کے ذکر میں ہے:

فقال لی این لی عن نفسك قال الشافعی فلقیت حتی الحقت اٰدم علیہ السلام بالطین۔

ترجمہ۔ ہارون الرشید نے کہا، تم اپنی بابت بتاؤ۔ میں نے نسب بیان کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے جا ملایا۔

ان حوالجات کے بعد میں نے اس حصّہ کا لکھنا ترک کر دینے سے بہتر سمجھا۔ مَیں نے اوّل اوّل یہ حصّہ ڈاکٹر سر سید احمد خان غفرلہٗ کی کتاب خطباتِ احمدیہ میں دیکھا تھا۔ سرسید رحمہ اللہ نے اس جگہ کسی کا پتہ نہیں لکھا۔ انہوں نے ارمیا کاتب برخیا علیہ السلام اور ابجیرا کے نسب نامہ کا ذکر فرمایا تھا۔ میں نہ سمجھ سکا کہ سر سید یہ باتیں کہاں سے لکھ رہے ہیں۔

من بعد مجھے تاریخ ابوالفداء میں ارمیا اور ابجیرا کا مذکور ملا۔ اور پھر امام طبری کی کتاب میں ایک روایت کلبی کی ملی، جس کی بابت امام طبری نے لکھا ہے کہ:

Marfat.com

"یہ روایت ارمیا کے نسب نامے کے متوافق ہے۔ صرف کہیں کہیں اختلاف السنہ کی وجہ سے اختلاف لہجہ کا فرق پڑ گیا ہے۔ دوسری روایت خود امام طبری کی ہے۔ جسے انہوں نے ایک عرب نسب دان سے لیا ہے۔"

پھر مجھے امام ابن سعد کی کتاب طبقات الکبیر میں بھی یہی حصہ مل گیا۔ مجھے ان کتابوں سے مطابقت کرنے کے بعد سرسید کے نسب نامے میں لکھے ہوئے چند نام عدنان دوم ۔ ادو دوم۔ الیسع، ہمیسع دوم۔ سلامان دوم۔ ثابت ۔ حمل۔ معد اول نہیں ملے۔ معلوم نہیں ان کا سرسید نے کس کتاب کے حوالہ سے اضافہ فرمایا ہے۔

میں نے وُہی نام لکھے ہیں جو بالاتفاق متعدد روایات میں بیان ہوئے تھے۔

(ج)

ا۔ نسب نامہ گرامی کا حصہ سوم جو اسماعیل علیہ السلام سے شروع اور ابوالبشر آدم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ تورات موجودہ سے لیا گیا ہے۔ اسماء کے اعراب عربی زبان کی توراۃ متشکل سے لیئے گئے ہیں۔

ب۔ ہر نام کے سامنے سنین عمر درج ہیں۔ یہ بھی توراۃ سے لیے گئے ہیں جو غالباً صحیح ہیں۔ لیکن توراۃ میں یہ بھی ہے کہ فلاں عمر میں فلاں شخص کے پسر پیدا ہوا ہے۔ اس میں کئی اشکال ہیں۔ مثلاً

غور کرو مندرجہ ذیل بیانات توراۃ پر:۔

۱۔ آدمؑ ۱۳۰ برس کا تھا جب اس کے سشیث پیدا ہوا۔ ۵/۳ پیدائش
۲۔ شیثؑ ۱۰۵ برس کا تھا کہ اس سے انوس پیدا ہوا۔ ۵/۶ "
۳۔ انوس ۹۰ برس کا تھا کہ اس سے قینان پیدا ہوا۔ ۵/۹ "
۴۔ قینان ۷۰ برس کا تھا کہ اس سے مہلل ایل پیدا ہوا۔ ۵/۱۲ "

Marfat.com

۵۔ محلل ایل ۶۵ برس کا تھا کہ اس سے یارد پیدا ہوا۔ ۵/۱۵ پیدائش

۶۔ یارد ۱۶۲ برس کا تھا کہ اس سے حنوک پیدا ہوا۔ ۵/۱۸ ״

۷۔ حنوک ۶۵ برس کا تھا کہ اس سے متوسلح پیدا ہوا۔ ۵/۲۱ ״

۸۔ متوسلح ۱۸۷ برس کا تھا کہ اس سے لمک پیدا ہوا۔ ۵/۲۱ ״

۹۔ لمک ۵۰۲ برس کا تھا کہ اس سے نوح پیدا ہوا۔ ۵/۲۸ ״

۱۰۔ نوح ۵۰۲ برس کا تھا کہ اس سے سم پیدا ہوا۔ ؎

۱۱۔ سم ۱۰۰ برس کا تھا کہ اس سے طوفان کے ۲ برس بعد ارفکسد پیدا ہوا۔

۱۲۔ ارفکسد ۳۵ برس کا تھا کہ اس سے عیبر پیدا ہوا۔

۱۳۔ عیبر ۳۴ برس کا تھا کہ اس سے فلج پیدا ہوا۔

۱۴۔ فلج ۳۰ برس کا تھا کہ اس سے رعو پیدا ہوا۔

۱۵۔ رعو ۳۲ برس کا تھا کہ اس سے سروج پیدا ہوا۔

۱۶۔ سروج ۳۰ برس کا تھا کہ اس سے نحور پیدا ہوا۔

۱۷۔ نحور ۲۹ برس کا تھا کہ اس سے تارہ پیدا ہوا۔

۱۸۔ تارہ ۷۰ برس کا تھا کہ اس سے ابرام پیدا ہوا۔

اگر ہم اس حساب کو صحیح قرار دیں تو لازم آتا ہے کہ حضرت شیثؑ نے حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھا ہو۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ۸۸ سال کی ہو گئی ہو، اور حضرت

؎ ۔ یہ عبارت یہ نوح ۵۰۲ سال کا تھا، اس سے سم پیدا ہوا۔ کتاب پیدائش میں نہیں ہے کتاب پیدائش میں یہ ہے کہ نوح ۶۰۰ سال کا تھا جب طوفان آیا۔ نیز یہ فقرہ ہے کہ سم طوفان کے ۲ سال بعد ۱۰۰ برس کا تھا جب ارفکسد پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نوح ۵۰۲ سال کا تھا جب سم پیدا ہوا۔

Marfat.com

نوح علیہ السّلام کی زندگی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر دو سال کی ہو۔
حساب کرو کہ حضرت نوح علیہ السّلام طوفان کے بعد ساڑھے تین سَو برس تک
زندہ رہے۔ (۹/۲۸)۔
پیدائش اور طوفان سے ابراہیم کی پیدائش کا زمانہ ۲۶۲ + ۸۶ = ۳۴۸ برس
کا ہے۔ اور حضرت اسماعیل اپنے باپ کی ۸۶ سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔
حالانکہ ان اُمور کا کوئی عالم اہلِ کتاب قائل نہیں۔ اس لیئے مجھے اس حساب کی صحت
میں شک رہا۔ بعد ازاں مجھے تاریخ ابوالفداء میں سے اسی مقام کے پڑھنے کا اتفاق ہُوا۔
مجھے تعجب آمیز مسرت ہُوئی کہ یہ فاضل مورخ بھی اس خیال میں میرے ساتھ متفق
ہے۔ مزید اطمینان کا موجب یہ ہُوا کہ امام ابو محمد علی ابن احمد بن حزم الظاہری (المتوفی ۴۵۶ھ)
نے بھی کتاب فصل میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔
الغرض حصہ سوم کے نام تو صحیح ہیں۔ البتہ دیگر معلومات بعض جگہ مشکوک ہیں۔ چونکہ
نسب نامہ میں صحتِ اسماء ہی زیادہ تر درکار ہوتی ہے۔ اس لیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ
نسب نامہ گرامی کا یہ حصہ بھی بالکل صحیح ہے۔
ان ضروری تمہیدات کے بعد شجرہ مبارکہ درج کیا جاتا ہے۔

شَجَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ لِسَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حصّہ اوّل

نمبر شمار	آبائے الکرام	اُمہات العظام	اُمہات کے ددھیال اور ننھیال
۱	عبداللہ	آمنہ	اَب :- وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب ۔ (دیکھو سلسلہ ۶ آباء نبوی) اُم :- برّہ بنت عبد العزّٰی بن عبد الدار بن قصی (دیکھو سلسلہ ۵ آباء نبوی)
۲	عبد المطلب	فاطمہؓ	اَب :- عمر بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرّہ ۔ (دیکھو سلسلہ ۷ آباء نبوی) اُم :- صخرہؓ بنت عبد بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرّہ ۔ (دیکھو سلسلہ ۷ آباء نبوی)
۳	ہاشم	سلمیٰ	اَب :- عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن النجار (تیم اللہ) بن ثعلبہ خزرجی ۔ اُم :- عمیرہؓ بنت صخر بن حبیب ابن الحارث بن ثعلبہ بن مازن بن النجار ساکن مدینہ ۔

؎ :- صخرہ کی ماں کا نام تخمر بنت عبد بن قصی ۔ نانی کا نام سلمیٰ بنت عامرہ بن عمیرہ بن ودیعہ بن الحارث بن فہر پرنانی کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ بن وائلہ بن ظرب تھا ۔

Marfat.com

نمبر	آبائے الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
	عبد مناف	عاتکہ	اُب۔ مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بشہ بن سلیم بن منصور (از نسل سلسلہ ۱۷ آباء نبوی) اُم۔ مادیہ (عرف صفیہ[83]) بنت حوزہ بن عمرو بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن (ایضاً)
	قصی	حبی	اُب۔ خلیل بن حبشیہ بن سول بن کعب بن عمرو بن ربیعہ (وہو الخزاعی) اُم۔ ہند[84] بنت عامر بن النضر بن عمرو بن عامر (من الخزاعہ)
	کلاب	فاطمہ	اُب۔ سعد بن سیل (حیر) بن عوف بن عامر الجاؤ (کان اول من بنی جدار الکعبۃ فقیل لہم عمامار) از دشنوہ اُم۔ ظریفیہ[85] بنت قیس بن امیہ ذی الراسین جیثم بن کنانہ بن عمرو بن القین بن فہم بن عمرو بن قیس بن عیلان بن الیاس۔ (دیکھو سلسلہ ۱۷ آباء نبوی)
	مرہ	ہند	اُب۔ سریر بن ثعلبہ بن الحارث بن مالک۔ (دیکھو سلسلہ ۱۲ آباء نبوی) اُم۔ امامہ[86] بنت عبد مناۃ بن کنانہ (دیکھو سلسلہ ۱۴ آباء نبوی)

٨٢: عمیرہ کی ماں کا نام سلمیٰ بنت عبدالاشہل اور نانی کا نام اثیلہ بنت رعور اتھا۔

٨٣:۔ مادیہ کی ماں کا نام رتاش بنت الاسم اور نانی کا نام کبشہ بنت الرافقی تھا۔

٨٤:۔ ہند کی ماں کا نام لیلیٰ بنت مازن (من خزاعہ) تھا

٨٥:۔ ظریفیہ کی ماں کا نام صخرہ بنت عامر تھا۔

٨٦:۔ امامہ کی ماں کا نام ہند بنت دودان بن اسد خزیمہ ہے۔

Marfat.com

نمبر شمار	آبائے الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۸	کعب	محشیہ	أب۔ شیبان بن محارب بن فہر (دیکھو سلسلہ ۱۱ آبائے نبوی) اُم۔ وحشیہ[۸۵] بنت وائل بن قاسط بن ہنب بن افصی بن صعمی بن جدیلہ۔
۹	لوئی	مادیہ	أب۔ کعب بن القین (وہوالنعمان) بن حسیر بن شیع اللہ بن اسد بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔ اُم۔ عاتکہ بنت کاہل بن عذرہ۔
۱۰	غالب	عاتکہ	أب۔ یخلد بن النضر بن کنانہ۔ (دیکھو سلسلہ ۱۳ آبائے نبوی) اُم۔ انیسہ[۸۶] بنت شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل۔
۱۱	فہر الملقب بہ قریش	لیلیٰ	أب۔ حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ (دیکھو سلسلہ ۱۶ آبائے نبوی) اُم۔ سلمیٰ بنت طانجہ بن الیاس (دیکھو سلسلہ ۱۶ آبائے نبوی)
۱۲	مالک	جندلہ	أب۔ عامر بن الحارث بن مضاض بن زید بن مالک جرہمی۔ اُم۔ ہند بنت الظلیم بن مالک بن الحارث جرہمی
۱۳	نضر	عکرشہ	أب۔ عدنان (حارث) بن عمرو بن قیس بن عیلان بن مضر (دیکھو سلسلہ ۱۷ آبائے نبوی)

۸۵ ۔ وحشیہ کی ماں کا نام مادیہ بنت ضبیعہ بن ربیعہ بن نزار ہے۔

۸۶ ۔ انیسہ کی ماں کا نام تماضر بنت الحارث اور نانی کا نام رہم بنت کاہل ہے۔

Marfat.com

نمبر شمار	آبائے الکرام	امہات العظام	امہات کے ددھیال اور ننھیال
۱۴	کنانہ	برہ	اُب۔ مرہ بن اُد بن طانجہ (اخت تمیم بن مر) (طانجہ برادر مدرکہ) نمبر۱۶ اُم۔ ش
۱۵	خزیمہ	عوانہ۔ ہند	اُب۔ سعد بن قیس بن عیلان بن الیاس (دیکھو سلسلہ نمبر۱۷) اُم۔ وعد بنت الیاس (ایضاً)
۱۶	مدرکہ	سلمیٰ	اُب۔ اسلم بن الحاف بن قضاعہ اُم۔
۱۷	الیاس	لیلیٰ (خندف)	اُب۔ حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ اُم۔ ضریہ بنت ربیعہ بن نزار۔ (دیکھو سلسلہ نمبر۱۹)
۱۸	مضر	رباب	اُب۔ حیدہ بن معد (سلسلہ نمبر۲۰) اُم۔
۱۹	نزار	سودہ	اُب۔ عک بن الدیث بن عدنان (سلسلہ نمبر۲۱) اُم۔
۲۰	معد	معانہ	اُب۔ جوشم بنت جلہمہ بن عمر بن برہ بن جرہم۔ اُم۔ سلمیٰ بنت الحارث بن مالک بن غنم (من جرہم)
۲۱	عدنان	مہدد	اُب۔ لہم بن حلجب بن جدلیس بن جاثر بن ارم۔ اُم۔

ش:۔ سلمیٰ کی ماں کا نام عاتکہ بنت اسد۔ اور نانی کا نام زینب بنت ربیعہ ہے۔

Marfat.com

حصہ دوم

نسب نامہ تا حضرت اسماعیل علیہ السّلام

نمبر شمار	بروایت طبریؒ	بروایت ابن سعد	توضیحات جو امام طبری نے اپنے راوی سے یہ الفاظ لکھ کر روایت کی ہیں
			وأخبرنی بعض النساب انه وجد طائفة من العلماء العرب قد حفظت لمعد اربعین أبًا بالعربیة إلی اسماعیل واحتجت لقولهم ذلك باشعار العرب وانه قابل بما قالوا من ذلك اهل الكتاب فوجد العدد متفقًا واللفظ مختلفًا واملی ذلك علی فكتبه عنه (جلد ثانی ص ۱۹۳)
۲۲	ادو	اُدو	
۲۳	ہمیسع	ہَمَیْسَعْ	
۲۴	سلامان	سلامان	ہمیدع اور شاحب بھی اسی کو کہتے ہیں۔
۲۵	عوص	عوص	منجر اور نبیت بھی اسی کو کہتے ہیں۔
۲۶	بوز	بوز	اس کو ثعلبہ بھی کہتے ہیں اور قبیلہ ثعلبہ اسی کی جانب منسوب ہے
۲۷	قموال	قموال	اس کو یوزا اور عشر الغناء بھی کہتے ہیں۔ رسم عشرہ عرب میں اسی نے نکالی۔
۲۸	ابیّ	اُبیّ	اس کو سعد رجب بھی کہتے ہیں۔ رسم رجبیہ اسی نے نکالی۔

۹۰ :۔ حدثنی الحارث قال حدثنا محمّد بن سعد قال حدثنا هشام بن محمد قال وكان رجل من اهل تدمّر یكنی ابا یعقوب من مسلمة بنی اسرائیل قد قرأ من كتبهم وعلّم علمًا فذكر بروخا بن تاریا كاتب ارمیاه اثبت نسب معد بن عدنان عنده ووصفه فی كتبه وانه معروف عند احبار اهل الكتب مثبت فی اسفارهم وهو متقارب لهذه الاسماء ماروی عن الكلبی محمد بن السائب اذكره من بعد ولعل خلافًا بینهم من قبل الالسنة لأن هذه الاسماء مترجمه العبرانیة (طبری ج ۲ ص ۱۹۳ مطبوعہ حسینیہ المصر

نمبر شمار	بروایت طبری	بروایت ابن سعد	توضیحات جو امام طبری نے اپنے راوی سے یہ الفاظ لکھ کر روایت کی ہیں۔
۲۹	عوام	عوام	قموال اور برتع الناحب بھی اسی کو کہتے ہیں. کان فی زمن سلیمان علیہ السلام
۳۰	ناشد	ناشد	محلم ذوالعین اسی کا لقب ہے۔
۳۱	حزا	حزا	ہوالعوام۔
۳۲	بلداس	بلداس	اسے محتمل بھی کہتے ہیں۔
۳۳	یدلاف	تدلاف	رائمہ اسی کا لقب ہے۔
۳۴	طابخ	طابخ	اسی کو طاہب بھی کہتے ہیں۔ عیقان اسی کا لقب ہے۔
۳۵	جاحم	جاحم	اس کا لقب علتہ ہے۔
۳۶	ناحش	ناحش	اس کا لقب علتہ ہے۔
۳۷	ماخی	ماخی	اس کو اہل عرب الظریب خاطم النار کہا کرتے تھے۔
۳۸	عیفی	عیفی	اس کو عافی اور عبقر الوالجن کہتے ہیں۔ جنت عبقر اسی کی جانب منسوب ہے۔
۳۹	عبقر	عبقر	اس کو ابراہیم جامع الشمل کہتے ہیں۔ یہ لقب اس لیئے ہوا کہ اس کے عہد میں امن کامل تھا۔ راستے بے خطر جاری تھے۔
۴۰	عبید	عبید	اس کو اسماعیل ذوالمطابخ کہتے ہیں۔ ذوالمطابخ اسلیئے کہتے ہیں کہ مسافروں کے لیئے سارے ملک میں ضیافت خانے مقرر کیئے گئے۔
۴۱	الدعا	الدعا	اس کو تیرن الطعان کہتے ہیں۔ پہلا شخص ہے جس نے نیزہ کا جنگ میں استعمال کیا۔
۴۲	حمدان	حمدان	اسی کو اسماعیل ذوالاعوج کہتے ہیں۔ اعوج اس کے گھوڑے کا نام تھا۔ اب اعوج نسل اسپاں اسی کی جانب منسوب ہے۔
۴۳	سنبر	سنبر	اسے بشمین اور مطعم فی المحل بھی کہتے ہیں۔ اس کے محل میں ہر شخص کے لیئے کھانا تیار رہتا تھا۔

Marfat.com

نمبر شمار	بروایت طبری	بروایت ابن سعد	توضیحات جو امام طبری نے اپنے راوی سے روایت کی ہیں۔
۴۴	یثربی	یثربی	یثرم اور طمع بھی اسی کا لقب ہے۔
۴۵	یحزن	نحزن	نحزن نام اور تسور لقب ہے۔
۴۶	یلحن	یلجن	یلحن نام اور عنود لقب ہے۔
۴۷	ارعوے	ارعوے	رعوبلے نام اور و عدع لقب ہے۔
۴۸	عیضی	عیضی	عاقر لقب ہے۔
۴۹	دلیشان	دلیشان	لقب ان کا النزاعیہ ہے۔
۵۰	عیصر	عیصر	اسی کو عامر اور نید دوان ذوالاندیہ، اسی کے عہد میں نیبت اور جادان فرزندان قادر و میں جنگ ہوئی۔
۵۱	اقناد	اقناد	قناد نام۔ ایا ہمر لقب ہے۔
۵۲	ایہام	ابہام	یہامی نام دوس القق اور اجمل الخلق لقب ہے۔
۵۳	مقصر	مقصی	مقاصری نام حصن اور نزال لقب۔
۵۴	ناحث	ناحث	
۵۵	زارح	زارح	تمیر لقب۔
۵۶	سمی	شمی	سما نام اور المحشر لقب ہے۔
۵۷	مزّی	مزّی	ہرمز بھی اسی کو کہتے ہیں۔
۵۸	عوض	عوص	اس کا لقب ثمر اور صفی بھی ہے۔
۵۹	عرام	عرام	
۶۰	قیدار	قیدار[۱]	

[۱]: قیدار کی بیوی کا نام عاضرہ تھا جو قبیلہ جرہم سے تھیں۔

Marfat.com

حصۂ سوم

نمبر شمار	نام	عمر
۶۱	اسماعیل علیہ السلام	۱۳۷ سال کی عمر پائی۔
۶۲	ابراہیم علیہ السلام	۱۷۵ سال
۶۳	تارہ (آذر)	۲۰۵ سال
۶۴	ناحور	۱۵۹ سال
۶۵	سروج	۲۳۲ سال
۶۶	رعو	۲۳۹ سال
۶۷	فالج	۲۳۹ سال
۶۸	عابر	۴۶۰ سال
۶۹	ارفکشاد	۴۳۸ سال
۷۰	سام	۶۰۲ سال
۷۱	نوح علیہ السلام	۹۵۰ سال
۷۲	لامک	۷۷۷ سال
۷۳	متوشالح	۹۶۹ سال
۷۴	اخنوخ ادریس علیہ السلام	۳۶۵ سال
۷۵	یارد	۹۶۲ سال
۷۶	مہل ایل	۸۹۵ سال
۷۷	قینان	۹۱۰ سال

Marfat.com

نمبر شمار	نام	عمر
۷۸	آنوشس	۹۰۵ سال
۷۹	شیث علیہ السلام	۹۱۲ سال
۸۰	آدم علیہ السلام	۹۳۰ سال

تعداد ایام قیام نبوی بعالم دنیوی

گھنٹے ——— دن

۶ ½ ——— ۲۲۳۳۰

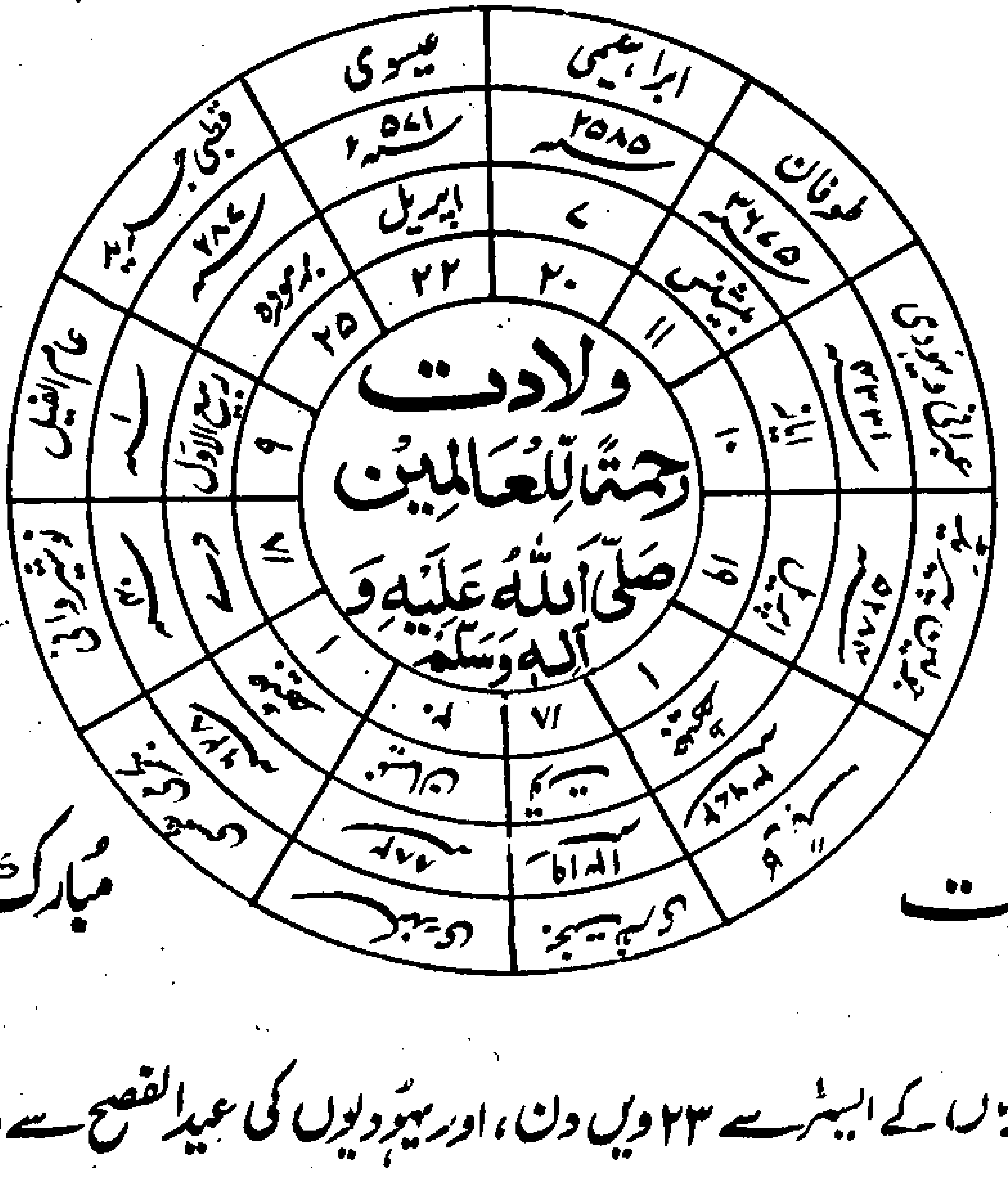

ولادت — مبارک

عیسائیوں کے ایسٹر سے ۲۳ ویں دن، اور یہودیوں کی عید الفصح سے ۲۵ ویں

دِن ہوئی تھی۔ اس میں یومِ وفات بھی شامل ہے۔

تعدادِ ایّام
تبلیغِ رسالت و نبوّت
۸۱۵۶ دن

سنہ ۵۷۱ء میں ایسٹر کا اتوار ۱۶ ربیع صفر مطابق ۲۹/۳۱ مارچ سنہ ۵۷۱ء کو تھا۔
سنہ ۴۳۳۱ مطابق سنہ ۵۷۱ء میں یہود کی عید الفصح پنجشنبہ ۱۳ صفر مطابق ۲۶/۱۸ مارچ کو تھی۔

(ماخوذ از "رحمۃ للعالمین" قاضی سلیمان منصور پوری)

لہ : گھنٹے ۲۳۳۱ ویں دن کے ہیں۔

Marfat.com

ظہورِ قُدسی

یا

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت باسعادت

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد ارض وسماء کے رُوحانی تعلق اور رشتۂ وحی کو منقطع ہوئے کم وبیش چھ سو سال گزر چکے تھے۔ پوری دُنیا بالعموم اور ملک وقومِ عرب بالخصوص کچھ اس طرح کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی وسیاسی انحطاط سے دوچار تھی کہ پورا عالمِ انسانیت ہی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھر چکا تھا۔ انسان کا ضمیر مرجھا چکا تھا۔ تاریکیوں نے ہر پہلو سے بنی آدم کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور روشنی کی کوئی کرن دُور دُور تک نظر نہیں آتی تھی۔

(خالقِ کائنات۔ مالکِ ارض وسماء کو اپنی اس مخلوقِ انسانی کے حال پر ترس آگیا۔ رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور اس نے بھٹکی ہوئی انسانیت کی رہنمائی کے لیے اولادِ ابراہیم خلیل اور نسلِ اسماعیل ذبیح علیہما السّلام سے نبی آخر الزّمان رحمۃٌ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پیدا فرمایا۔)

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت کے اُس یومِ سعید کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔

("چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں۔ چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ لیکن آج (یعنی ۹، ربیع الاوّل) کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے

چشم براہ تھے۔ چرخِ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنانِ قضاء و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیم، جمالِ یوسف، معجز طرازئ موسیٰ، جان نوازئ مسیح (علیہم السلام) سب اسی لیئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں قدر، شاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں کام آئیں گے۔")

آج کی صبح وہی صبحِ جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے۔ اربابِ سِیَر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ:۔

"آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش کدۂ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔"[۹۲]

لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم اور اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا۔ چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی۔ آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔ (یعنی) یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شاہِ کونین، عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت و

۹۲۔ ______ یہ ارہاصاتِ نبوت امام بیہقی اور طبقات (۱/۶۳) میں ابنِ سعد وغیرہ نے ذکر کیے ہیں۔ مگر علامہ محمد الغزالی نے ان تعبیرات کو غلط قرار دیا ہے۔

(فقہ السیرہ بتخریج الالبانی ص ۶۱ طبع مصر)

جلال ہوئے تھے[۹۳]

اور یہ تحقیق ہم آگے پیش کر رہے ہیں کہ ہیئت دانوں، موّرخوں اور سیرت نگاروں نے صحیح ترین تاریخِ ولادت ۹ ربیع الاوّل سنہ ۱ عام الفیل[۹۴] ۲۰ اپریل بروز پیر کو ہی قرار دیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد سیّدہ آمنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کو پیغامِ مسرت بھیجا۔ وہ خوشی خوشی گھر آئے۔ اپنے عنفوانِ شباب میں داغِ مفارقت دے جانے والے بیٹے کی نشانی کو گود میں لیا اور خانہ کعبہ میں لے گئے۔ وہاں دُعا مانگی اور واپس لائے۔ اور دادا ہی نے اپنے اس دُرِّ یتیم کا نام محمدؐ رکھا۔

اور ابن ہشام (۱/۶۰-۱۵۹) میں لکھا ہے کہ،

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ساتویں دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسبِ دستور ختنہ کیا۔ اور ساتویں دن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی رکھا تھا[۹۵])

اور یہ بات جو عام مشہور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے، اس کے بارے میں علامہ ابن قیّم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

وُہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں۔ اور یہ کوئی خاصہ رسول بھی نہیں کیونکہ کتنے ہی اور لوگ بھی مختون پیدا ہو چکے ہیں[۹۶]

۹۳: سیرت النبی ۱/۷۱-۱۷۰۔

۹۴: ترمذی شریف میں قیسؓ بن مخرمہ کے الفاظ ہیں "ولدت انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل" اسی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباثؓ بن اشیم سے پوچھا باقی

ایسے ہی اور بھی بہت سے امور مثلاً حمل آمنہ، شب ولادت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ارہاصات و خوارق کتب تاریخ و سیرت میں بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ غلو کا نتیجہ ہیں تو کچھ رواۃ کے تساہل قبول کا۔ کچھ روایات ضعیف ہیں اور کئی موضوع ہیں۔ اسی لیے ہم نے ان میں سے کچھ نقل نہیں کیا۔ کیونکہ جب صحاح و حسان میں کفایت ہے تو ضعاف و موضوعات کی کیا حاجت؟

(باقی حاشیہ) انت اکبر ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "تم بڑے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ تو انہوں نے کمال ادب سے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر منی وانا اقدم منہ فی المیلاد "مجھ سے بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں البتہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا ہوا تھا۔

(ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۱۰/۸۱-۹۰: حدیث ۳۶۹۸ طبع مدینہ)

۹۵: تفصیل کے لیے دیکھئے زادالمعاد ۱/۸۰-۸۲ بہ تحقیق الارناؤوط طبع قطر۔

۹۶: فقہ السیرۃ غزالی ص ۶۱۔

عید میلاد کے نام سے کی جانے والی یہ خوشیاں

ولادت پر ہیں یا وفات پر؟

عید میلاد النبی منانے یا نہ منانے کے مسئلے سے پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کب ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دن وفات پائی؟ تاکہ کہیں غلطی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خوشیاں منانے کا نادانستہ جرم نہ کرتے رہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات تو تمام مورخین اور سیرت نگاروں میں متفق علیہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا دن پیر ہے۔ اور اصحابِ تاریخ وسیر ہی بس نہیں، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذٰلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ وَأُنْزِلَ عَلَيَّ فِيهِ (مسلم ابوقتادہ)

"یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا۔ اور اسی دن میں مبعوث ہوا یا مجھ پر وحی نازل کی گئی۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ولد النبي صلى الله عليه وسلم يوم الاثنين واستنبئ يوم الاثنين وتوفي يوم الاثنين وخرج مهاجرا من مكة الى المدينة يوم الاثنين ورفع الحجر يوم الاثنين۔ [۹۷]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن نبوت کا اعلان کیا۔ اور پیر کے دن ہی وفات پائی اور پیر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ (طیبہ) کی طرف ہجرت کے لیے روانہ ہوئے اور پیر کے دن مدینہ منورہ پہنچے۔ اور پیر کے دن حجرِ اسود کو اٹھایا۔"

رہا معاملہ تاریخ ولادت کا تو اس کے بارے میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کوئی روایت نہیں ملتی۔ البتہ سیرت ابن اسحاق کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ جس سال کہ ہاتھی والے ابرہہ اور اس کے لشکر نے بیت اللہ شریف پر حملہ کیا۔ اور غضبِ الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔ [۹۸]

اور امام سہیلیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

"ہاتھی ماہِ محرم میں مکہ آیا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے تھے۔" جبکہ ان امام سہیلیؒ اور محمد بن اسحاقؒ کے بقول جمہور اہلِ علم کا مسلک یہی ہے۔ [۹۹]

۹۷۔ قال الہیثمی فی مجمع الزوائد رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر وزاد فیہ: فتح بدرًا یوم الاثنین و نزلت سورۃ المائدہ یوم الاثنین (الیوم اکملت لکم دینکم) وفیہ ابن لہیعہ وھو ضعیف (ای انہ مدلس) وبقیۃ رجالہ ثقات من اھل الصحیح) انظر الفتح الربانی ۲۰/۸۱۔

۹۸۔ وہ روایت یوں ہے: عن قیس بن مخرمہ. قال ولدت أنا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل نحن لدان وُلدنا مولدًا واحدًا۔

(ابن اسحاق بہ سند جید کذا قالہ البناء فی الفتح الربانی ۲۰/۱۹۰)

قیس بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی سال عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

۹۹۔ الفتح الربانی للبناء ۲۰/۱۹۰

Marfat.com

مفسر شہیر اور مورخ کبیر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھا جمہور اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے۔ لیکن یہ کہ آپ اس ماہ کے اول، آخر، وسط یا کس تاریخ کو پیدا ہوئے اس کے بارے میں مورخین اور سیرت نگاروں کے بکثرت اقوال نقل کیے ہیں کسی نے دو ربیع الاول کہا ہے۔ کسی نے آٹھ، کسی نے دس، کسی نے بارہ کسی نے سترہ اور کسی نے اٹھارہ اور بعض نے بائیس ربیع الاول کہا ہے۔ اور ان سب میں سے راجح قول دو ہیں۔

ایک بارہ ربیع الاول کا، اور دوسرا آٹھ ربیع الاول کا۔

اور صاحب بدایہ نے آٹھ کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ جو امام حمیدی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے۔ اور کئی دیگر ائمہ نے اسی کی تائید کی ہے [100]

امام طبری اور امام ابن خلدون نے بارہ ربیع الاول کو اختیار کیا ہے۔[101]

اور امام ابن الجوزی نے الوفا باحوال المصطفیٰ (۱/۱۵۴ طبع الریاض) میں دس ربیع الاول کو اولیت دی ہے۔

جبکہ ماضی قریب کے دو عظیم سیرت نگاروں میں سے علامہ قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں اور علامہ شبلی نے سیرت النبی میں ۹ ربیع الاول بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو از روئے تحقیق جدید صحیح ترین تاریخ ولادت قرار دیا ہے [102]

اسی تاریخ کو محمد طلعت عرب نے تاریخ دول العرب میں صحیح قرار دیا ہے [103]

۱۰۰۔ البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۶۰، ۲۵۹۔ ۱۰۱۔ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۱/۴۰ حاشیہ۔

۱۰۲۔ شبلی ۱/۱۷۱، قاضی ۱/۴۰۔

۱۰۳۔ بحوالہ قاضی ۱/۴۰ حاشیہ و ۲/۲۶۷ الف۔ وانظر محمد "القدوۃ الکاملۃ" ص ۷ طبع وزارۃ العدل والشؤن الاسلامیہ۔

اور مصر کے معروف ماہرِ فلکیات اور معروف ہیئت دان محمود پاشا فلکی اپنی کتاب تقویم العربی قبل الاسلام و تاریخ میلاد الرسول و ہجرتہ میں دلائلِ ریاضی کی رو سے متعدد نقشے بنا کر ثابت کیا ہے کہ،

عام الفیل ماہِ ربیع الاوّل میں یوم الاثنین کی صحت کے پیشِ نظر اور فرزندِ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے یومِ وفات پر سورج گرہن لگنے کے حساب کو مدِ نظر رکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی صحیح تاریخ ۹ ربیع الاوّل ہی آتی ہے۔ جبکہ شمسی عیسوی تقویم کے حساب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروز پیر کی صبح بنتا ہے۔[۱۴]

محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے

۱۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیرالسن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا۔ اور یہ ۱۰ھ تھا (اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا)

۲۔ ریاضی کے قاعدے کے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱۰ھ کا) گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

۳۔ اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری تریسٹھ برس پیچھے ہٹیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے جس میں ازروئے قواعد ہیئت ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

۴۔ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاوّل کا مہینہ اور دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔ اور تاریخ آٹھ سے لے کر بارہ تک میں منحصر ہے۔

---

[۱۴]۔ حدائق الانوار ۲۹/۱ طبع قطر عن التقویم العربی ص ۳۶ تا ۳۹۔

Marfat.com

۵۔ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دو شنبہ کا دن صرف نویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ ان وجوہ کی بناء پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔ اور ربیع الاول کی نو ۹ تاریخ۔ اور بارہ ربیع الاول کی جو مشہور روایت ہے وہ حساب سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ (بحوالہ سیرت النبی ۱/۷۲-۱۷۱ طبع قرآن محل کراچی)

اس سب تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول کو نہیں بلکہ صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول ہے۔ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ضرور بارہ ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ جیسا کہ معروف کتب تاریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے جس کی مفصل تحقیق تو ہم اس کے موقع پر پیش کریں گے۔ یہاں صرف ہمیں اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ ہمارے بھائی جس تاریخ کو خوشیاں مناتے ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش نہیں، بلکہ یوم وفات ہے۔ اور چند سال پہلے بلکہ آج تک بارہ وفات کے نام سے مشہور ہے۔ تو وفاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشیاں؟

این چہ بوالعجبی است

اللہ تعالیٰ اس پہلو پر توجہ دینے اور سوچنے کی توفیق بخشے۔

محمد داؤد

مروّجہ میلادالنبیؐ کی شرعی حیثیت
کتاب وسُنّت کی روشنی میں

پورے عالم کے مسلمانوں اور بالخصوص اسلامیانِ برِصغیر کا ایک طبقہ اس بات کا عادی ہوچکا ہے کہ بارہ ربیع الاوّل کو عید میلادالنبی کے نام سے جشن منائے اور جلوس نکالے۔ اُکل وشرب کی دعوتیں کرے۔ اور قوالیاں سنے۔

جبکہ دوسرا طبقہ اس جشن کو شرعاً ناجائز قرار دیتا ہے۔

اس مختلف فیہ مسئلہ اور ایسے ہی دیگر اختلافی مسائل کے سلسلہ میں قرآن پاک نے ہمیں ایک بہترین اصول دیا ہے کہ تنازعات کو اوّل تو سرے سے ہوا ہی نہ دی جائے تاکہ اُمت کی اجتماعی قوت میں کمزوری نہ پیدا ہو۔

جیساکہ سورۃ الانفال آیت ۴۶ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی۔ اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور اگر کبھی کسی معاملہ میں اختلاف ہو ہی جائے تو اس کیس کو اللہ اور اس کے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں لے جاؤ۔ اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو اُسے قبول کرلو۔

جیساکہ سورۃ نساء آیت ۵۹ میں فرمانِ الٰہی ہے۔

Marfat.com

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝

پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور اس کے رسُول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اور جب اللہ اور اس کے رسُول فیصلہ کر دیں تو اسے بلا چوں و چرا قبول کر لینا ہی ایمان کی سلامتی کا ضامن ہے۔

جیسا کہ سورۃ نساء آیت ۶۵ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

(اے پیغمبر) تیرے پروردگار کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ سے نہ کروائیں۔ اور پھر تیرے فیصلے سے ان کے دلوں میں کچھ اُداسی نہ ہو بلکہ (خوشی خوشی) مان کر منظور کر لیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے فیصلے کے خلاف دل میں ذرّہ بھر بھی تنگی اور ناپسندیدگی کی جائے تو یہ ایمان کے منافی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ ۔[۱۵]

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میرے لائے ہوئے طریقے (دین) کے تابع نہ ہو۔

---

[۱۵] ۔ ابن کثیر آیت وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ (الاحزاب الآیۃ: ۳۶)

اور سورۂ احزاب آیت ۳۶ میں فرمایا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں پھر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی اور راہ اپنائے بلکہ اسے فیصلے کو قبول کرنا ہی ہوگا۔

ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

اور کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیئے یہ نہیں ہو سکتا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی بات کا حکم کر دیں تو پھر ان کو اس بات میں کوئی اختیار ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان نہ مانے (اور دوسروں کی رائے پر چلے) تو وہ کھلا گمراہ ہو چکا۔[۱۶۱]

اللہ تعالیٰ کے اس عطا فرمودہ اصول (اپنے تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو) کے پیشِ نظر جب اس جشنِ میلاد جیسے اختلافی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیئے کتابِ الٰہی کو کھولیں۔ اس کے تیس پاروں یا ایک سو چودہ سورتوں کو اوّل تا آخر پڑھ جائیں۔ آپ کو کوئی ایک بھی ایسی آیت نہیں ملے گی جس سے مروجہ جشن منانا ثابت ہو۔ لہٰذا عدالتِ الٰہی کا

---

[۱۶۱]۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی آیت یا حدیث کے مقابلے میں کسی مجتہد کی رائے پر عمل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جونہی کوئی آیت یا حدیث ملے، اسے سر آنکھوں پر رکھیں اور مجتہد کی رائے صد احترام کے باوجود ترک کر دیں۔ کیونکہ اسی میں ایمان کی سلامتی اور گمراہی سے بچاؤ ہے۔

فیصلہ میلاد منانے والوں کے حق میں نہ ہوا۔ اور جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ اسے سرانجام دے کر اجر و ثواب کی توقع رکھنا کارِ عبث ہے۔

اور جب ہم ارشادِ الٰہی کے مطابق دوسرے ثالث یا عدالتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ عطرہ کا مطالعہ یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود اپنی ولادت کے دن جشن منایا، اور نہ ہی اس بات کا کسی کو حکم فرمایا ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید غربت و افلاس کی وجہ سے ایسا نہ کیا ہو۔ بلکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو محدود معنوں میں قدرے تنگدستی کی زندگی بھی سمجھ لیا جائے تو ہجرتِ مدینہ کے بعد دس سال کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم دولتِ اسلامیہ کے بانی و حاکم ہو گئے۔ عرب و عجم اور ممالکِ مشرق و مغرب کے تمام خزانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے۔ مگر اس فارغ البالی کے باوجود بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تادمِ آخر کسی سال بھی اس قسم کی عید اور جشن نہیں منایا تھا۔ اور جب خود صاحبِ میلاد نے ایسا نہیں کیا۔ اور نہ ہی کسی کو اس کا حکم دیا تو ایسے کام کو سرانجام دینا کس طرح نیکی و ثواب ہو سکتا ہے۔

اگر اس کام میں نیکی و ثواب ہوتا یا کوئی بھی دینی و دنیوی فائدہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ضرور اس کا حکم دے دیتے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں ارشاد فرمایا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○

Marfat.com

"دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسُول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ ایمان لانے والوں کے لیئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔"

ایسے شفیق و رحیم نبیؐ اپنے صحابہؓ کو کسی نیکی سے کیسے محرُوم رکھ سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مُبارک سے قولاً اور فعلاً دو ہی عیدوں کا پتہ چلتا ہے جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ اور تیسرے نام کی عید کا تصور تک نہیں ملتا۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات میں یوم جُمعہ کو عید بلکہ دونوں معرُوف عیدوں سے بھی افضل قرار دیا ہے۔

بہر حال موقع ہونے اور کوئی امر مانع بھی نہ ہونے کے باوجُود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ خود جشن منانا، نہ اس کا حکم دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کوئی کارِ خیر نہیں۔

صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کی نظر میں

کتاب اللہ اور سنتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مروجہ جشنِ میلاد النبی کی شرعی حیثیت کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ قولاً اور نہ ہی عملاً۔ سنن اربعہ میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ قال :-

وَعظَنَا رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَوعظۃً بلیغۃً وجلَتْ منھا القلوب و ذرفت منھا العیونُ فقُلنا یارسولَ اللہ، کَانّھا موعظۃُ مودّعٍ فَاَوصِنا، قال، اُوصِیکُمْ بتَقوٰی

Marfat.com

اللہ عزوجل والسمع والطاعۃ وان تأمر علیکم عبد حبشی
فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیرا
فعلیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین
عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور، فان کل
محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار

انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا پُر اثر وعظ فرمایا
جس سے ہمارے دِل خوف زدہ ہو گئے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں ہم نے
عرض کیا یا رسُول اللہ! یہ تو گویا الوداعی وعظ معلوم ہو رہا ہے۔ ہمیں وصیت
فرمائیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تمہیں تقویٰ (اللہ کے خوف) اور
سمع وطاعت کی تاکید کرتا ہوں۔ اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام امیر بنا دیا جائے
پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت بڑے اختلافات
دیکھے گا (یعنی اختلافات سے دو چار ہو گا) پس تم پر میری اور میرے ہدایت
یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اور اس سنّت کو مضبوطی
کے ساتھ پکڑے رکھو۔ اور دین میں نئی نئی باتیں داخل کرنے سے بچو۔ اور ہر
نئی بات (دین میں داخل کرنا) بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور
ہر گمراہی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔

؎ قرطبی ۷/۳۸-۱۳۹ عن الترمذی وابن ماجہ، قال ابوبکر جابر الجزائری فی رسالتہ
(الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف) ص ۳۲۔ رواہ
اصحاب سنن وھو صحیح الاسناد وانظر ایضاً الترغیب والترھیب
للمنذری بتحقیق محمد محی الدین ۱/۵۸ حیث قال: رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ

Marfat.com

اور مسلم شریف میں ہے:

انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم کان یقول فی خطبتہ، امّا بعد. فانّ خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدیِ ھدیُ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم. امّا بعد، وشرّ الأمور محدثاتُھا و کلّ بدعةٍ ضلالةٍ:

بے شک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اور بہترین طریقہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا طریقہ ہے۔ اور بدترین کام وہ ہیں جو (دین میں) ایجاد کیئے گئے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(مسلم. عن جابر ابن عبداللہ)

وفی روایة النّسائی:

وکلُ مُحدَثةٍ بدعة وکل بدعةٍ فی النّار۔

اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت آگ میں (لے جانیوالی) ہے۔

نسائی کے علاوہ سنن اربعة، مسند احمد، ابی یعلی اور طبری کی متقارب الفاظ والی ایک حدیث میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اِفتَرقَتِ الیھودُ علےٰ إحدٰی وسبعین فرقةً وافترقت النّصارٰی علےٰ اثنین و سبعین فرقةً واستفترق ھذہ الامّة علےٰ ثلاث وسبعین فرقة کلّھا فی النّار إلاّ واحدة قالوا: من ھی یا رسول اللہ! قال: من کان علے مثل ما انا علیہ (وفی روایة الیوم) واصحابی [۱۰۸]

[۱۰۸] مشکاة بتحقیق الالبانی ۱/۶۱ للتفصیل المرعاة ۱/۲۶۹ - ۲۷۹ طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل۔

یہود اکہتّر فرقوں میں اور نصاریٰ بہتّر فرقوں میں بٹ گئے۔ اور یہ میری امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ اور ان میں سے ایک کے سوا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نجات وہ لوگ پائیں گے جن کا عمل مجھ جیسا اور میرے صحابہ جیسا ہوگا۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب وسنت کے بعد خلفاء راشدین اور عام صحابہ کے طریقے کو بھی معتبر اور ذریعۂ نجات قرار دیا ہے اور جب ہم خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بکثرت واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اک اشارۂ ابرو پر اپنا مال وجان قربان کرنے کے لیے بیتاب رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وجان سے چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات پر عمل پیرا ہونا اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مر مٹتے تھے۔

لیکن جب ہم اس مروّجہ عید میلاد کو تلاش کرتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں اس کا کہیں سراغ تک نہیں ملتا۔ نہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، نہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں، نہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اور نہ ہی ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے قول وعمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اور جو عمل موقع وگنجائش اور عدمِ موانع کے باوجود محبانِ رسول اور فدایانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے اوجھل رہا ہو۔ وہ یقیناً شریعتِ اسلامیہ کا جزء نہیں ہو سکتا۔ یا پھر ہمیں

Marfat.com

اس بدگمانی کا کھل کر اظہار کر دینا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ تھی یا کم از کم اتنی نہ تھی جتنی آج کے جشن منانے والوں کو ہے۔

بخاری و مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ہے:۔

خیر اُمتی قرنی۔ ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم (الخ)

"تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد والے ہیں۔ اور پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد والے ہیں۔"

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے اپنے اور اپنے صحابہ، پھر تابعین اور اس کے بعد تبع تابعین کے تین زمانوں کو قرونِ خیر قرار دیا ہے۔ اور اس عید میلاد النبی کے بارے میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی سے کچھ منقول نہیں کہ ان تینوں صدیوں میں ہی کسی نے یہ عید ثالث منائی ہو۔

اور بالآخر چار معروف فقہی مذاہب کے ائمہ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی اجتہادی مساعی اور کتبِ فقہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو کسی امام صاحب کے یہاں اس عید کا ذکر نہیں ملے گا۔ اور نہ دیگر فقہاء و محدثین میں سے کسی نے اس کا حکم دیا ہے۔

تو پھر صاحبو! جو چیزیں تینوں قرون مشہود لہا بالخیر بلکہ اسلام کے پہلے چھ سو پچیس (۶۲۵) برس تک موجود نہ تھی، اُسے جائز و ثواب قرار دینا شریعت سازی اور سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔

اور جشنِ میلاد کی حیثیت اس وقت اور بھی خطرناک ہو جاتی ہے جب

اس میں راگ رنگ اور گانے بجانے کا عنصر شامل ہو جائے، چاہے اسے قوالی کہیں یا کوئی بھی نام دے لیں۔ اور جب جلوسوں میں مرد و زن کا اختلاط ہو تو وہاں کیا کیا قباحتیں جنم نہ لیں گی۔ اور پھر ذکر و دعا کے خانہ ساز انداز جن میں کسی کو بدعت کہا جا سکتا ہے تو کئی شرک پر منتج ہوتے ہیں۔ جیسے دعاء و ندائے غیر اللہ وغیرہ۔

اسی طرح ان جلسے جلوسوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ الوہیت بلکہ اس سے بھی اوپر بڑھا دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ ایک جاہلانہ شعر ہے ؎

اللہ کا پکڑا چھڑائے محمدؐ
محمدؐ کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

یہ اسی غلو کی ایک مثال ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ مجسم اور عالمِ غیب ثابت کرنا وغیرہ بھی ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

---

۱۰۹ ۔ متفق علیہ مشکاۃ ۳/۱۶۹۵ بتحقیق الالبانی ۔

قائلینِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کے دلائل اور اُن کا جائزہ

ہم عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت کے بارے میں ذکر کر آئے ہیں کہ اس کا عہد رسالت و خلافت اور دَورِ صحابہ و تابعین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ ساتویں صدی ہجری (۶۲۵ھ) میں سلطان صلاح الدین ایّوبی کے بہنوئی، اور موصل کے قریب شہر اربل کے گورنر ملک مظفر ابو سعید کوکبری نے اسے رواج دیا۔ وہ محفل میلاد میں بھانڈ، مراثی، راگ و رنگ اور ناچنے والوں کو جمع کرتا، اور راگ سنتا اور گانا باجا سن کر خود بھی ناچا کرتا تھا۔[۱۱۱]

اور مولف الابداع فی مضار الابتداع نے لکھا ہے؛

کہ عیسائیوں کے کرسمس کی دیکھا دیکھی ہی مصری فاطمیوں نے جشن میلاد کو رواج دیا تھا۔[۱۱۲]

اور قرونِ اولیٰ میں اس کا ثبوت نہ ہونے اور ساتویں صدی میں آکر شروع ہونے کی وجہ سے ہی اہلِ علم نے اسے "بدعت" قرار دیا ہے۔[۱۱۲]

اس میلاد کے جواز کا فتویٰ سب سے پہلے ملکِ مظفر کے عہد کے ایک مولوی شیخ ابو الخطاب ابن دحیہ نے ایک رسالے "التنویر فی مولد البشیر النذیر" میں دیا۔ جس کی تالیف پر اسے ملک مظفر نے ایک ہزار دینار انعام دیا تھا۔[۱۱۳]

---

[۱۱۱] البدایہ والنہایہ ۷/۱۳/۳۷-۱۳۶ طبع المعارف بیروت۔ الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف لابی بکر جابر الجزائری ص ۳۴، ۳۱ طبع جمعیۃ احیاء التراث۔ کویت۔

[۱۱۲] بحوالہ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق للشیخ عبداللہ آل محمود ص ۵۰ طبع قطر۔ (۱۱۳ آگے)

Marfat.com

اوراس مولوی "ابن دحیہ" کو کبار علماء حدیث نے کذاب، ناقابلِ اعتبار، غیر صحیح النسب، بے تکی اور اٹکل پچو باتیں کرنے والا قرار دیا ہے جس کی تفصیلات البدایۃ والنہایۃ (۱۳۷/۱۳/۷) اور لسان المیزان (۲۹۶-۲۹۷/۴) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایسے لاف گزاف مولوی کے فتوے کی جو حیثیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور پھر اس کے پیچھے مولویوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ اور متأخرین میلادیوں نے اس کے جواز کے جو دلائل دیئے ہیں ان کے ذکر اور ان پر بحث و تنقید کے لئے تو ایک طویل مقالہ درکار ہے۔ البتہ یہاں محض اشاروں میں مختصراً عرض کر رہے ہیں، مثلاً:

اعتراض ۱:

کہا جاتا ہے کہ اگر میلاد بدعت ہے تو یہ بدعتِ حسنہ ہے۔ اور اس کی کئی مثالیں سابق میں پائی گئی ہیں۔ جیسا کہ نمازِ تراویح کی جماعت ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف تین دن با جماعت ثابت ہے۔ پھر عہدِ فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا مہینہ جماعت کا اجراء کیا اور با جماعت نماز ادا کرتے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا۔

نعمت البدعة هذه۔

کہ یہ اچھی بدعت ہے۔

۱۱۲: دیکھئے مقالہ شیخ ابن باز مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ ج ۵ شمارہ ۴ مجریہ ۱۳۹۳ھ
فتاوی المنار، محمد رشید رضا علامہ مصر ج ۵ ص ۲۱۱۱ فتوی نمبر ۷۶۵

۱۱۳: البدایہ والنہایۃ ۱۳۷/۱۳/۷۔
الانصاف ۳۵/۳۴

Marfat.com

اسی طرح ہی عید میلاد بھی ہے۔

جواب :۔

نمازِ تراویح کو بدعت کہنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ بدعت تب ہوتی جب اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم سے کوئی ثبوت ہی نہ ملتا۔ حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ دیگر کتب حدیث کے علاوہ خاص صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں مذکور ہے کہ تین دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے باجماعت تراویح پڑھائیں لیکن چوتھے دن تراویح کی جماعت کے لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف نہ لائے جس کا سبب یہ بتایا :۔

خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنہا۔

مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے اور تم اس کی پابندی سے ادائیگی سے عاجز آجاؤ۔

پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اس دُنیا سے تشریف لے گئے اور تراویح کی فرضیت کا خدشہ زائل ہو گیا تو فراست فاروق رضی اللہ عنہ نے الگ تراویح پڑھنے کی بجائے اتفاق واتحاد کی برکت کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کے مطابق باجماعت ادائیگی کا اجراء فرمایا۔ اور اپنے ارشاد میں بدعت کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ بھی اپنے متبادر و معرُوف معنوں میں نہیں ہے، بلکہ یہ مُشاکلہ ہے۔ جو کہ عربوں میں معرُوف تھا کہ ایسا لفظ استعمال کرنا جس سے اس کا اصل معنی نہیں بلکہ کوئی دُوسرا معنی مُراد ہوتا ہے۔

خود قرآن کریم میں اس مشاکلہ کی مثال موجُود ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۳۸ میں ارشادِ الٰہی ہے :۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔

Marfat.com

یہاں صبغہ سے مُراد رنگ یا پاؤڈر نہیں بلکہ اسلام مُراد ہے۔
اسی طرح قولِ فاروق میں بدعت سے مُراد صرف یہ ہے کہ گذشتہ ایام میں نہ پائی جانے والی چیز کو وجُود میں لانا۔ جبکہ یہ بھی نہیں کہ یہ بالکلیہ سابق میں موجُود نہ تھی۔ بلکہ اس کا اجراء سنّتِ رسُول ہونے کے پیشِ نظر ہی کیا گیا تھا۔

اعتراض ۲ :
اور کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم پر اعراب نہیں تھے وہ حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے۔ پھر یہ عمل بھی بدعت ہوا۔

جواب :
یہ محض مغالطہ اور غلط فہمی ہے۔ ورنہ اعرابِ قرآن "بدعت" کے ضمن میں ہرگز نہیں آتا۔ بلکہ یہ مصالح مرسلہ کے باب سے ہے کہ دینی امُور میں سے کسی حرج کو رفع کرنے اور کسی ضرُوری امر کی حفاظت کے لیئے کوئی اقدام کرنا۔ بات دراصل یہ تھی کہ عہدِ حجاج میں دولتِ اسلامیہ بہت زیادہ پھیل گئی تھی اور عرب و عجم کا اختلاط اور باہم رشتہ داریاں ہو رہی تھیں جس کے نتیجہ میں لغتِ عربی میں ضعف آنے لگا۔ اور "لحن" عام ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ خود حجاج ایک فصیح و بلیغ عرب ہونے کے باوجُود قرآن کریم کے بعض حرُوف میں لحن کر جاتا تھا۔ اور زیر والے حرف کو زبر سے یا زبر والے حرف کو زیر سے پڑھ جاتا تھا۔ اور یحیٰ بن یعمر نے اس پر نکیر بھی کی تھی[۱۱۴]
لہٰذا حفاظت تلفظ کے لیے اعراب ضرُوری تھا۔ کیونکہ جس چیز کے بغیر کوئی واجب ادا نہ کیا جا سکے۔ وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا اعرابِ قرآن کو قطعاً میلاد کے لیئے بطورِ استدلال استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان مصالح مرسلہ کی کئی دیگر

---

[۱۱۴] :۔ انظر البدایۃ والنہایۃ ۵/۹/۱۲۶

مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً :۔

۔جمع و تدوین قرآن ، جو کہ عہدِ صدیق و عثمانی عمل میں آئی ، وہ بدعت کے قبیل سے ہرگز نہیں ہو سکتی ۔ کیونکہ حفاظتِ قرآن مسلمانوں پر واجب ہے ۔ اور یہ امورِ کمالیات و تحسینات کے باب سے ہیں ۔

جمعہ کی پہلی اذان ، مساجد کے منارے ، محرابیں ، مساجد میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی اسی قبیل مصالح سے ہے ۔[۱۱۵]

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنا ۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ہی نافذ کر دینا ۔ اور صدقات سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ بند کرنا ، خراج دیوان اور جیلوں کو جاری کرنا ۔ اور عامۃ المجاعۃ (بھوک و قحط سالی) میں چوری کی حد (ہاتھ کاٹنے) کو موقوف کرنا وغیرہ سب اپنے اپنے وقت کی اہم ضرورتیں اور دینی اعتبار سے مفید اور دافع ضرر امور تھے ۔ اسی طرح ہی ائمہ مجتہدین کی طرف سے بھی بعض قواعد وضع کیے گئے ہیں جو کہ مصالح مرسلہ ضروریہ میں سے ہیں ۔[۱۱۶]

اعتراض ۳ :۔

اور جشنِ میلاد کے دلدادگان یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ حصولِ نعمت پر ذکر و شکر واجب ہے ۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ایک عظیم نعمت ہے لہٰذا شکرانِ نعمت کے طور پر ہم یہ جشن مناتے اور خوشیاں کرتے ہیں ۔

---

[۱۱۵] :۔ الانصاف دلابی بکر الجزائری ، ص ۲۰-۲۶ تفصیل کے لیے دیکھیں ۔

[۱۱۶] :۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الاعتصام للشاطبی ۱/۱۱۵ و علم اصول الفقہ للشیخ عبدالوہاب خلاف ص ۸۵ ارشاد العقول فی بدعۃ الاحتفال بمولد الرسول للشیخ عبدالحمید عبدالمحسن رکن مرکز دعوت و ارشاد (آگے)

Marfat.com

جواب :

یہ صحیح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ شکرانِ نعمت واجب ہے مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ ذکر و شکرِ نعمت کے لیئے جلوس نکالنا۔ جلسے کرنا۔ جھنڈے ڈالنا۔ سبیلیں لگانا۔ قوالیاں سننا، اور جلوس نکالنا ضروری ہے۔ اور کیا صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین حتیٰ کہ خود صاحب میلاد نے ایسے ہی اس نعمت کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اگر نہیں تو پھر ہمیں اس کا حق کس نے دیا اور اگر اسی طرح شکرِ نعمت واجب ہے تب تو پھر کاروبارِ زلیست ٹھپ کرنے پڑیں گے۔ تاکہ ہر روز جلوس و جشن کا اہتمام کیا جا سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تو شمار ہی مشکل ہے۔

جیسا کہ سورۂ النحل آیت ۱۸، اور سورۂ ابراہیم آیت ۳۴ میں خود باری تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :-

اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکو گے۔

اگر ذکر و شکرِ نعمت کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنایا جائے تو پھر یہ ہر مسلمان ہر روز کرتا ہے، نہ سال بھر میں صرف ایک دن

فَلْيَتَدَبَّر۔

اعتراض ۴ :-

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اور اس کا حکم بھی فرمایا تھا۔ اور چونکہ یہ دن مبارک تھا، اس دن کو یہودی

(بقیہ) دبی ص ۱۵۔ ۱۸، کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق للشیخ عبداللہ آل محمود آف قطر ص ۲۸ ــ ۳۲۔

Marfat.com

بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی۔ اور ہمیں بالاولیٰ چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بابرکت دن کا روزہ رکھیں۔

جواب:۔

اندازہ فرمائیں کہ کتنی ٹیڑھی سوچ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو روزہ رکھا، اور اس کا حکم فرمایا۔ مگر آج کے میلادیئے روزہ رکھنے کی بجائے دسترخوان سجاتے سبیلیں لگاتے، قوالیاں سنتے اور بھنگڑے ڈالتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا مگر اپنے یوم ولادت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی چیز ثابت نہیں تو ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہیئے نہ اپنی طرف سے ابتداع۔ نہ روزہ کی شکل میں اور نہ ہی لہو ولعب کے انداز میں۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ تو قریش پہلے بھی رکھا کرتے تھے اور ممکن ہے کسی سابقہ شریعت سے انہوں نے اس کا حکم لیا ہو۔ جیسے حرمت والے چار مہینوں کا احترام کرنا اور حج کرنا وغیرہ ہیں۔ اور عہد جاہلیت میں لوگوں کے روزہ رکھنے کا ثبوت صحیح بخاری ۴/۲۴۴ مع الفتح اور صحیح مسلم ۷/۵ مع النووی میں موجود ہے۔ اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو روزہ رکھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے اور انہوں نے نجات موسیٰ کا واقعہ بتایا اور کہا کہ ہم اس کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں موسیٰ علیہ السلام پر تم سے زیادہ حقدار ہوں۔

لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا۔ تو اس کے بارے

Marfat.com

ہیں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے کہ :
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہود سے سُن کر) اس روزے کی ابتدا نہیں کی۔ بلکہ صحا
و سنن میں مذکورہ صحیح حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ :
عہدِ جاہلیت میں بھی قریش روزہ رکھا کرتے تھے :
اور امام قرطبی فرماتے ہیں کہ :
ہو سکتا ہے قریش دین ابراہیم کے کسی حکم پر روزہ رکھتے ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ
کا روزہ رکھنا موافقتِ دینِ ابراہیم کے سبب ہو، جیسا کہ حج کا معاملہ ہے۔ اور
جب یہود کو روزہ رکھتے دیکھا تو ان کی تالیفِ قلب کے لیے بھی روزہ رکھا
اس کا حکم فرمایا ہو۔ اور اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ فریقین ایک ہی دن کا روزہ
دو الگ الگ اسباب کی بنا پر رکھتے ہوں۔ [۱۱۷]

اعتراض ۵ :-

بعض قائلینِ میلاد تو اس حد تک جسارت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے یوم ولادت پر ایک مینڈھا بطور عقیقہ ذبح کیا کرتے تھے۔ تو ہم لوگ کیوں نہ
عید میلاد منائیں۔

جواب :-

سب سے پہلے تو عقیقہ کا معنی سمجھ لیں۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ :
عقیقہ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جو بچے کی طرف سے ذبح کیا جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا
ہے کہ وہ کھانا جو بچے کی ولادت کی خوشی میں پکایا اور کھلایا جائے۔ وہ عقیقہ
ہے۔ [۱۱۸] اور ان کا کہنا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک سنت یہ ہے کہ

[۱۱۷] : تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری ۴/۲۴۸۔

[۱۱۸] :۔ المغنی ۹/۴۵۸۔

کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے۔ اور تب نہ ہو سکے تو چودھویں دن ہو یا پھر اکیسویں دن۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔[۱۱۹]

اور جو شخص بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، اس میں اختلاف ہے کہ وہ اپنی طرف سے عقیقہ کرے یا نہیں۔

بہرحال اگر جواز والوں کی بات ہی لے لی جائے تو عمر میں ایک مرتبہ عقیقہ کرنا ہوگا اور پھر ہمیشہ کے لیئے یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ ہر سال عقیقہ کیا جائے۔ اور کسی قطعی طریق سے ہرگز ثابت نہیں کہ نبوت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بھی عقیقہ کیا ہو۔ کہاں ہر سال عقیقہ کا دعوٰی۔

اور جس روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا۔ اس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

یہ مسند بزار کی روایت صحیح ثابت نہیں ہے۔ اور خود امام بزار کا کہنا ہے کہ،

یہ روایت بیان کرنے میں عبداللہ منفرد ہے۔ اور وہ ضعیف ہے۔

آگے فرماتے ہیں،

امام عبدالرزاق صاحب المصنف کا کہنا ہے کہ محدثین نے صرف اس روایت کے بیان کرنے کی وجہ سے عبداللہ بن محرر سے روایت لینا ہی ترک کر دیا۔ تو گویا اس روایت کے بیان کرنے نے عبداللہ بن محرر کی ثقاہت ہی مٹا دی تھی۔ لہٰذا اس سے کسی قسم کا استدلال کیسے درست ہو سکتا ہو۔[۱۲۰]

اعتراض ۶:۔

بعض مناظر لوگ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے

---

۱۱۹ : المغنی ۹/۴۶۱

۱۲۰ : راجع فتح الباری ۱۲/۱۲

Marfat.com

کیونکہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ اور پھر اسی سے عیدِ میلاد کا جواز پیدا کرتے ہیں۔

جواب:۔

یہ صحیح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ انہیں احادیث میں جمعرات کے روزے کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی (وصحیح ابن حبان) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کا کوشش کر کے روزہ رکھا کرتے تھے۔ جبکہ نسائی اور ابوداؤد (وصحیح ابن خزیمہ) میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر بتایا کہ پیر اور جمعرات کو اعمال اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں۔ اور میں یہ بات پسند کرتا ہوں، کہ میرے اعمال اس حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔[۱۲۱]

اور صحیح مسلم و ترمذی میں بھی پیر کے اور جمعرات کے روزہ کی یہی علت بیان ہوئی ہے۔ اور مسلم کی ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ پیر کے روزے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دن میں پیدا ہوا تھا، اور اسی دن میں مبعوث کیا گیا یا مجھ پر وحی نازل کی گئی تھی۔[۱۲۲]

ان تمام احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ پیر و جمعرات کے روزے کا اصل سبب اعمال کا پیش کیا جانا ہے۔ اور اضافی سبب (صرف پیر کے روزہ کے لیے) یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا محض ولادت کی وجہ سے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف پیر کا روزہ رکھتے، جمعرات کا نہ رکھتے۔ پھر یہ

---

[۱۲۱]: فتح الباری ۲۳۶/۴

[۱۲۲]: ریاض الصالحین ص ۴۸۸ - ۴۸۹، مراجعہ الأرناؤوط

Marfat.com

روزہ بھی سال میں ایک مرتبہ رکھتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت کے موافق ہوتا، ہر ہفتہ میں نہ رکھتے۔ کیونکہ کسی واقعہ کی یاد سال میں ایک مرتبہ ہی منائی جاتی ہے نہ کہ ہفتے میں ایک مرتبہ۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ رکھنا اعمال کے پیش کیے جانے کی وجہ سے تھا۔ اور اگر کوئی عشقِ رسول کا دم بھرنے والا ہے تو وہ ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرے جو کہ سنّتِ رسول ہے۔ نہ کہ بدعات کا ارتکاب کرے۔ اور بدعات کے جواز کے لیے احادیث کا مفہوم توڑ موڑ کر بیان کرتا پھرے۔ اور روزے کی بجائے اکل و شرب کی محفلوں کی طرف دعوت دیتا پھرے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ہرگز ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاوّل (۹ یا ۱۲) کا روزہ کبھی رکھا ہو جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص ہر سال اس دن کا روزہ اس نیت سے رکھے تو یہ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش قدمی، شریعت سازی اور نعوذ باللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شریعت آموزی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

اعتراض ۷:۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ترسیٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیے تھے۔ بعض لوگ بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں اور اس سے عجیب نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ترسیٹھ اونٹ ذبح کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال کے بدلے میں بطور عیدِ میلاد ایک اونٹ ذبح فرمایا۔

جواب :

بدعت ساز اور بدعت نواز لوگ پہلے ایک چیز ایجاد کرتے ہیں اور پھر اسے ثابت کرنے کے لیے نصوص کا اپریشن کر کے انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے جبکہ درحقیقت کی اس دلیل اور مدلول میں کوئی ربط و تعلق نہیں۔ کیونکہ :

۱۔ معروف بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ دس ذوالحج کو ذبح کیئے تھے۔ جو کہ بارہواں مہینہ تھا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول (۹ یا ۱۲) کو ہے جو کہ اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے۔ لہٰذا قربانیوں اور عید میلاد میں کیا مناسبت ہے؟

۲۔ اگر ان قربانیوں سے عید میلاد کا جواز ثابت بھی کرنا ہو تو پھر عید میلاد دس ذوالحج کو ہی ہونی چاہیئے۔ نہ کہ ربیع الاول میں۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سو اونٹ کی قربانی دی۔ ان میں سے تریسٹھ اونٹ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ مدینہ منورہ سے لائے تھے، اور سینتیس اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے۔ اور شرح مسلم نووی (۸/ ۱۹۲) میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے بقول :

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لائے تھے۔ جیساکہ ترمذی شریف میں مذکور ہے :

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ سینتیس اونٹ ذبح کرنے کے لیے دیئے گئے۔ جنہیں وہ یمن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے لائے تھے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تریسٹھ اونٹ ذبح کرنے

کا کیا مطلب ہے ؟ یہ سوال دراصل لایعنی ہیں ۔ بات صرف اتنی سی ہے جو اوپر ذکر ہوئی ۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تریسٹھ اونٹ ذبح کرنا تو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عمر شریف کے تریسٹھ سال پورے ہو گئے ہیں اور زیست کی انتہا ہو گئی ہے ۔

اور واقعی حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس کی طرف اشارے بھی ہو گئے کہ اس حیاتِ مستعار کے خاتمے اور اس جہانِ فانی سے کوچ کا وقت قریب آگیا ہے ۔ مثلاً :

یوم عرفہ میں آیت (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ...) کا نزول ایام تشریق میں سورۃ الفتح کا نزول ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار خطبات ارشاد فرمانا ، اور خطبات میں اشارہ کرنا کہ شاید اس سال کے بعد ہم یہاں اکٹھے نہ ہو سکیں وغیرہ ۔

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اگر تریسٹھ سال کا عدد کسی بات کی دلیل ہے تو وہ صرف اس کی کہ تریسٹھ سال کی عمر مکمل ہو گئی ہے ۔ اب ان سالوں میں کسی سال کا اضافہ نہیں ہو گا ۔ نہ کہ یہ ابتدائے میلاد کی علامت تھا ۔ کہاں ابتداء اور کہاں انتہاء ۔

اعتراض ۸ :

عید میلاد کا جواز ثابت کرنے کے لیے امام سیوطی (المعروف عند المحدثین بحاطب اللیل یعنی یجمع بین الشیئ وضدہ) نے الحاوی فی الفتاوی میں ایک تاریخی روایت بیان کی ہے کہ :

خواب میں کسی (عباس بن عبد المطلب) کو ابولہب خائب و خاسر ملا ، اور

Marfat.com

اس نے بتایا کہ مجھے عذاب ہوتا رہتا ہے سوائے اس کے کہ ہر پیر کی رات کو اس دن کچھ عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔ اور اپنی انگلیوں کے درمیان سے چند قطرے پانی بھی چوسنے کو ملتا ہے۔ اور یہ اس لیئے کہ جب میری کنیز ثوبیہ نے مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی خبر دی تھی تو میں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اور پھر اسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ بھی پلایا تھا۔

جواب :۔

یہ قصہ اور اس سے جوازِ میلاد کی دلیل لینا کئی طرح سے غلط ہے مثلاً :۔

۱۔ اس بات پر تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کسی نبی کے خواب کے سوا (کیونکہ نبیوں کا خواب وحی و حق ہوتا ہے) کسی کا خواب کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا۔

۲۔ یہ حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ہے اور پھر ان سے جس نے روایت کی ہے، انہوں نے بالواسطہ بیان کی ہے۔ لہٰذا یہ روایت مرسل ہوئی جس سے مسائلِ عقائد کے بارے میں احتجاج صحیح نہیں۔[۱۲۳]

۳۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمانہ قبل از اسلام میں یہ خواب دیکھا ہو اور کفر کی حالت میں دیکھے گئے خواب کہاں حجت ہوں گے۔ جبکہ مومن و متقی کا خواب بھی حجتِ شرعی نہیں ہوتا، سوائے انبیاء علیہم السلام کے خواب کے۔

۴۔ اکثر اہلِ علم کا خیال ہے کہ کافر اگر کفر پر ہی مر جائے تو اس کے کسی عمل کا ثواب نہیں ملتا۔ اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیونکہ
سورۂ فرقان آیت ۲۳ میں ارشادِ الٰہی ہے :۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا o

[۱۲۳] ۔ مرسل روایت صرف عقائد ہی میں نہیں بلکہ احکام میں بھی قابلِ حجت نہیں ہوتی۔

"اور ہم ان (کفار) کے اُن اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جو انہوں نے دُنیا میں کیئے تھے۔ تو اُن (اعمال) کو اُڑتی ہوئی خاک کی طرح کر دیں گے۔"

اور سورۂ کہف آیت ۱۰۵ میں فرمانِ الٰہی ہے:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝

"یہ وُہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کر دیا، اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا۔ پس اس لیئے ان کے سارے اعمال (کفر کی وجہ سے) ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔"

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں فرمانِ الٰہی سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی حالتِ کُفر پہ مَر جائے تو اس کے کسی عمل کا ثواب اسے نہیں ملتا۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پُوچھا کہ عبداللہ بن جدعان جو ہر حج کے موقعہ پہ ایک ہزار اُونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور ہزار آدمیوں کو حُلے پہنایا کرتا تھا اور جس کے گھر میں حلف الفضول کا معاہدہ طے ہُوا تھا جس میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے، کیا اسے یہ چیزیں فائدہ پہنچائیں گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ اس نے عمر بھر میں کبھی یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! قیامت کے روز میرے گناہ کو بخش دینا"[۱۲۴]

اس سے بھی معلوم ہُوا کہ ابولہب کے خواب کی کوئی قیمت نہیں، نہ اس سے استدلال صحیح ہے۔

۵۔ ابولہب کی خوشی ایک طبعی امر تھا (کہ وُہ چچا تھا)، نہ کہ اس کی خوشی کوئی تعبدی نقطۂ نظر سے تھی۔ اور جب کوئی خوشی اللہ کے لیئے نہ ہو بلکہ اپنے یا کسی قریبی

کے یہاں بچے کی پیدائش پر فطری وطبعی خوشی ہو تو اس پہ ثواب نہیں ہوتا۔
اس بات سے بھی اس روایت کا ضعف وبطلان واضح ہوتا ہے۔
۶۔ اور مومن تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ہر وقت خوش رہتا ہے۔
لہٰذا اس کے لیئے سال میں ایک مرتبہ اظہارِ خوشی کا موقع (میلاد) ایجاد کرنا کسی طرح بھی لائق نہیں ہے۔
المختصر۔ خرافیوں کے ان اور ایسے ہی دیگر بودے، بے جان اور بے سروپا دلائل، ان کی دور از کار تاویلوں، چابکدستیوں اور عیاریوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

۱۲۴: بحوالہ الانصاف للجزائری ص ۴۱

Marfat.com

ایامِ رضاعت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت باسعادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب نے اپنا دُودھ پلایا۔ اور دو تین روز کے بعد چند دن کے لیے ثوبیہ نے دُودھ پلایا جو کہ ابولہب کی کنیز تھیں۔ اور بعد میں اسے آزاد کر دیا گیا۔[۱۲۵]

اس کے بعد نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کی رضاعت و تربیت کی ذمّہ داری حضرت حلیمہ سعدیہ بنت ابی ذؤیب رضی اللہ عنہا نے سنبھالی۔[۱۲۶]

۱۲۵:۔ ثوبیہ کے دُودھ پلانے کا واقعہ حدیث ام سلمٰی رضی اللہ عنہا میں ہے جسے بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے (الروض الانف ۲/۱۶۶، حاشیہ، الفتح الربانی للبناء ۱۶/۱۷۹، ۱۸۰) یہ ثوبیہ ۷ھ میں فوت ہوئیں۔ ابن سندہ نے کہا ہے: "اختلف فی اسلامہا" الفتح الربانی للبناء ۲۰/۱۹۰۔ اور ابونعیم کا کہنا ہے "لا اعلم احداً ذکرہ" (المواہب اللدنیہ ۱/۱۳۷)

۱۲۶:۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ زمانۂ نبوت سے پہلے وفات پا گئی تھیں جبکہ ابن ابی خیثمہ نے "تاریخ" میں، ابن الجوزی نے "حدائق" میں، منذری نے "مختصر سنن ابی داؤد" میں اور حافظ ابن حجر نے "الاصابہ" میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے۔ اور مغلطائی نے ان کے اسلام لانے کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "التحفۃ الجسیمۃ فی اثبات اسلامِ حلیمہ" ہے (سیرت النبی ۱/۱۷۴ نقلاً عن الزرقانی ۳/۱۶۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت حلیمہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ عہدِ نبوت میں جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم امی امی (میری ماں میری ماں) کہہ کر ان سے لپٹ گئے

(باقی)

Marfat.com

اس زمانے میں عام دستور تھا کہ شہر کے رؤساء و شرفاء اپنے شیر خوار بچوں کو ان
کے دیہات اور بادیہ میں بھیج دیتے تھے۔ اس رواج کا اصل سبب یہ تھا
بادیہ و صحرا کی صاف ستھری اور کھلی آب و ہوا کی وجہ سے بچوں کی پرورش
نشوونما اچھی طرح سے ہو اور وہ بدوؤں میں پل کر خالص عربی اور فصاحت زبان
کا جوہر پیدا کریں۔ کیونکہ شہروں میں ہر قسم اور ہر ملک و قوم کے لوگوں کا آنا جانا
ہوتا ہے اور ان کے باہم اختلاط و میل سے شہری زبان خالص نہیں رہتی اور کئی
غیر زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ جبکہ صحرائی دیہات اس سلسلے
میں اصلی زبان کے امین ہوتے ہیں۔

اور امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں کافی تفصیلات درج کی ہیں۔ اور
حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم سے کہتے ہیں :۔

مَا رَأَيْتُ اَفْصَحَ مِنْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ !

"اے اللہ کے رسول ! میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑا فصیح اللسان
کوئی نہیں دیکھا۔"

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

۱۲۷ وَمَا يَمْنَعُنِي وَاَنَا مِنْ قُرَيْشٍ وَارْضَعْتُ فِي بَنِي سَعْد
اور اس میں میرے لیے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے کیونکہ میں قریش میں سے
ہوں، اور میرے فصیح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں قبیلہ بنی سعد میں ہوں

(بقیہ حاشیہ) اور اپنی چادر بچھا کر اس پر انہیں بٹھایا۔ (الوفاء ۱/۱۹۱)

۱۲۷ :۔ الروض الانف ۲/۱۶۷ بتحقیق عبدالرحمن الوکیل رئیس انصار السنۃ مصر
طبقات ابن سعد ۱/۷۱۔

Marfat.com

اور مشہور مستشرق سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں ان فوائد کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی۔ ان کے اخلاق آزاد، اور مستغنی عن الغیر تھے جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد میں زندگی بسر کرنا تھا۔ اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی۔ (سیرت النبی ۱/۱۷۲، حاشیہ)

الغرض اسی دستور کے مطابق ہر سال دو مرتبہ صحرائی دیہاتوں کی عورتیں شہر میں آیا کرتی تھیں۔ اور شرفاءِ شہر اپنے نونہالوں کو ان کے سپرد کر دیا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے چند روز بعد بھی قبیلۂ ہوازن میں سے بنی سعد کی دس عورتیں بچوں کی تلاش میں مکہ آئیں۔ ان میں ہی حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں [۱۲۸]

ہر عورت کی خواہش ہوتی کہ کسی مالدار کے بچے کو گود لوں تاکہ حق رضاعت اور معاوضہ اچھا ملے۔ اسی بات کے پیشِ نظر جتنے بچے صاحبِ ثروت لوگوں کے تھے، انہیں تو مختلف والیوں نے اٹھا لیا، اور اس درِ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے کے لیے کوئی عورت صرف اس بنا پر پیش قدمی نہیں کر رہی تھی کہ یہ بچہ تو یتیم ہے، باپ زندہ ہوتا تو بھی کچھ مل جانے کی توقع تھی مگر اب ہمیں کیا مل سکے گا ؟

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے بھی کسی مالدار شخص کے بچے کی تلاش کی مگر بظاہر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہیں۔ مگر کون جانتا تھا کہ یہ وہ ناکامی ہے جس پر لاکھوں کامرانیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ ان کے مقدر کا ستارہ چمکنے والا ہے۔

[۱۲۸]: شرح المواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ عورتیں کل دس تھیں جن میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا

Marfat.com

دُنیا بھر کی دولتیں ان کے ہاتھ آنے والی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ نے اپنا یتیم ان کے سپرد کرنا چاہا تو پہلے انہوں نے کچھ پس و پیش کیا مگر کوئی اور بچہ بھی تو نہ ملا تھا اور خالی ہاتھ بھی نہیں لوٹنا چاہتی تھی۔ لہٰذا رحمۃ للعالمین کو اپنی گود میں لے لیا اور پھر ان کی قسمت جاگی، اور انہوں نے وہ فیوض و برکات حاصل کیے جو دوسرے نہ کر سکے۔

فیوض و برکاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لینے سے لے کر مدتِ رضاعت و بچپن کے پانچ سال کے دوران جو عجائبِ قدرت دیکھے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مسعود سے جو فیوض و برکات پائیں، ان کا اعتراف تو ہر مسلم مورخ اور سیرت نگار نے کیا۔ لیکن دورِ حاضر کے اکثر معتبر سیرت نگاروں نے ان کی تفصیلات ذکر نہیں کیں۔ بلکہ ان کی طرف مجمل اشارہ کرتے ہوئے گزر گئے۔[ف ۱۲۹]

البتہ قدیم اور معروف سیرت نگاروں میں سے امام ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن الجوزی اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے ان کی کچھ تفصیلات بھی ذکر کی ہیں۔ اور ان سب کا ماخذ و مرجع ابن اسحاق کی وہ روایت ہے جسے وہ اپنی سند کے ساتھ حضرت

بقیہ حاشیہ۔ بھی آئی تھیں (الروض الانف ۲/۱۶۲ حاشیہ۔ اور واقدی نے بھی دس ہی لکھا (البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۷۳)

ف ۱۲۹:۔ دیکھئے فقہ السیرہ محمد الغزالی بتحقیق شیخ البانی ص ۶۳ طبع مصر۔ فقہ السیرہ ڈاکٹر محمد رمضان البوطی ص ۴۹ طبع ہفتم دارالفکر۔ السیرۃ النبویۃ ابوالحسن علی الندوی ص ۴۳ دارالشروق جدہ۔

Marfat.com

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ :

میں بنی سعد کی کچھ عورتوں کی معیت میں اپنے گاؤں سے نکلی۔ میرے ساتھ میرا شوہر (حارث بن عبد العزیٰ)[۱۳۰] اور شیر خوار بچہ[۱۳۱] بھی تھا۔ قحط سالی کی وجہ سے تنگدستی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچا تھا۔ ایک مادہ خر اور ایک بوڑھی اونٹنی ہمارے ساتھ تھی۔ ہمارا بچہ رات رات بھر بھوک سے بلکتا رہتا۔ نہ میری چھاتی میں دودھ تھا اور نہ ہی اونٹنی کے تھنوں میں کوئی قطرہ نظر آتا۔ مکہ معظمہ پہنچے تو میری ساتھی عورتوں میں سے ہر کسی نے ایک ایک بچہ لے لیا، مگر مجھے کوئی نہ ملا۔ جب ہم سب نے واپسی کا عزم کیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں خالی ہاتھ تو ہرگز نہ جاؤں گی۔ کم از کم اس یتیم کو ہی لے آتی ہوں جسے میں اور دوسری عورتوں نے یتیم ہونے کی بنا پر نظر انداز کر رکھا تھا۔ میرے شوہر نے کہا :

لاعلیك ان تفعلی ۔ عسی اللہ ان یجعل لنا فیہ برکۃ

وہی لے آؤ شاید اللہ تعالیٰ ہمارے لیئے اسی میں برکت پیدا فرما دے۔

جب بادلِ نخواستہ میں نے اُسے قبول کر لیا اور اُٹھا کر اس جگہ لے آئی جہاں ہم سب نے ڈیرہ لگایا ہوا تھا۔ وہاں آکر میں نے اُسے اپنی گود میں رکھا اور جس قدر بھی تھا، دودھ پلانا شروع کیا۔ تو اس بچے نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا۔ پھر اسی وقت میں نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی دودھ دیا تو اس نے بھی سیر ہو کر پی لیا۔ اور یہ دونوں ہی سو گئے۔ جبکہ اس سے قبل ایک ہی بچہ ہوتا اور پیٹ بھر کر دودھ نہ ملنے کی وجہ سے نہ وہ خود سوتا اور نہ ہی ہمیں سونے دیتا تھا۔

[۱۳۰] ؎ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضائی باپ کا نام حارث بن عبد العزیٰ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مکہ آئے اور اسلام لائے (الروض الأنف للسہیلی ۲/۱۶۰-۱۶۱ - سیرت النبی ۱/۱۷۴ نقلا عن الاصابۃ لابن حجر ۱/۲۸۳ طبع سعادت مصر۔ (باقی آگے)

Marfat.com

میرا شوہر اونٹنی کے پاس سے گزرا تو محسوس کیا کہ یہ بھی دودھ سے لدی ہوئی ہے۔ اس نے دودھ دوہیا اور ہم دونوں نے بھی خوب جی بھر کر پیا۔ اس طرح یہ رات ہم نے بڑے خوشگوار انداز سے گزاری۔ جب ہم لوگ صبح جاگے تو میرے شوہر نے کہا:

تَعلمِیْ واللہ یاحلیمۃ لقد اَخذتِ نسمۃً مبارکۃً فقلت واللہِ انّی لارجوا ذلک۔

اے حلیمہ! بخدا یقین کر لو لگتا ہے کہ تم نے تو کوئی بابرکت روح حاصل کر لی ہے۔ میں نے کہا کہ بخدا مجھے بھی یہی توقع ہے۔

صبح جب ہم واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو میں اپنی سواری پر بیٹھ گئی اور اس بچے کو بھی اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔ اب میری سواری اس طرح سفر کاٹ رہی تھی کہ میری دوسری ساتھی عورتوں کی سواریاں ہل نہ پا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ وہ مجھے کہنے لگیں: اے بنت ابی ذؤیب تمہارا بھلا ہو ہمارا بھی تو خیال رکھو۔ کیا یہ وہی مادہ خر نہیں جس پر تم ہمارے ساتھ آئی تھی؟ میں نے انہیں کہا:

بَلٰی واللہِ اِنّھا لَھِیَ ھِیَ۔ ہاں بخدا یہ وہی سواری تو ہے!

تب انہوں نے کہا:

وَاللہِ اِنَّ لَھا لَشَاْناً۔ بخدا پھر تو اس کی کوئی خاص ہی شان ہے!

جب ہم اپنے گاؤں بنی سعد پہنچیں جہاں کی زمین بارش نہ ہونے کی وجہ سے بنجر و ویران ہو چکی تھی (سبزہ، چارہ، ہریالی نہ ہونے کے برابر تھی) مگر جب

بقیہ ۱۳۱ :۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بہن بھائی چار تھے۔ عبداللہ، انیسہ، حذیفہ اور خذافہ۔ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان میں سے عبداللہ اور شیماء کا اسلام لانا ثابت ہے۔ اور باقی دو کا حال معلوم نہیں۔

(سیرت النبی، شبلی ۱/۱۷۵۔ الفتح الربانی ۲۰/۱۹۲)

Marfat.com

سے ہم یہ یتیمِ مکہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ لے آئے تھے، ہماری بکریاں باہر سے خوب پیٹ بھر کر آتیں۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے جبکہ ہمارے اپنے گاؤں کے دوسرے لوگوں کا معاملہ بدستور پہلے کا سا ہی تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے قبیلے کے لوگوں نے اپنے چرواہوں کو یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم بھی اپنی بکریاں وہیں چروایا کرو، جہاں بنتِ ابی ذوئیب کا چرواہا چراتا ہے[۱۳۲]

۱۳۲:۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بایں سند ابن اسحاق، ابن حبان، ابن راہویہ ابو یعلیٰ، طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم نے روایت کی ہے۔

دیکھیے الروض الأنف ۲/۱۶۳ حاشیہ۔ والفتح الربانی ۲۰/۱۹۲۔ ابن ہشام ۱/۵۲۔۵۱۔۱۵۔ تہذیب سیرت ابن ہشام عبدالسلام ہارون ص ۳۷۔۳۸۔ الوفا لابن الجوزی تحقیق محمد زہری النجار ص ۱۸۰ تا ۱۸۲ طبع الریاض۔ البدایۃ والنہایۃ ۲/ ۲۷۳۔۲۷۴، خاتم النبیین محمد ابو زہرا/ ۱۵۰۔۱۵۱ طبع قطر۔ الرحیق المختوم ص ۶۳۔۶۴۔۶۵ طبع رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ واورد ہذا الحدیث الہیثمی وقال: رواہ ابو یعلیٰ والطبرانی بنحوہ ورجالہما ثقات۔ الفتح الربانی ۲۰/۱۹۴۔

Marfat.com

بچپن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شق صدر

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ :۔

"ہم خیرات و برکات سے مسلسل بہرہ ور ہو رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر دو سال مکمل ہو گئی۔ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑا دیا (عنایت الٰہی اور پھر صحت بخش صحرائی آب و ہوا کا اثر تھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی نشو و نما بڑی تیزی سے ہوئی۔ حتیٰ کہ دو سال کی عمر میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی مضبوط ہو گئے تھے۔[۱۳۳] (سابقہ حوالہ جات)

مدت رضاعت مکمل ہونے اور دودھ چھڑانے کے بعد ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ ماجدہ کے پاس مکہ مکرمہ لائے۔ اور ہم نے جو برکات حاصل کی تھیں ان کے پیش نظر ہماری تمنا تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید کچھ مدت کے لیے اپنے پاس ہی رکھیں۔ اسی بنا پر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرے بیٹے کو اس وقت تک میرے پاس رہنے دیں جب تک کہ یہ مضبوط، اور خوب تنومند نہ ہو جائے۔ اور مجھے مکہ کی آب و ہوا سے بھی خدشہ ہے کہ شائد موافق نہ رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ اس بات کا مشاہدہ کر ہی چکی تھیں کہ بادیہ بنی سعد

---

[۱۳۳] :۔ امام ابن الجوزی نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میں اتنا بڑھتے جتنا عام بچے ایک ماہ میں بڑھتے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ میں اس قدر نشو و نما پاتے جتنی عام بچے ایک سال میں پاتے ہیں۔ الوفاء ۱/۱۸۲

Marfat.com

کی آب و ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوب موافق ہے۔ لہٰذا ہمارے مسلسل اصرار کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنا لختِ جگر پھر ہمارے ساتھ ہی بھیج دیا۔

(سابقہ حوالہ جات)

اس طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعت اور بچپن کے پانچ سال بنی سعد میں گزارے۔

جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ :-

"حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ سال اور ایک ماہ بعد واپس کر کے آئیں [۱۳۴]"

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہر چھ ماہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ اور دیگر اقرباء سے ملا کر لے جاتیں۔[۱۳۵]

اور اکثر سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ :

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چار سال، پانچ سال کی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا اس واقعہ کو نہ صرف اہلِ تاریخ و سیرت ہی نے ذکر کیا ہے، بلکہ خود کتب حدیث میں سے صحیح مسلم، مسندِ احمد، دارمی اور مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

---

[۱۳۴] :- الروض الأنف ۲/ ۲۷۹ - المواہب اللدنیۃ میں انہی (عبد البر) سے نقل کرتے ہوئے پانچ سال اور دو دن لکھا گیا ہے۔ اور بعض روایات سے تین، چار اور چھ سال کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ ابن اسحاق کے سیاق سے تیسرے سال کے آغاز میں واپسی معلوم ہوتی ہے جبکہ حافظ عراقی اور ابن حجر نے چار سال لکھا ہے۔ (حاشیہ الروض الأنف ۲/ ۲۷۹ نقلاً عن المواہب ۱/ ۱۵۰)

شیخ محمد ابو زہرہ مصری نے لکھا ہے کہ کتب و سیرت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت (باقی)

Marfat.com

ان رسول الله صلی الله علیہ وسلم اتاہ جبریل وھو یلعب مع الغلمان فصرعہ فشق عن قلبہ فاستخرجہٗ۔ فاستخرج منہ علقۃً سوداء فقال ھٰذا حظ الشیطان منك ثم غسلہٗ فی طستٍ من ذھبٍ بماء زمزم، ثم لأمہٗ، ثم اعادہٗ الی مکانہٖ وجاء الغلمان یسعون الی امہٖ ان محمدًا قد قتل فاستقبلوہ وھو منتقع اللون[١٣٦]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل آئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لٹایا اور سینہ چیر کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک باہر نکال لیا۔ پھر دل کو چیر کر اس میں سے کالے خون کی ایک پھٹکی سی نکالی۔ اور فرمایا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے (اسے نکال کر پھینک دیا تاکہ آئندہ شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب نہ آسکے) پھر دل کو سونے کی طشتری میں رکھ کر آب زمزم سے دھویا پھر اس میں ایمان و حکمت کا جوہر بھر دیا)

باقی ١٣٥:۔ حلیمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ اور اقرباء سے ملانے کے لیئے لے جایا کرتی تھیں ورنہ ہی اس بات کی تردید ہوتی ہے۔ البتہ ماں کے تقاضے اس امر کو یقین میں بدلتے ہیں کہ وہ لے جاتی ہوں گی (خاتم النبیین ١/ ١٥٢ نقلاً عن الاکتفاء ١/١٧١)

البتہ علامہ منصور پوری رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چھ ماہ بعد ملا کر لایا کرتی تھیں۔ (رحمۃ للعالمین ١/ ٤١)

١٣٦:۔ مسلم ١/ ١٠٢-١٠١، احمد ٣/ ١٢١ - ٢٢٨ (الفتح الربانی ترتیب المسند ٢٠/ ٩٢-١٩١) وزاد فی آخرہ: قال انس: وکنت أری أثر ذلك المخیط فی صدرہ۔ اور اس حدیث کے شواہد بھی متعدد ہیں۔ ان میں سے دارمی ١١/٨ عن عتبۃ بن عبد السلمی، حاکم ٢/ ٦١٦ وصححہ ووافقہ الذہبی، زوائد المسند ١٣٩/٥ عن ابی بن کعب (الفتح الربانی ٢٠/ ١٩٥) تاریخ ابن جریر ٢/ ٥١-٥٢ عن ابی ذر کذا خرجہ الالبانی فی تخریج فقہ السیرہ للغزالی ص ٦٤۔

پھر اسے اسی طرح جوڑ کر اس کے مقام پر رکھ دیا۔ اور جو بچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ بھاگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں (حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور بتایا کہ ہمارے قریشی بھائی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں۔ وہ بھاگتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھبراہٹ کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ روحانی اپریشن تھا جو کہ عنایت الٰہی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے سامانِ عصمت تھا۔ اور یہ واقعہ اس ہی بار نہیں، بلکہ متعدد بار پیش آیا۔

دوسری مرتبہ یہ واقعہ دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ اور یہ واقعہ دلائل النبوۃ ابونعیم، المواہب للدنیہ اور زوائد مسند (الفتح الربانی ۲۰/۱۹۵) میں ہے۔ اور شرح المواہب میں زرقانی نے لکھا ہے کہ بقول شامی :-

"دس سال کی عمر میں یہ واقعہ پیش آنے کی حکمت یہ تھی کہ یہ عمر سنِ تکلیف کے قریب ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو ایمان و حکمت سے بھر دیا گیا۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہونے پائے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے عیب شمار ہوتا ہے۔"

اس واقعہ کا ذکر حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کتاب التوحید میں بڑے جزم کے ساتھ کیا ہے۔

المواہب میں ابونعیم و بیہقی (دلائلہما) طیالسی و حارث (مسندیہما) سے نقل کر کے لکھا ہے کہ:

"یہی واقعہ تیسری مرتبہ اس وقت پیش آیا جب غارِ حرا میں پہلی وحی لے کر جبریل

Marfat.com

امین آئے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ:

یہ اس لیئے تھا تاکہ مزید طہارت و تقدیس ہو جائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل قوی کے ساتھ وحی کو قبول کر سکیں۔

اور خاص طور پر (چوتھی مرتبہ) معراج سے قبل جو واقعہ رونما ہوا۔ اس کی تفصیلات تو بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں[۱۳۷]

والدہ اور دادا کی کفالت اور وفات

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم چار پانچ سال تک بادیۂ بنی سعد میں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہے اور واقعۂ شقِ صدر کے بعد جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس چھوڑ گئیں تو آپ اپنی والدہ اور دادا کے سایۂ شفقت میں زندگی بسر کرنے لگے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ برس ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ نے اپنے شوہرِ نامدار عبداللہ بن عبدالمطلب سے خلوص و وفا کا اظہار کرنے کے لیئے ان کی قبر کی زیارت کا ارادہ کیا۔ جو کہ مدینہ منورہ میں تھی۔ مکہ مکرمہ سے یک طرفہ پانچ سو کلومیٹر سفر اس طویل و شاق سفر میں حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں[۱۳۸] جو کہ وراثتاً آپؐ کی مِلکِ یمین اور قرابتاً آپؐ کی دادیہ تھیں۔

---

[۱۳۷]:۔ جیسا کہ بخاری مع الفتح ۶/۳۳۲ ، مسلم ۱/۱۰۳ ، اور نسائی ۱/۷۶ میں ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ اس لیئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام میں اضافہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مناجات کے لیئے خوب تیار ہو جائیں۔ (الفتح الربانی ۲۰/۹۶-۱۹۵)

[۱۳۸]:۔ بعض سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی تھے (الرحیق المختوم ص ۶۰)

یہ حضرات ایک ماہ تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ اس قیام مدینہ کی بہت سی یادیں اور باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں محفوظ ہو گئی تھیں۔

ابن سعد اور زرقانی فرماتے ہیں کہ:

جب ہجرت کے بعد قیام مدینہ کے زمانے میں ایک دفعہ بنو عدی بن نجار کی منازل کے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں۔ یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا اور اسی میدان میں انیسہ نام کی ایک انصاری لڑکی سے میں کھیلا کرتا تھا۔[۱۳۹]

ایک ماہ کے بعد جب مدینہ سے واپس ہوئے تو راستے میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکرمہ بیمار ہو گئیں اور میقاتِ حج "جحفہ" سے تیئس[۲۳] میل پہلے واقع ایک گاؤں "اَبواء" پہنچ کر وفات پا گئیں۔

اور صحیح احادیث میں ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ نبوت میں ان کی قبر کی زیارت کی اور خوب روئے۔

جیسا کہ مسند احمد میں ہے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم زار قبر اُمّہ بالابواء ..... فبکی و أبکی۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت اَبواء (نامی گاؤں) میں کی تو رو پڑے اور (موجود صحابہؓ کو بھی) رلایا۔

راویٔ حدیث کہتے ہیں:

ثمّ اَقبل علینا بوجھہ وعیناہ تذرفان۔

[۱۳۹]: طبقات ابن سعد ۱/۱۷۳، شرح مواہب لدنیۃ ۱/۱۶۸-۱۶۷، سیرت النبی شبلی ۱/۱۷۵، والسیرۃ النبویۃ ابوالحسن ندوی ص ۷۴۔

Marfat.com

پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو
جاری تھے۔[۱۴۰]

اور صحیح مسلم و ابن ماجہ میں ارشادِ نبوی ہے۔

استاذنت ربی فی زیارۃ قبر اُمی فاذن لی۔[۱۴۱]

میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ مکرمہ کی قبر کی زیارت کے لیے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت دے دی گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے باپ کا صرف نام سنا تھا شکل تک نہ دیکھی تھی۔ اور اب ماں بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ انہیں ابواء میں ہی دفن کر اور اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے کر آئیں۔ اور دادا کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے جب آپؐ کو اپنے کفالت و تربیت میں لیا تو جی بھر کر پیار دیا۔ اپنی جان سے بھی عزیز ہمیشہ اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی عبداللہ کہہ کر نہیں پکارا، بلکہ ہمیشہ ابنی (میرے بیٹے) کہا کرتے۔ تاکہ آپ کو باپ کی کمی کا احساس ہی نہ ہونے پائے۔ اور آپؐ کی دایہ اُمِّ ایمن کو بھی اسی قسم کی تاکید کر رکھی تھی تاکہ وہ ماں کی کمی پورا کرنے میں کوشاں رہے۔ یہ بس ان لوگوں کی شفقت و محبت اور چارہ سازی تھی۔ ورنہ ان کمیوں کو کون پورا کر پاتا ہے؟

---

[۱۴۰]: اس حدیث کو سہیلی نے الروض الانف ۲/۱۸۵ میں صحیح قرار دیا ہے۔

[۱۴۱]، حوالہ بالا و صحیح مسلم مع النووی ۷/۴۵-۴۶ طبع دارالفکر بیروت۔ ۱۳۹۲ھ

[۱۴۲]: اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال، تین ماہ اور دس دن تھی۔ (الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول ابن کثیر ص ۸۰-۸۱ تحقیق محمد عبدالخطراوی و محی الدین متو طبع دار...

Marfat.com

ابنِ اسحاق نقل کرتے ہیں کہ:

عبد المطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ ان کے لیے کعبہ شریف کے سائے میں جو مسندِ خاص بچھائی جاتی تھی کوئی شخص اس پر نہیں بیٹھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے بیٹے آتے اور مسند کے ارد گرد بیٹھ جاتے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم آتے تو سیدھے اسی مسند پر بیٹھ جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے اٹھانا چاہتے تو دادا کہا کرتے تھے۔

دَعُوا ابنی فواللہ اِنّ لہ لشأناً۔

میرے بیٹے کو بیٹھنے دو، بخدا اس کی تو شان ہی نرالی ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر فرطِ محبت سے ہاتھ پھیرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اندازِ شاہانہ اور استغنا کو دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔

امامِ تفسیر حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے فوت ہو جانے کے بعد تو دادا نے اور بھی زیادہ توجہ دینا شروع کر دی۔ اور اس قدر خیال رکھا کرتے کہ کبھی اپنے کسی بیٹے کا بھی نہ رکھا ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے ہوتے تو راتوں کو اٹھ اٹھ کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ لیکن اسی دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے امتحان سے دوچار کر دیئے گئے۔ اور بیاسی[۱۴۳] سال کی عمر پا کر یہ شفیق دادا بھی راہیٔ ملکِ عدم ہو گئے۔ اور حجون میں دفن ہوئے۔

---

۱۴۳ ـ بعض مورخین نے ان کی عمر ایک سو دس سال اور بعض نے ایک سو چالیس سال لکھی ہے (الفتح الربانی ۲۰/۱۹۴) جبکہ بعض نے ایک سو بیس سال نقل کی ہے۔ (فقہ السیرۃ محمد الغزالی)

Marfat.com

جب ان کا جنازہ اٹھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے اور فرطِ محبت و شدتِ غم سے روتے جاتے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف صرف آٹھ سال دو ماہ اور دس دن تھی۔[۱۴۴]

دعوتِ فکر

سیرت النبیؐ کے موضوع پر پیش کئے گئے حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تمام قارئین کو دعوتِ فکر دے دیں کہ تمام اسلامیانِ عالم تو نہیں صرف ہمارے برِّصغیر میں رہنے والے مسلمانوں کا ایک طبقہ اس پر مصر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنسِ بشر سے نہیں تھے بلکہ نورانی مخلوق اور نورٌ من نور اللہ تھے۔ تو آیئے ذرا غور و فکر سے کام لیں اور دیکھیں کہ ان کے اس دعوے میں کہاں تک معقولیت ہے!

اگر بات صرف اس حد تک رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضلالت و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکی انسانیت کے لیے ہادی و رہبرِ کامل اور نورِ ہدایت تھے تو اس میں کسی قسم کے اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور احکامِ شریعت واقعی نورِ ہدایت ہیں لیکن یہ کہہ دینا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور جسدِ اطہر بھی نورِ مجسم تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نورانی مخلوق تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[۱۴۴] - البدایۃ ۲/ ۸۲-۲۷۹ - ابن ہشام ۱/ ۵۶-۱۵۵ - الوفاء ۱/ ۲۰۰-۱۹۳ - فقہ السیرہ محمد الغزالی ص ۶۶-۶۷ - الرحیق المختوم ص ۶۵-۶۶ ولعلّہ نقل تحدید عمرہ الشریف من تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی ص ۷ - السیرۃ النبویۃ ابوالحسن علی الندوی ص ۷۴-۷۵ - رحمۃً للعالمین ۱/ ۴۱ - وسیرت النبی شبلی ۱/ ۷۶-۱۷۵ -

Marfat.com

نوعِ بشر سے خارج قرار دینا کہاں تک عقل و فکر کے مطابق اور قرینِ قیاس ہے ؟

آپ ذرا امتِ اسلامیہ کے المیہ "فرقہ وارانہ ذہنیت" سے بالا ہو کر ہر قسم کے مذہبی تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اور قرآن و سنت میں موجود لاتعداد دلائل و شواہد سے بھی وقتی طور پر صرفِ نظر کر کے صرف عقلی نقطۂ نگاہ سے ہی سوچیں کہ نہ صرف ہماری گذشتہ معروضات بلکہ سیرت کی کوئی بھی کتاب اٹھالیں، اس میں آپ کو نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب یا نسب نامہ کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات تو ضرور ہی مل جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی سے لے کر پیچھے کی اسی پشتوں کے بعد حضرت آدم علیہ السلام آجاتے ہیں۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر نہیں بلکہ نورانی مخلوق مان لیا جائے تو پھر اس نسب نامہ میں مذکور باقی تمام حضرات بھی بشر نہیں ہونے چاہئیں۔ اور آدم علیہ السلام جنہیں ابوالبشر یعنی تمام نوعِ بشر کے باپ کا خطاب دیا جاتا ہے خود انہیں بھی بشریت سے خارج قرار دینا پڑے گا۔

آپ اتنی دور نہ جائیں بلکہ قریب ہی سے دیکھیں کہ اس طرح تو نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین گرامی بلکہ آپؐ کے کافر چچا ابولہب اور ابو طالب کو بھی نورانی مخلوق ماننا پڑے گا۔ کیونکہ وہ دونوں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کے بھائی تھے۔ اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ایک ہی باپ کی اولاد میں سے ایک بھائی نوری اور دوسرا از جنسِ بشر ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ مبارکہ کی آخری کڑی حضرت آدم و حوا علیہما السلام بھی نوری ٹھہرے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے اس

Marfat.com

دعوے نے پورے نظامِ فطرت کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ اور ہم نے خاکی نوری اور ناری تین قسم کی مخلوقات کو صرف دو ہی اقسام نوری اور ناری میں منحصر کر دیا۔ جبکہ یہ امر ذاتِ الٰہی سے کھلی بغاوت ہے۔

اور اگر مان ہی لیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر البشر نہیں بلکہ مخلوقِ نور ہیں تو پھر اس شجرۂ نسب کی کیا حیثیت ہو گی؟

کیونکہ نوری مخلوق کے ماں باپ اور دادوں کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ کبھی کسی نے جبرائیل، عزرائیل، میکائیل، اسرافیل کسی کا نسب نامہ اور ان کے باپ دادوں کا ذکر کیا ہے؟

خدارا ذرا سوچئے تو سہی جس کے ماں باپ دادے ہوں، جسے ایام رضاعت میں تین عورتوں نے دودھ پلایا ہو، جو کھاتا، پیتا، چلتا، کھیلتا اور بکریاں چراتا ہو جس نے متعدد شادیاں کی ہوں، جس کے لڑکے اور لڑکیاں ہوں جسے تمام بشری ضرورتیں لاحق ہوں۔ اسے غیر بشری مخلوق قرار دینا فرزانگی ہے یا دیوانگی؟ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہما شما کی طرح نہیں بلکہ خیر البشر تھے جن کی عظمت کا اندازہ کرنا ہو تو وقائعِ معراج میں سے سدرۃ المنتہیٰ تک تو آیئے اور دیکھئے کہ نوری کہاں تک جا کر معذرت خواہ ہو جاتے ہیں اور خیر البشر کہاں تک پہنچ جاتے ہیں؟

شرعی دلائل دیکھنا چاہیں تو کتاب و سنت کا مطالعہ کریں، آپ کو سینکڑوں مقامات سے پتہ چلے گا کہ،

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ وَلَیسَ کَالبَشَر

مُحَمَّدٌ کَالیَاقُوتِ وَالنَّاسُ کَالحَجَر

ترجمہ: حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بشر تو تھے مگر عام بشری

مخلوق کی طرح نہیں تھے۔ لوگوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو اس یاقوت کی سی ہے جو ہوتا تو پتھر ہی ہے، مگر عام پتھروں کی طرح نہیں۔ جبکہ لوگوں کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عام پتھر کی سی ہے۔

بشریتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
بریلوی مکتبِ فکر کے علماء کے اقوال میں!

آج کل علماء کا ایک گروہ جس کا تعلق بریلوی مکتبِ فکر سے ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "بشریت" سے خارج قرار دینے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "نورِ مجسم" ثابت کرتے پھرتے ہیں۔

حالانکہ ان کے اپنے مکتبِ فکر کے بانی حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی اور دیگر علماء اصل حقیقت کے معترف تھے۔ چنانچہ بہارِ شریعت مرتبہ مولانا محمد امجد علی مصدقہ مولانا احمد رضا خان حصہ اول ص ۱۰ پر لکھا ہے:۔

"انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا، نہ عورت"

مولانا نعیم الدین مراد آبادی دستِ راز فاضل بریلوی کتاب العقائد طبع دہم ص ۶ پر لکھتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لیے جن پاک بندوں کو اپنے احکام پہنچانے کے واسطے بھیجا، ان کو نبی کہتے ہیں۔ انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔"

فاضل بریلوی کے خلیفہ مجاز، مرکزی حزب الاحناف و جمعیت علماء پاکستان کے

Marfat.com

مرکزی صدر اور مسجد وزیر خانؒ لاہور کے خطیب ابوالحسنات مولانا احمد شاہ صاحب "العقائد" ص ۱۵، ۱۶ پر لکھتے ہیں:۔

"نبی وہ بشر ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے آئے اور احکام الٰہی اس پر بذریعہ وحی آئے ہوں۔ جس قدر بھی انبیاء گزرے سب بشر ہی تھے۔"

بریلوی مکتب فکر کے معروف علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی شاگرد رشید خلیفہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی اپنی معروف کتاب "جاء الحق" طبع ہفتم مصدقہ و مجوزہ از پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری ص ۱۶۴ پر لکھتے ہیں:۔

"نبی جنس بشر ہی میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں جن یا فرشتہ نہیں"۔

نیز لکھتے ہیں:۔

"ہم بھی عقیدے کے ذکر میں کہتے ہیں کہ نبی بشر ہی ہوتے ہیں۔"

اور مفتی موصوف ہی کی دوسری کتاب " رحمتِ خدا" کے ص ۴۰ پر مذکور ہے:۔

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

اے لوگو! (گھبراؤ نہیں) میں تم جیسا ہی بشر ہوں۔ فرشتہ یا جن کی جنس سے نہیں ہوں۔

اور فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" اور اس پر مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے تفسیری حاشیہ "خزائن العرفان" میں بھی جابجا اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے۔

چنانچہ پارہ ۲۸ رکوع اول از سورۂ تغابن کی آیت ۶ میں ہے:

فَقَالُوٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا۔

ترجمہ:۔ بولے کیا آدمی ہمیں راہ بتائیں گے؟ تو کافر ہوئے۔

ف:۔ اول انہوں (کافروں) نے بشر کے رسول ہونے سے انکار کیا اور یہ کمال بے عقلی و نافہمی ہے کہ بشر کا رسول ہونا تو نہ مانا۔ پتھروں کا خدا ہونا تسلیم کر لیا۔

پارہ سولہ آخری رکوع از سورۂ کہف کی آیت ۱۱۰ میں ہے :۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہری صورت بشری میں (تو) میں تم جیسا ہی ہوں (البتہ) مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

ف :۔ مجھ پر بشری اعراض امراض طاری ہوتے ہیں۔

اور پارہ چوبیس سورہ حٰم السجدہ کی آیت ہے:۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

ترجمہ:۔ تم فرماؤ آدمی ہونے میں میں تم جیسا ہوں۔

ف :۔ ظاہر میں کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں۔ میری بات سنی بھی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان بظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو پھر تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے نہ تمہارے سننے میں آئے۔ اور میرے تمہارے درمیان کوئی روک ہو۔ بجائے میرے کوئی غیر جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی جنسی مغایرت ہی بڑی روک ہے۔ لیکن یہاں تو ایسا نہیں ہے کیونکہ میں بشری صورت میں ہوں۔ مجھ سے مانوس ہونا چاہیئے۔

ان آیات کے ترجمہ اور حاشیہ میں فاضل بریلوی اور ان کے دستِ راست مولانا مراد آبادی کے الفاظ "ظاہری صورت میں" ظاہر ہیں۔ اور "بشری صورت میں" آئے ہیں۔ ان میں بعض لوگ چابکدستی سے کئی معانی گھسیٹر دیتے ہیں۔ جبکہ انہی دونوں افاضل کی دوسرے مقامات پر مذکور صراحتیں بڑی واضح ترین ہیں کہ وہ تمام انبیاء اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر ہی

Marfat.com

مانتے تھے۔ جیسا کہ بہارِ شریعت اور العقائد کے حوالے شروع میں درج ہیں اور قاضی عیاض کی کتاب الشفاء فی حقوق المصطفٰے جو فاضل بریلوی کی مصدقہ ہے۔ اس کی جلد دوم ص ۱۹۸ پر انبیاءِ کرام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے اور پھر بشریت کے عقلی دلائل کے طور پر اس کی علامتیں بھی بالتفصیل مذکور ہیں۔

اور امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اپنے مکتوبات میں جابجا اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ جلد اول ص ۲۱۰ مکتوب نمبر ۲۰۹ طبع نول کشور میں لکھتے ہیں:۔

"اتیانِ لفظ مثلکم برائے تاکید بشریت است۔"

(آیت انّمآ انا بشر مثلکم میں) لفظ مثلکم کا لانا بشریت کے وصف کی تاکید کے لیئے ہے۔

اور ص ۲۶۶، ۳۲۹ پر لکھتے ہیں:۔

"نمی بینی کہ انبیاءؑ علیہم الصلوٰت والتسلیمات با تمامہ در نفسِ انسانیت برابر اند در حقیقت و ذات ہمہ متحد، تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است"

کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰت والتسلیمات عام انسانوں کے ساتھ صفتِ انسانیت میں برابر ہیں۔ اور تمام انسان اصل حقیقت و ذات میں برابر ہیں۔ انبیاءؑ کی فضیلت و عظمت ان کی صفاتِ کاملہ کی وجہ سے ہے۔

اور جلد دوم ص ۱۲۹ پر فرماتے ہیں:۔

عوام انسان ہرچند با انبیاءؑ علیہم الصلوٰت والتسلیمات در نفسِ انسانیت شریک اند الخ۔

عام انسان بہر صورت صفتِ انسانیت و بشریت میں انبیآء علیہم الصلوات والتسلیمات کے ساتھ برابر شریک ہیں۔

اور جلد اوّل ص ۱۷۷ پر خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں فرمایا ہے :۔

" اے برادر! محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلّم باآں علوشان بشر بود۔"

اے بھائی! محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلّم بڑی بلند شان والے ہونے کے باوجُود بشر تھے۔

کیا ہر سال بڑی دھوم دھام سے "بزمِ مجدد الف ثانی" منانے والے حضرات ان کے ان فرمودات پر غور کریں گے ؟

اور شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی اور دیگر بریلوی علماء نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نوری نہیں بلکہ خاکی ہونے کا واضح اعتراف کیا ہے۔

چنانچہ فاضل بریلوی کے شیخ محقق، شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ "جذب القلوب الیٰ دیار المحبُوب" کے ص ۱۵ پر لکھتے ہیں :۔

" احادیث صحیحہ از طرق متعددہ آمدہ کہ خلق ہر نفسے از تربت کہ مدفُون کردد در روئے لازم آید کہ خلق نفس زکیہ حضرت سید کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم از تربتِ طابہ مدینہ باشد وکذلک نفوس اکثر آل واصحاب وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہ دریں بقعہ شریفہ آسُودہ اند۔

احادیث صحیحہ میں طرق متعددہ سے وارد ہے کہ آدمی کی پیدائش اُس مٹی سے ہوتی ہے۔ جہاں دفن ہو، تو لازم ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیدائش مدینہ طیبہ کی مٹی ہو گی۔ اور اسی طرح اکثر آل واصحاب اور تابعین رضی اللہ عنہم کی پیدائش بھی تربتِ مدینہ سے ہو گی۔ جو اس مبارک زمین میں مدفون ہیں۔

Marfat.com

اور اس مذکورہ حدیث کو فاضل بریلوی نے اپنی کتاب "فتاویٰ افریقیہ" ص ۲۵ پر یوں نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما من مولودٍ فی سرتہٖ من تربتہ التی خلق منہا حتی یدفن فیہا وانا وابوبکر وعمر خلقنا من تربۃ واحدۃ: فیہا تدفن۔

ہر بچے کی ناف میں اس مٹی کا حصہ ہوتا ہے جس سے اس کی تخلیق ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اس میں دفن بھی کیا جائے گا۔ اور میں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنے ہیں۔ اسی میں دفن ہوں گے۔

اور مدارج النبوۃ جلد اوّل ص ۶۳ (طبع نول کشور) پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"وجودِ عنصری وے صلی اللہ علیہ وسلم ارضی است"۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ عنصری ارضی (زمینی و خاکی) ہے۔

شیخ دہلوی نے یہ الفاظ دراصل آیت:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

کی تفسیر و تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ فرمایا۔ اس لیے کہ چراغ بنا ہوتا ہے مٹی سے۔ اور اس میں تیل ہوتا ہے۔ بتی ہوتی ہے پھر اسے روشن کیا جاتا ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود خاکی ہے۔ مگر اس میں اللہ نے نورِ نبوت رکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ ہدایت بنایا۔

اور سورۂ اعراف رکوع ۱۹، آیت ۱۵۷

الذین یتبعون الرسول النبی الامی

کے حاشیہ نمبر ۲۹ (از خزائن العرفان بر حاشیہ کنزالایمان) کے تحت بریلوی جماعت کے صدر الافاضل اور فخر الاماثل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ شعر لکھتے ہیں، ؎

خاکی و بر اوج عرش منزل امی و کتاب خانہ در دل

جس کا پہلا لفظ ہی واضح ترین ہے۔

اور اہل سنت کی معتبر کتاب عقائد (ضروریات اسلام حصہ اول دربیان عقائد مصدقہ مولانا محمد امجد علی طبع مطبع اعلیٰ حضرت) میں رسول کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :-

الرسول انسان بعثہ اللہ الی الخلق لتبلیغ الاحکام

رسول وہ انسان ہے جو اللہ کی طرف سے احکام دین کی تبلیغ کے لیے بھیجا گیا ہو۔

اور آگے یہ بھی وضاحت ہے کہ :

نبی سب مرد تھے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔

اور شرح عقائد نسفی طبع کانپور و مجتبائی ص ۱۴ پر ہے :

انبیاء و مرسلین "انسان" ہوتے ہیں۔

امید ہے کہ بات واضح ہو گئی ہو گی۔[۱۴۵]

---

[۱۴۵]:- مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۲۱ ، ۲۲ طبع مکتبہ نذیریہ لاہور۔

Marfat.com

نورِ مجسم نہیں، نورِ ہدایت

اب رہا اس مسئلہ کا دوسرا پہلو کہ آیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور تھے؟ اس کی تردید تو بریلوی علماء کے اقوال سے ہی ہوگئی اور واضح ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاکی تھے، "بشر" تھے۔

اور ہمارا مدعا یہ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم "نورِ ہدایت" تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "نورِ نبوت" عطا فرمایا تھا۔ اور اس کی تائید بھی خود بریلوی مکتبۂ فکر کے علماء کرتے ہیں۔ بریلوی جماعت کے بانی فاضل بریلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن موسومہ کنزالایمان اور بریلویہ کے صدر الافاضل مولانا مرادآبادی نے اس پر اپنے تفسیری حاشیہ موسومہ خزائن العرفان میں متعدد مقامات پر لکھا ہے۔

چنانچہ سورۂ مائدہ پارہ چھ رکوع تین کی آیت ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا، اور روشن کتاب۔

ف:۔ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تاریکیٔ کفر دور ہوئی۔ اور راہِ حق واضح ہوئی۔

اور سورۂ تغابن کی آیت ہے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۝

تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر جو ہم نے اتارا۔

ف:۔ نور سے مراد قرآن شریف ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت گمراہی کی تاریکیاں

Marfat.com

دُور ہوتی ہیں۔ اور ہر شئی کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

اور سورۂ احزاب کی آیت ۴۶ میں ہے:

وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

ترجمہ:۔ اللہ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتا ہے اور چمکا دینے والا آفتاب ہے۔

ف:۔ درحقیقت ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نُورِ نبوّت نے پہنچائی۔ اور کفر و شرک کے ظلماتِ شدیدہ کو اپنے نورِ حقیقت افروز سے دُور کر دیا۔ اور خلق کے لیئے معرفت الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن اور واضح کر دیں۔ اور ضلالت کی تاریک وادیوں میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے نورِ ہدایت سے راہ یاب فرمایا۔ اور اپنے نورِ نبوّت سے ضمائر و بصائر اور قلوب و ارواح کو منوّر کیا۔

یہ تو فاضل بریلوی کا ترجمۂ قرآن اور مولانا مُراد آبادی کے حواشی تھے جبکہ مفتی احمد یار خان نعیمی ثم گجراتی اپنے "رسالہ نُور" (مطبوعہ مشہور آفسٹ لیتھو پریس کراچی) کے ص ۷ پر لکھتے ہیں:۔

حضورؐ، اسلام، قرآن نُور ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نور ہونے کے نہ تو یہ معنی ہیں کہ:

ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کے نُور کا ٹکڑا ہیں۔

ب۔ نہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کی طرح ازلی، ابدی، ذاتی نُور ہیں۔

ج۔ نہ یہ کہ رب کا نُور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے نُور کا مادہ ہے۔

د۔ نہ یہ کہ رب تعالیٰ حضورؐ میں سرایت کر گیا ہے تاکہ شرک و کفر لازم آئے۔

آپ ایسے نور ہیں جیسا کہ اسلام اور قرآن نور ہیں [۱۴۶]

بریلوی علماء کی ان تصریحات سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مجسم نہیں بلکہ اسلام اور قرآن کی طرح نورِ ہدایت ہیں۔ اور یہی صحیح ترین بات اور اہلسنت کا عقیدہ ہے۔

عنایت و حکمتِ الٰہی

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جو باپ کی طرف سے تو پیدا ہی یتیم ہوئے تھے صرف چھ ہی برس کی عمر میں ماں کی طرف سے بھی یتیم ہو گئے۔ اور ابھی اس ننھی منی اور معصوم عمر کا آٹھواں ہی سال پورا ہوا تو دادا بھی چل بسے۔

ذرا تصور تو کیجئے، خدا نہ کرے اگر آج کسی بچے کو اس طرح کے حالات پیش جائیں تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔ وہ کن کن محرومیوں، مایوسیوں اور دماغی و اعصابی تکلیفوں کا شکار ہوگا۔ احساسِ کمتری، مستقبل کی تاریکی اور نہ جانے اس کی کن کن تمناؤں کا خون ہوگا۔

لیکن ادھر ہمارے رہبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ان حالات سے تو دوچار ہوئے مگر ان مشکلات میں مبتلا نہیں ہوئے کیونکہ عنایتِ الٰہی ان کے شاملِ حال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یتیم پیدا ہونا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ کا ساتھ چھوٹ جانا۔ اور آٹھ سال کی عمر میں دادا کا انتقال کر جانا محض اتفاق نہیں تھا بلکہ اس میں بھی کئی راز تھے۔ جن کا پتہ لگا لینا تو انسان کے بس میں نہیں۔ مگر جہاں تک عقلِ انسانی کی رسائی ممکن ہے، ان حالات میں یہ اہم حکمت محسوس کی جا سکتی ہے کہ جس ذات کو کل تک رہبرِ اعظم، ہادیٔ عالم، سرورِ کونین اور

[۱۴۶]:- رسالہ نور ص ۷۔ بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۳۸، ۳۹

Marfat.com

رحمۃ للعالمین کا خطاب ملنے والا تھا۔ اس کی تربیت خاص اپنی نگرانی میں کرانا مقصود تھا۔ لہٰذا ماں باپ اور دادا جیسے تعلقات کو جلد ہی منقطع کر دیا۔ اور اس طرح اس وسوسۂ شیطانی کی بھی جڑ کاٹ دی کہ کوئی شخص یہ پروپیگنڈا کر سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا اپنی قوم کے سردار تھے اور یہ طبعی امر ہے کہ باپ دادا اپنی اولاد کی تربیت و پرورش ہی اس انداز سے کرتے ہیں کہ وہ ان کی میراث کو سنبھال سکیں۔ لہٰذا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہی اس نہج پر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذہنی رجحان سرداری کی طرف مائل ہو جائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) اسی ہدف یا ٹارگٹ کو پانے کے لیئے پیغمبری کا دعوی کیا۔ اور پھر بادشاہی بھی مل گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وسوسہ اور مسموم پروپیگنڈا کا پہلے سے ہی دروازہ بند کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و تربیت ہی ماں باپ اور دادا سے دور ہوئی بلکہ پورے خاندان سے دور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بچپن بادیۂ بنی سعد میں گزارا۔

اور جب دادا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپ کے چچا ابوطالب نے کی تو یہاں بھی اسی حکمتِ الٰہی کا تتمہ نظر آتا ہے کہ وہ آخر دم تک مسلمان ہی نہیں ہوئے تاکہ کسی کو یہ وہم بھی نہ گزرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے خیالات و افکار کو بھی عمل و دخل تھا۔ اور یہ بدگمانی بھی نہ ہو سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آسمانی پیغام نہیں بلکہ وہ دراصل خاندان و قبیلہ اور سرداری و منصب کا مسئلہ تھا۔

بلکہ اس سلسلہ کی آخری کڑی مال کی فراوانی ہو سکتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

بڑے مالدار تھے جس کے بل بوتے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شیطانی خیال کو بھی اُبھرنے کا موقع نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وراثت میں کل پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک حبشی لونڈی ملی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرنے والے چچا ابوطالب کے کثیر العیال اور قلیل المال ہونے پر تاریخ شاہد ہے۔

اور پھر نبوت و رسالت کوئی کسبی مقام نہیں کہ اسے محنت و ذہانت کے بل بوتے پر حاصل کیا جا سکتا ہو۔ یہ تو اصطفاء و اختیارِ الٰہی ہے۔

اگر بالفرض یہ قرابت دارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندہ بھی رہتے تو کیا وہ کوئی ایسا اندازِ تربیت اختیار کر سکتے تھے جو اِن کے نورِ نظر کو نبی بنا دیتا؟ نہیں، اور ہرگز نہیں۔ قرآن شاہد ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام دنیاوی نشیب و فراز، تجرباتِ حیات اور حکمت و دانائی ہی نہیں، بلکہ مقامِ نبوت پر بھی فائز مگر اپنے لختِ جگر حضرت یوسف علیہ السلام کے لیئے کوئی کورسِ نبوت مقرر نہ کر سکے بلکہ اُلٹا بچھڑ گئے اور مدتِ مدید کے بعد جب ملے تو پتہ چلا کہ وہ بھی مقامِ نبوت پر سرفراز ہو چکے ہیں۔ [۱۴۷]

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یتیم پیدا ہونا اور پھر والدہ اور دادا کا جلدی ساتھ چھوڑ جانا بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔

~~~~

[۱۴۷] ۔ فقہ السیرہ، محمد الغزالی تحقیق البانی ص ۶۲

فقہ السیرۃ، ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی ص ۵۰۔۵۱
~~~~

ابو طالب کی آغوشِ کفالت

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بکریاں چرانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب جب قریبِ مرگ تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے ابو طالب کو وصیت کی کہ وہ آپ کو اپنی آغوشِ کفالت و تربیت میں لے لیں۔ آپ کے چچا تو اور بھی تھے مگر ابو طالب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی دونوں ایک ہی ماں کے شکم سے تھے۔ دوسرے چچاؤں کی مائیں الگ تھیں۔ اس لحاظ سے ابو طالب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی ماں باپ ہر دو جانب سے حقیقی اور سگے بھائی تھے۔ رشتہ کی اس گہرائی اور قرابت کے پیشِ نظر دادا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی وصیت ابو طالب کو کی۔ انہوں نے بھی اس ذمہ داری کو بڑے احسن طریقے سے تادمِ آخر نبھایا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے بچوں کی بھی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ سوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر باہر جاتے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب بچپنی و کم سنی کی حدود سے گزر کر لڑکپن میں داخل ہوئے اور اچھی طرح ہوش سنبھالا تو محسوس کیا کہ میرے شفیق چچا کثیر العیال ہیں اور مادی حیثیت سے قلیل المال۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی محبت و شفقت کے پیشِ نظر ان کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں بھی چرائیں اور اسی دوران آپ کو شقِ صدر کا واقعہ دوسری مرتبہ

Marfat.com

پھر پیش آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف دس سال اور چند ماہ تھی۔[۱۴۸]
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بکریاں چرانا بڑا معروف واقعہ ہے جسے امام بخاری اور دیگر ائمہ حدیث نے صحاح و سنن میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنن انبیاء میں سے قرار دیا۔ جیسا کہ بخاری شریف جلد اول کتاب الاجارۃ میں ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھڑ بیریاں (پیلو) توڑ توڑ کر کھانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُهُ

ان بیروں (پیلو) میں سے جو خوب سیاہ ہو چکے ہیں وہ توڑ توڑ کر کھاؤ، وہ زیادہ مزے کے ہوتے ہیں۔

اور فرمایا کہ یہ میرا اُس زمانے کا تجربہ ہے جب مَیں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے پوچھا کیا آپ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔

وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا قَدْ رَعَاهَا۔[۱۴۹]

اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

---

[۱۴۸] :۔ الفتح الربانی ۹۶/۲۰-۱۹۵، الحدیث من زوائد المسند ورجالہ ثقات: وأخرجہ ابن حبان والحاکم وابن عساکر والضیاء فی المختارۃ وأوردہ الہیثمی فی المجمع وقال: رواہ عبداللہ (ابن الامام احمد) ورجالہ ثقات وثقہم ابن حبان۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری کتاب التوحید میں اس شق صدر کو جزماً بیان کیا ہے قاسمی۔

[۱۴۹] :۔ مسند احمد بسند جید عن جابر ابن عبداللہ،
انظر الفتح الربانی ۱۵/ ۱۲۷۔

اور یہی حدیث بخاری شریف میں بھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

ما بعث الله نبیاً الا رعی الغنم ، فقال أصحابه ، وأنت : فقال نعم ، کنت أرعاها علی قراریط لاهل مکة [150]

اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھی ایسا مبعوث نہیں فرمایا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی بکریاں چرائی ہیں ؟ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا : ہاں ۔ میں اہلِ مکہ کی بکریاں، قراریط (اجرت) پر چرایا کرتا تھا۔

اور ابن ماجہ میں ہے ؛

وَکُنتُ أرعاها لاهل مکة بالقراریط [151]

میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔

اور ایک حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الفخرُ والخُیلاءُ فی أهل الأبل والسکینةُ والوقارُ فی اهل الغنم [152]

فخر و تکبر اُونٹ چرانے والوں میں ہوتا ہے۔ اور بُردباری و وقار، بکریاں چرانے والوں کا خاصہ ہے۔

حسن البنا شہید کے والد گرامی نے اپنی عظیم تالیف الفتح الربانی جزء ۲۰/۱۹۵ پر اہلِ علم نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

---

[150] :- بخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ۴/۳۴۹ ، فقہ السیرۃ محمد الغزالی ۔

[151] :- بقول سوید بن سعید شیخ ابن ماجہ - قراریط جمع ہے قیراط کی ۔ یعنی ہر بکری چرانے کے عوض ایک قیراط ۔ اور سندھی نے حاشیہ ابن ماجہ میں لکھا ہے کہ قیراط ایک دینار کے جزء کو کہا جاتا ہے ۔ اور اکثر ممالک میں ایک

(باقی آگے)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام کو قبل از نبوت بکریاں چرانے کے الہام میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ انہیں عنقریب جو عالمِ انسانیت کی گلہ بانی سونپی جانے والی ہے اس کا انہیں تجربہ ہو جائے اور حلم و بردباری، صبر و شکیب اور تواضع و انکساری جیسی صفات اُن میں خوب راسخ ہو جائیں۔ اور یاد رہے کہ عربوں میں بکریاں چرانا کوئی معیوب کام بھی نہیں تھا بلکہ بڑے بڑے شرفاء و اُمراء کے بچے بکریاں چرایا کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ) دینار کا بیسواں جُزء قیراط کہلاتا ہے۔ جب کہ اہل شام کے نزدیک چوبیسواں جُزء ہے اور ایسے ہی مصر میں بھی ہے۔ (الفتح الربانی - ۱۵/۱۲۷)

اور اسی رائے کو امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وُہ اس حدیث کو باب الإجارہ میں لائے ہیں۔ لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اَجیاد کے قریب ہے۔ ابن الجوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

اور عینی نے عمدۃ القاری (۶/۶۳۱) میں بحث و دلائل سے ابن الجوزیؒ کی رائے کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔ (سیرت النبیؐ شبلی ۱/۱۷۸ حاشیہ)

سے ۓ: مسند احمد، الفتح الربانی ۱۵/۱۲۷ و ۲۰/۱۹۴۔

سفرِ شام اور بحیرہ راہب کا قصّہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب تجارت پیشہ تھے۔ اور جب وہ اس غرض سے دیگر اعیانِ قریش کے ساتھ سفرِ شام کے لیئے نکلنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اصرار کیا کہ مَیں بھی ساتھ چلوں گا۔ لہٰذا ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے لیا۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بارہ ۱۲ سال دو ۲ ماہ اور دس ۱۰ دن تھی۔[۱۵۳]

اور جب یہ قافلہ شام کے شہر "بُصریٰ" پہنچا تو انہوں نے ایک اہلِ کتاب عالم المعروف "بحیرہ راہب" کی عبادت گاہ کے قریب ڈیرہ لگایا۔ تاریخ و سیرت کی اکثر کتابوں حتیٰ کہ صحاح ستہ کی ایک کتاب "ترمذی شریف" اور بعض دیگر کتبِ حدیث میں بھی مذکور ہے کہ :[۱۵۴]

قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے پہلے بھی وہاں ٹھہرا کرتے تھے مگر وہ بحیرہ راہب کبھی اپنے صومعہ سے باہر نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی اُس نے کبھی کسی قافلے پر توجہ دی تھی لیکن اس مرتبہ وہ اپنی خلوت گاہ سے نکلا اور نہ صرف اہلِ قافلہ کے پاس چل کر آیا بلکہ اس نے ان سب کی دعوت بھی کی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ابھی بارہ سال

---

۱۵۳ :۔ عام مورخین اور سیرت نگاروں نے بارہ ۱۲ سال عمر لکھی ہے۔ جبکہ ماہ و سال اور دن کی تحدید امام ابن الجوزی اور مقریزی نے کی ہے (الرحیق المختوم ص ۶۷، نقلاً عن تلقیح فہوم اہل الاثر، لابن الجوزی ص ۷، و امتاع الاسماع للمقریزی ۸/۱ قطر۔ اور بعض مورخین نے اس واقعہ کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر نو سال لکھی ہے۔

۱۵۴ :۔ ترمذی شریف کے علاوہ یہ حدیث بزار، رزین اور مستدرک حاکم میں بھی ہے اور بیہقی و ابونعیم نے دلائل میں اور خرائطی، ابن عساکر اور ابن ابی شیبہ نے بھی اسے بیان کیا ہے (حاشیہ الروض الآنف ۲۲۴/۲، تحفۃ الاحوذی ۱۰/۴ فقہ السیرہ، تعلیق الالبانی ص ۶۸ ۔

کے کمسن بچے تھے، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک پکڑا، اور کہا کہ اس بچے کا ولیٔ امر یا سرپرست کون ہے؟ ابوطالب نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے! راہب نے کہا کہ تمہاری بات صحیح نہیں، کیونکہ ہماری کتاب کے مطابق! اس کا باپ تو زندہ ہی نہیں ہونا چاہیئے، تو ابوطالب نے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ اور اس کے پوچھنے پر باپ کے بارے میں بتایا کہ وہ اُس وقت فوت ہو گئے تھے جبکہ یہ بچہ ابھی شکمِ مادر میں تھا۔ تب اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کھول کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان پائی جانے والی "مہرِ نبوت" [١٥٥] بھی انہیں دکھائی اور بتایا کہ یہ بچہ "سرورِ عالم" اور "رحمۃ للعالمین" بننے والا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نبوت و رسالت کے لیئے منتخب کرے گا۔

اہلِ قافلہ نے پوچھا کہ یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہیں؟ تو اُس نے جواب دیا کہ جب تم اس گھاٹی سے اُتر رہے تھے تو کوئی شجر و حجر یا درخت اور پتھر ایسا نہ تھا جو سجدہ ریز نہ ہوا ہو۔ اور یہ کسی نبی کے سوا ایسا نہیں کرتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے مابین "مہرِ نبوت" بھی اس کی علامت ہے۔ اور جب یہ بچہ اونٹوں کو باندھ کر اس درخت کی طرف آرہا تھا تو اُسے بادل کا

١٥٥۔ امام سہیلی نے الروض الأنف (٢/ ٢٢١ تا ٢٢٣) میں "من صفاتِ ختم النبوۃ" کے عنوان کے تحت آٹھ روایات کا ذکر کیا ہے جن میں مہرِ نبوت کے بارے میں مذکور ہے۔ جن کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ آپؐ کے دونوں شانوں کے مابین پشت مبارک پر کچھ گوشت اُبھرا ہوا سا تھا جو سیب۔ انڈے یا حجلۂ عروس کے بڑے بٹن کے مانند تھا اور اس پر کالے بال بھی تھے۔ اور تاریخ حاکم وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس مہرِ نبوت پر لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ" جبکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اس بات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں اور ابن حبان میں اس بات کے مذکور ہونے اور صحیح ذکر کرنے سے دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔ یہ تصحیح ان کی غفلت کا نتیجہ ہے

(عارضۃ الأحوذی شرح ترمذی لابن العربی ٧/ ١٣/ ٧/ ١٠٦ طبع سوریا)

Marfat.com

کا ایک ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے قریب پہنچے تو قریش ساری سایہ دار جگہ پر قبضہ کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ بھی ڈھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا۔ ان تمام علامتوں کے پیش نظر بحیرہ نے ابوطالب سے کہا کہ اِسے اپنے ساتھ یہاں سے آگے ہرگز نہ لے جانا، وَرنہ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں گے۔

اسی دوران سات رومیوں کا ایک وفد بھی یہاں آ پہنچا۔ بحیرہ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس وقت کوئی ایسا راستہ نہیں جس پر نبی موعود کی تلاش میں پہرے نہ بٹھا دیئے گئے ہوں۔ اور ہمیں اس راستے کی طرف بھیجا گیا ہے کہ جب اور جہاں بھی اس کو پائیں وہیں قتل کر دیں۔ بحیرہ راہب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ سرانجام دینا چاہے کیا دُنیا کی کوئی طاقت اُسے روک سکتی ہے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ تو اُس نے کہا: تب پھر تم اپنے ارادوں سے باز آجاؤ۔ بلکہ میرے ساتھ عہد کرو کہ تم اُسے کوئی ایذا نہیں پہنچاؤ گے۔ وہ اس راہب کی بات پر قائل ہو گئے۔ اپنے ارادے بدل دیئے۔ اور واپسی کی بجائے راہب ہی کے ہو کر رہ گئے۔

اب راہب نے پھر ابوطالب سے اصرار کیا کہ اس بچے کو واپس بھیج دو، تو ابوطالب نے وہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھیجا۔ اور اس راہب نے کچھ کیک و بسکٹ اور زیتون بطور زادِ راہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر بھیجا۔[156]

---

[156]۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری ۱۰/۹۰ تا ۹۲۔ طبع مدنی۔ بلوغ الامانی من اسرار (آگے)

Marfat.com

یہ قصہ عام سیرت نگاروں کے یہاں بڑا معروف ہے مگر اہلِ تحقیق علماء نے بحیرہ کے اس واقعہ کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

داستانِ بحیرہ پر عیسائی مصنّفین کے برگ و بار

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بحیرہ راہب کی داستان محقق اہلِ علم اور سیرت نگاروں کے نزدیک سند و متن ہر دو اعتبار سے غیر معتبر ہے۔ مگر قبولِ روایت میں تساہل پسند مصنّفین کی وجہ سے یہ واقعہ عام مسلمانوں میں بڑا معروف و مقبول ہے۔

کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کم سنی میں ہی نبیٔ موعود ہونے کی حیثیت سے پہچانے گئے۔ اور بچپن میں ہی بادل سایہ کرنے لگے۔ شجر و حجر سجدہ ریز ہو گئے وغیرہ۔

یہ ایسے امور ہیں کہ جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار پایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ زبان زدِ خاص و عام ہو گیا۔

اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ یہی قصہ عیسائی مصنّفین اور مستشرقین میں بھی بڑا معروف و مقبول ہے۔ اُن دشمنانِ اسلام نے اس واقعہ کو خوب اُچھالا۔ بلکہ سر ولیم میور، ڈریپر اور مارگولیوس وغیرہ تو اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں۔ اور وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار (نعوذ باللہ) اسی راہب سے سیکھے۔ اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے اُنھی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائدِ اسلام کی بنیاد رکھی۔ اور اسلام کے تمام اصول اُنھی نکتوں کے شروح و حواشی ہیں۔

(باقی حاشیہ) الفتح الربانی للبناء ۲۰/۱۹۶، البدایہ والنہایہ ۲/۲۸۷-۲۸۳، ابن ہشام ۱/۹۷-۱۶۵، تاریخ طبری (اردو طبع نفیس اکیڈمی کراچی) ۱/ ۵۸ تا ۶۰۔

Marfat.com

ڈریپر نے اپنی کتاب "معرکۂ علم و مذہب" میں لکھا ہے کہ بحیرہ راہب نے بصریٰ کی خانقاہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عیسائی (نسطوری فرقہ کے) عقائد کی تعلیم دی.... آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا....... بعد میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طرزِ عمل سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوری فرقہ کے عیسائیوں کے مذہبی عقائد نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کہاں تک قابو پالیا تھا۔

ولیم میور نے بھی نہایت آب و رنگ سے یہ ثابت کرنے کی نامسعود کوشش کی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بت پرستی سے جو نفرت تھی اور ایک جدید مذہب کا جو خاکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قائم کیا وہ (نعوذ باللہ) سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب و مشاہدات کے نتائج تھے۔

پروفیسر سیڈیو (تاریخ العرب العام ص ٦٦) اور گستاف لوبون (حضارۃ العرب ص ۱۳۰) نے اپنی اپنی کتاب میں چارہ سازی کی ہے اور زور دیا ہے کہ آپؐ نے اس سفر میں بحیرہ سے (نعوذ باللہ) تورات پڑھی تھی۔

اور فرانسیسی مصنف "کارا" نے تو اس موضوع پر مستقل ایک کتاب لکھ ماری۔ جس کا نام "مؤلفِ قرآن" رکھا۔ اور اس میں اس نے اپنی تمام سعیٔ نامشکور اس بات پر صرف کر دی کہ پورا قرآن ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیرہ سے سیکھا تھا۔ اور کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار مارگولیوس نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں کیا ہے۔

قارئین!

نقلِ کفر، کفر نباشد کے پیشِ نظر ہم نے یہ چند عبارتیں نقل کر دی ہیں، تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں کہ ان عیسائی پادریوں اور مصنفین نے کس طرح رائی کا پہاڑ بنایا ہے۔

اور ذراسی بات کو افسانہ کر دیا ہے۔

اوّل تو بحیرہ کا واقعہ ہی صحیح نہیں۔ اگر اسے صحیح مان ہی لیا جائے تو بات صرف اتنی ہے کہ وہ ملا، اُس نے بعض علامات کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی بشارت دی۔ اور از راہِ عقیدت سارے قافلے کو کھانا کھلایا۔ مگر ان معاندینِ اسلام اور دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو یہ برگ و بار بھی لگا دیئے۔

حالانکہ آپ تاریخ و سیرت کی کوئی کتاب اٹھالیں جس میں یہ واقعہ مذکور ہو، اس میں آپ کو کہیں کوئی ایک لفظ بھی ایسا نظر نہیں آئے گا جس سے یہ شک بھی گزر سکتا ہو کہ بحیرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تعلیم دی تھی۔

عیسائی اگر داستان کو صحیح مانتے ہیں تو پھر انہیں اُسی طرح ماننی چاہیئے جیسی کہ وہ ہے اس میں بحیرہ کی تعلیم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور کسی فکرِ سلیم کے مالک شخص کے لیئے یہ بات قرینِ قیاس بھی نہیں کہ دس بارہ سال کا بچہ چند گھنٹوں میں تمام اسرار و رموزِ مذہب سیکھ پائے۔

اور اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم بحیرہ کے تعلیم یافتہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحیدِ خالص کی دعوت کیوں دی؟ نظریہ تثلیث و صلیب کا پُرزور ردّ کیوں کیا؟ اور اگر نظریۂ توحید اور ردِّ تثلیث و صلیب اُسی راہب نے سکھلایا تھا تو آج عیسائی اپنے اُس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کر لیتے؟[۱۵۷]

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ ؎

دروغ گو را حافظہ نباشد

[۱۵۷]: رحمۃ للعالمین ۱/۴۲، سیرت النبی ۱/۱۷۹، متن و حاشیہ السیرۃ النبویۃ۔ علی میاں ندوی ص ۷۶ حاشیہ۔

Marfat.com

داستانِ بحیرہ کی

علمی تحقیق

سفرِ شام کے دوران بحیرہ راہب کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات جس کی بعض تفصیلات اور ان پر عیسائی برگ و بار کا ذکر ہو چکا ہے۔

یہ داستان جتنی مشہور ہو چکی ہے اتنی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اہلِ تحقیق علماء نے اسے کئی وجوہات اور دلائل کی روشنی میں غیر معتبر قرار دیا ہے۔

اوّلاً:۔ اس روایت کے جتنے بھی طریق یا اسناد ہیں، وہ سب مرسل ہیں۔
یعنی راوی اوّل اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت خود تو وہاں موجود نہیں تھے۔ اور اس راوی کا نام نہیں لیتے جو شریک واقعہ ہے۔

ثانیاً:۔ اس روایت کا سب سے مستند طریق ترمذی شریف والا ہے۔ اور اس میں بھی کئی باتیں قابلِ توجہ ہیں۔

پہلی بات:۔ یہ کہ خود امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب قرار دیا ہے جبکہ حسن کا درجہ صحیح سے کم، اور غریب کا کم تر ہوتا ہے۔

دوسری بات:۔ یہ کہ اس روایت کے راوی اوّل حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بارے میں مورخِ اسلام حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ (۲/۲۸۵)، اور السیرۃ النبویۃ (۱/۲۴۴ حلبی بحوالہ فقہ السیرۃ ص ۶۹) میں صراحت کی ہے کہ وہ ۷ھ میں فتح خیبر کے سال اسلام لائے۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقوع کے وقت وہ خود موجود نہیں تھے۔ اور نہ ہی انہوں نے کسی عینی شاہد کا حوالہ دیا ہے۔ اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ یہ بات میں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔

Marfat.com

تیسری بات :۔ یہ کہ اس سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہیں جن کو کئی حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے۔ مگر اکثر اہلِ فن نے اس کی نسبت عدمِ اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ جیسا کہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں بھی بیان کر دیا کرتے تھے۔ اور ان میں سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس میں بحیرہ کا واقعہ مذکور ہے۔

چوتھی بات :۔ یہ کہ امام حاکمؒ نے مستدرک میں اس روایت کو بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق قرار دیا تو علامہ ذہبی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے تلخیص المستدرک میں لکھا ہے کہ "میں اس روایت کے بعض واقعات کو موضوع اور بعض کو من گھڑت اور باطل سمجھتا ہوں۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ جو کہ بخاری کے شارح ہیں۔ انہوں نے تہذیب التہذیب میں انہی عبدالرحمٰن کے بارے میں اس قدر صراحت کی ہے۔ کہ وہ کبھی کبھی خطا کر جایا کرتے تھے۔ لہٰذا ان کی طرف سے اس روایت (یا اس کے بعض واقعات) کی صحت میں شبہ ہو سکتا ہے[۱۵۸]

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ نے اپنی مشہورِ عالم کتاب "زاد المعاد" (۱/۱۷) میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

ترمذی والی روایت کے آخر میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ بحیرہ کے اصرار پر جب ابوطالب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیجنے لگے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی (برائے خدمت) بھیج دیا۔ جب کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں اتنے چھوٹے تھے کہ شاید اس واقعہ کے

۱۵۸:۔ سیرت النبیؐ شبلی ۱/۱۸۰، ۱۸۱)

Marfat.com

وقت وہ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔ اور اگر پیدا ہو چکے تھے تو کم از کم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھے۔ اور اس بات کی مزید وضاحت علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے جزری سے نقل کرتے ہوئے کی ہے۔

علامہ موصوف تحفۃ الأحوذی شرح ترمذی (۹۳/۱۰) میں لکھتے ہیں کہ:۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال تھی، تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال ہوگی۔ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال کم عمر تھے۔[۱۵۹]

اور بلال رضی اللہ عنہ اتنے کم سن تھے کہ شاید اس واقعہ کے وقت وہ وجود میں بھی نہ آئے ہوں۔ لہٰذا اس روایت میں ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما کا ذکر غیر محفوظ بلکہ مجرد وہم ہے۔

اور قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں، اور زرقانی نے شرح المواہب میں نقل کیا ہے کہ:۔

امام ذہبیؒ نے اسی ذکرِ ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بقول یعمری حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے کم و بیش ۳۰ سال بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچے تھے۔

اور قاضی منصور پوری رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے کہ قرآنی آیت:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔

(البقرۃ الآیۃ ۸۹) سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی نبیٔ موعود کے انتظار میں رہتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک ان کا یہ عقیدہ رہا کہ آپ صلی اللہ

---

[۱۵۹] یہ اس وقت ہے جب آپؐ کی عمر بارہ سال سمجھی جائے۔ اور جب طبری (۵۹/۱، اردو) وغیرہ کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر نو سال تسلیم کی جائے (جسے علی میاں ندوی نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ میں زیادہ صحیح قرار دیا ہے) تو اس صورت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر صرف سات سال ہوگی۔ اور ان ہر دو شکلوں میں ان کا تجارت کے لیے اہل ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔ (باقی آگے)

Marfat.com

علیہ وسلم کی بعثت سے ہمیں مشرکین پر فتح و نصرت حاصل ہوگی۔

لہٰذا خود بحیرہ کا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس بھیج دو، ورنہ یہودی قتل کر دیں گے، بالکل جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہودی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس لڑکپن میں پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد کے مطابق اپنی فتح و نصرت کا دیو سمجھ کر نہایت خدمت گزاری کرتے۔[160]

یہ قصہ بقول حافظ ابن کثیرؒ (البدایۃ ۲/۲۸۵) مرسلات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہے۔ اور اس کے علاوہ اس روایت (قصہ) میں تناقضات بھی عجیب او بکثرت ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ امام زہری رحمہ اللہ نے اس راہب کو یہودِ تیماء میں سے قرار دیا ہے جبکہ مسعودی نے مروج الذہب میں بنی عبد القیس کا عیسائی لکھا ہے۔

۲۔ کہیں اس راہب کا نام سرجس ہے، کسی روایت میں جرجس ہے، اور کسی میں جرجیس اور کسی میں نام ہی نہیں ہے۔

۳۔ کسی روایت میں مذکور ہے کہ راہب عبادت گاہ سے باہر آگیا، اور دعوت دی۔ اور کسی میں ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے صومعہ میں گئے۔

۴۔ کسی روایت میں مذکور ہے کہ راہب نے ابو طالب کو یہودیوں سے ڈرایا، اور کسی میں ہے کہ رومیوں (نصاریٰ) سے ڈرایا۔

۵۔ کہیں سات رومیوں کا ذکر ہے اور کہیں نو یا کم و بیش کا۔

۶۔ کسی مؤرخ و سیرت نگار نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ تب پیش آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے ساتھ سفر پر تھے۔ اور بعض نے لکھا

---

[160]۔ ترجمہ: اور پہلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ [161]۔ رحمۃ للعالمینؐ ۱/۴۲

Marfat.com

ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں گئے تھے، وغیرہ۔[۱۶۲]

انہی امور کے پیشِ نظر یہ داستان ناقابلِ اعتبار ہے۔ اور دورِ حاضر کے علماء و محققین میں سے شیخ محمد غزالی مصری، علامہ قاضی سلیمان منصور پوری اور علامہ شبلی نعمانی نے ترمذی وغیرہ میں مذکور اس داستانِ بحیرہ کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔[۱۶۳] جبکہ ابن سعد کی روایت بھی مرسل یا معضل ہے۔

۱۶۲۔ قالہٗ عبدالرحمان الوکیل، حاشیہ الروض الأنف ۲/۲۲۶ - ۲۲۷۔

۱۶۳۔ فقہ السیرۃ ص ۶۹، رحمۃً للعالمین ۱/۴۲، سیرت النبی شبلی ۱/۱۸۰ - ۱۸۱،

حافظ ابن حجرؒ نے (ماسوا ذکر ابوبکر و بلال رضی اللہ عنہما) اس روایتِ ترمذی کو صحیح قرار دیا ہے۔ (سیرت النبیؐ ۱/۱۸۱)۔ امام جزری اور شیخ البانی نے بھی اسی طرح اسے صحیح کہا ہے۔ اور بزار کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس روایت میں بلالؓ کی بجائے "کسی آدمی" کا ذکر ہے۔

(فقہ السیرۃ، محمد الغزالی، تعلیق الالبانی ص ۶۸)

Marfat.com

حربِ الفجار میں شمولیت

ظہورِ اسلام تک عربوں میں لڑائیوں کا جو طویل سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ اُن میں سے چار لڑائیاں حروبِ فجار کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہ چاروں لڑائیاں "اشہر حرم" ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں سے کسی نہ کسی ماہ میں وقوع پذیر ہوئی تھیں۔ اور چونکہ ان چاروں مہینوں میں چوری، ڈاکہ، قتل و غارت اور جنگ و جدال کو اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی اچھا خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ ان امور کو فجور و گناہ سمجھتے تھے۔ اور جب یہ چاروں لڑائیاں ہی انہی حرمت والے مہینوں میں واقع ہوئیں تو ان کا نام ہی "حروب فجار" رکھ دیا گیا۔

معروف مؤرخ مسعودی عنے ان چاروں حروبِ فجار کے الگ الگ نام اور ہر لڑائی میں فریقین بھی ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے

پہلی لڑائی کا نام "فجار الرجل یا فجار بدر بن معشر"۔ اور

دُوسری کا نام "فجار القرد" تھا۔ یہ دونوں لڑائیاں بنی کنانہ اور ہوازن کے مابین

تیسری لڑائی کا نام "فجار المرأۃ" تھا جو قریش اور ہوازن کے درمیان لڑی گئی جبکہ

چوتھی لڑائی کا نام "فجار البراض" تھا۔ یہ لڑائی ذوالقعدہ میں ہوئی تھی۔ اس میں ایک طرف قریش و کنانہ، اور دُوسری طرف ہوازن، بنی قیس تھے۔

اور چوتھی و آخری حربِ فجار کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بیس سال اور بعض مورخین کے بقول پندرہ سال ہو چکی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ

---

۱۶۳ سورۃ التوبہ/۳۰) ان عدۃ الشھور...... فیھن انفسکم (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان بنائے اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں۔ یہی ٹھیک ضابطہ ہے لہٰذا تم ان (چار) مہینوں میں اپنے اُوپر ظلم مت کرو۔

بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی الگ الگ فوجیں تیار کی تھیں۔ اور ان سب دستوں کا مشترکہ کمانڈر ابوسفیانؓ کا باپ اور حضرت امیر معاویہؓ کا دادا حرب بن امیہ تھا۔ جو عمر میں سب سے بڑا اور اپنے قبیلے کا تجربہ کار اور معزز شخص تھا۔ اور آلِ ہاشم کے علمبردار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر تھے۔ اور اسی صف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ دن کے آغاز میں تو ہوازن، بنی قیس کا پلہ بھاری رہا مگر دوپہر کے بعد کنانہ و قریش کو غلبہ حاصل ہوگیا۔ اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہوا۔ اس جنگ میں چونکہ قریش حق پر تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی۔ اور اپنے چچاؤں کا دشمن کے نیزوں سے دفاع کرتے رہے۔ مگر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ بلکہ امام سہیلی نے تو الروض الأنف میں یہاں تک لکھا ہے:

وانما لم يقاتل رسول الله صلى الله عليه وسلم مع اعمامه وكان ينبل عليهم وقد كان بلغ سن القتال لانها كانت حرب فجار وكانوا ايضاً كلهم كفاراً ولم يأذن الله تعالى لمؤمن ان يقاتل الا لتكون كلمة الله هي العليا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچاؤں کے ساتھ مل کر حرب فجار میں بنفس نفیس جنگ نہیں کی۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر قتال و جنگ کو پہنچ چکے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی حرمت والے مہینوں میں ہو رہی تھی۔ اور جنگ و قتال میں بنفس نفیس شرکت نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ فریقین ہی کافر تھے۔ اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم اللہ تعالیٰ نے صرف

Marfat.com

اس لیئے دیا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، اور اس کا بول بالا ہو۔

اس لڑائی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ایسی تھی کہ جس دور میں پیش آنے والے واقعات ہمیشہ یاد رہ سکتے ہیں۔ مگر اس شمولیت کے بارے میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معتد بہ حدیث نہیں ملتی۔ مگر مورخین اور سیرت نگاروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرکت کرنا معروف ہے۔[۱۶۵]

حلف الفضول میں شرکت

آغازِ اسلام سے قبل عربوں میں ہونے والی لاتعداد اور مسلسل لڑائیوں نے بیشمار گھرانے برباد کر دیئے تھے۔ اور قتل و غارت گری ان کی ایک موروثی عادت بن چکی تھی۔ ان جگر خراش حالات کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کے دلوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جب یہ لوگ حربِ فجار سے واپس لوٹے تو قریش کے سرکردہ فرد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تجویز پر بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی تمیم وغیرہ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے اور وہاں سب نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ:

"ہم سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا۔ اور کوئی ظالم مکہ میں رہنے نہیں پائے گا۔"

اس معاہدہ کا فوری محرک یہ ہوا کہ یمن کا ایک زبیدی شخص مالِ تجارت لے کر مکہ آیا تو عاص بن وائل سہمی نے اس سے وہ مال خرید لیا۔ مگر اس کی قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس زبیدی نے اپنے حلیفوں عبدالدار، مخزوم، جمح،

۱۶۵:۔ الروض الأنف للسهيلي وتعليق الشيخ عبدالرحمن الوكيل ۲/۲۳۳ - ۲۳۶، الفتح الربانی، بلوغ الأمانی (آگے)

Marfat.com

سہم اور عدی سے مدد طلب کی مگر کوئی بھی اس کے لیئے تیار نہ ہوا۔ تو وہ جبلِ ابی قبیس پر چڑھ کر باوازِ بلند ایسے شعر کہنے لگا جن میں اُس نے اپنی داستانِ مظلومیت کی خوب دُہائی دی۔ تو عمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم زبیر بن عبدالمطلب اُٹھے اور اس شخص کا سارا واقعہ معلوم کرنے کے بعد مختلف خاندانوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اور مل کر یہ معاہدہ کیا۔ اور پھر سب مل کر عاص سہمی کے پاس گئے۔ اور اس سے زبردستی زبیدی کا حق دلوایا۔

اور یہ عاص سہمی وُہی بدبخت و بدنصیب شخص ہے جس کا قصہ قرآن پاک میں بھی ہے۔ اور سورۂ مریم کی آیات اس کے بارے میں نازل ہوئیں۔ جو یہ ہیں۔

اَفَرَاَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ (مریم، ۷۷ تا ۸۰)

کیا پس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں تو (آخرت میں) مال اور اولاد سے نوازا ہی جاتا رہوں گا۔ کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد (و اقرار) لے رکھا ہے؟ ہرگز نہیں (بلکہ) جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اُسے لکھ لیتے ہیں، اور اس کے لیئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے۔ اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث رہ جائیں گے اور وہ تنہا ہمارے پاس آئے گا۔

(باقی حاشیہ) من اسرار الفتح الربانی ۲۰/۱۹۷، ابن ہشام ۱/۷۰-۱۶۸، البدایۃ والنہایۃ ۲/۹۰-۲۸۹

سیرت النبی مشبلی ۱/۸۲-۱۸۱۔

Marfat.com

یہی معاہدہ یا حلف نامہ تاریخِ اسلام میں حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس معاہدہ کا نام حلف الفضول ہونے کی وجہ یہ تھی کہ پہلے پہل اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا، ان کے نام میں فضیلت کا مادہ فضل (ف، ض، ل) پایا جاتا تھا۔ مثلاً:

فضیل بن حرث، فضیل بن واعہ، اور مفضل وفضل وغیرہ۔

اور اس مادے کی جمع فضول بنتی ہے۔ لہٰذا یہ معاہدہ ہی "حلف الفضول" کے نام سے مشہور ہوگیا۔

ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس معاہدۂ خیر میں شریک ہوئے تھے اور عہدِ نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:۔

لقد شهدتُ مع عمومتی حلفًا فی دار عبد اللهِ بن جدعان، ما أحب أنّ لی به حمر النعم ولو دعيتُ به فی الإسلام لأجبتُ [۱۶۶]

میں نے اپنے چچوں کے ساتھ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں طے پانے والے معاہدے میں شرکت کی تھی۔ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر کوئی مجھے سُرخ اُونٹ بھی دیتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اور آج عہدِ اسلام میں بھی اگر مجھے کوئی کسی ایسے معاہدے کے لیئے بُلاتے تو میں حاضر ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات میں اس معاہدہ کی کس طرح ستائش کی گئی ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ وہ معاہدہ اگرچہ ظہورِ اسلام سے

---

[۱۶۶] سیرت ابن ہشام ۹۲/۱ طبع الجمالیہ: وقال شیخ الالبانی فی تعلیقہ علی فقہ السیرۃ ص ۷۲- ہذا سند صحیح لولا انہ مرسل۔ ولکن لہ شواہد تقویہ کما فی البدایۃ لابن کثیر ۲۹۱/۲، ما رواہ الحمیدی مرسلاً ایضاً ومسند احمد ۱۶۵۵-۱۶۷۶ من حدیث عبدالرحمٰن بن عوف مرفوعاً دون قولہ (لو دعیت...)

قبل طے پایا تھا۔ مگر ظالم چاہے کتنا ہی صاحبِ اثر و نفوذ کیوں نہ ہو، اس کا ہاتھ روکنا۔ اور مظلوم چاہے کتنا ہی ادنٰے و فقیر ہی کیوں نہ ہو، اس کی مدد کرنا عین روحِ اسلام ہے۔ فساد و شر اور بغاوت کی بیخ کنی و سرکوبی کرنا، اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ نبوت میں بھی اس معاہدہ کو بڑے اچھے الفاظ میں یاد کیا کرتے تھے۔[۱۶۷]

مالِ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تجارت

حرب الفجار کے خاتمے اور حلف الفضول کے آغاز کے ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچپن و لڑکپن کی دونوں منزلیں طے کر کے حیاتِ طیبہ کے تیسرے مرحلے یا عہدِ شباب میں داخل ہو گئے۔ اور اہلِ عرب، خصوصاً قریش چونکہ ظہورِ اسلام سے قبل بھی تجارت پیشہ تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف نے قبائلِ عرب سے مختلف تجارتی معاہدہ کے ذریعے اپنے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو خوب مستحکم اور باوقار بنا لیا ہوا تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب خود بھی تاجر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ شباب کو پہنچتے ہی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فکرِ معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔

آپ بچپن میں بھی اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ بعض تجارتی سفر کر چکے تھے۔

(بقیہ) (ولو دعیت بہ فی الاسلام لاجبت) وسندہ صحیح۔

۱۶۷۔ فقہ السیرۃ ص ۷۴ تا ۷۶، الرحیق المختوم ص ۶۸، البدایۃ ۲/۹۳-۹۲-۲۹۱، الفتح الربانی و بلوغ الامانی ۲۰/۱۹۷، سیرت النبی ۱/۸۳-۲۸۲۔

جن کے نتیجہ میں آپ کو تجارتی کاروبار اور لین دین کے معاملات میں کافی مہارت و تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ اور دورانِ تجارت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ معاملہ اور امانتداری و صداقت کی شہرت ہر طرف عام پھیل چکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکاء تجارت کی کئی شہادتیں کتبِ حدیث اور تاریخ و سیرت میں مذکور ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانتداری اور راستبازی کے ساتھ اس پیشہ کو سرانجام دیتے تھے۔

اور ابوداؤد میں ہے کہ:۔
حضرت سائب رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کی اچھے الفاظ میں تعریف بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں"۔ اور حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے شریکِ تجارت تھے۔ لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔

لا تداری ولا تماری۔[۱۶۸]

ایسے ہی ایک صحابی حضرت قیس بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ نے بھی انہی الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ معاملہ کی شہادت دی ہے۔[۱۶۹]
تجارت کی غرض سے شام، بصریٰ اور یمن وغیرہ کے متعدد سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیئے تھے۔ اُس وقت مکہ مکرمہ میں ایک معزز خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں۔ معروف مورخِ اسلام ابن الاثیر نے الکامل فی التاریخ میں لکھا ہے کہ:۔

۱۶۸:۔ ابوداؤد ۲/۳۱۷۔ ۱۶۹:۔ الاصابۃ ۵/۲۵۳۔

Marfat.com

وُہ بہت بڑی تاجر، شریف النفس اور صاحبۂ ثروت تھیں۔ اور دوسرے لوگوں کو اپنا مال دے کر تجارت کے لیئے بھیجا کرتی تھیں۔[۱۷۰]

ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے جا ملتا ہے۔ وُہ بیوہ تھیں اور اپنی شرافت نفس، پاکیزگیٔ اخلاق اور عفت و عصمت کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگ انہیں "طاہرہ" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ ان کی دولت مندی کا یہ عالم تھا کہ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے:-

"جب اہلِ مکہ کا کوئی قافلہ تجارت کے لیئے روانہ ہوتا تو اکیلی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔"

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسنِ معاملہ، راستبازی، صدق و امانت، اور پاکیزہ اخلاقی کی خبر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مالِ تجارت لے کر شام کو جائیں، اور جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس سے دُو گنا دوں گی۔ اور دورانِ سفر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت کے لیئے اپنا غلام میسرہ بھی ساتھ بھیج دوں گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس پیش کش کو قبول کر لیا، اور سفرِ شام کے لیئے تیار ہو گئے۔[۱۷۱]

---

[۱۷۰]: فقہ السیرۃ ص ۷۸۔

[۱۷۱]:- فقہ السیرۃ ص ۷۸، نقلاً عن الکامل لابنِ الاثیر، طبقات ابن سعد اُردو ص ۶۱، رحمۃ للعالمین ۴۲/۱، سیرت النبیؐ، شبلی ۱/ ۸۸-۱۷۸۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مالِ تجارت لے کر شام گئے تو توفیقِ الٰہی سے پہلے کے اُن تمام تجارتی سفروں کی نسبت جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ کیا کرتے تھے، اس سفر میں بہت ہی زیادہ منافع ہوا۔

اس سفر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خوبیوں، بزرگیوں اور صفاتِ حمیدہ کا ذکر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ جو اُس نے دورانِ سفر خود دیکھی تھیں۔ یہ تمام امور اُن کے لیے باعثِ مسرت و اطمینان تھے۔ کیونکہ ان کے بیوہ ہونے کی وجہ سے کئی بڑے بڑے قریشی سردار انہیں پیغامِ نکاح دے چکے تھے جنہیں وہ رد کر چکی تھیں، ان کے فہم و فراست کا یہ عالم تھا کہ اُن سردارانِ قریش کے پیغامات ہی سے یہ بھانپ گئیں کہ یہ لوگ مال و جمال کے بھوکے ہیں۔ لیکن جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نوجوان سے متعارف ہوئیں تو آپ کو اُن لوگوں سے مختلف ایک متوکل و قانع شخص پایا۔

شیخ محمد غزالی فقہ السیرۃ میں لکھتے ہیں کہ:۔

"جب مالِ تجارت کا حساب وکتاب ہونے لگتا تھا تو دوسرے لوگ شاید لالچ اور دھوکہ کر جاتے ہوں گے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حساب دیتے وقت یہ عالم تھا کہ نہ مال کی غرض، نہ جمال کی حرص بلکہ اپنا فرض ادا کیا اور راضی برضا چل دیئے۔ یہ بات اس "طاہرہ" کو بھا گئی۔ اور وہ اسی گمشدہ

دولت کی متلاشی تھیں۔ انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی ایک سہیلی نفیسہ بنت منبہ سے کہی تو وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پیغام نکاح لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں تاریخ وسیرت کی کتابوں میں متعدد ومتناقض روایات ملتی ہیں۔[۱۶۲]

مگر ان میں صحیح ترین روایت وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ہے۔ اس کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام نکاح کی بات اپنے چچوں سے کی، تو ان میں سے ابوطالب اور سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تاریخ نکاح کے تعین کے لیئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے۔ کیونکہ بقول امام سہیلی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد حرب فجار سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے[۱۶۳]

جب سفر شام سے واپسی کو تقریباً تین ماہ اور بالتحدید دو ماہ اور چوبیس دن[۱۶۴] ہو گئے تو تاریخ معین پر ابوطالب، امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور تمام رؤساء خاندان حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے اور پانچ سو طلائی

---

۱۶۲ :۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے۔ اور انہیں شراب کے نشے میں مخمور کر کے یہ شادی کا قرار لیا گیا۔ کیونکہ وہ شادی کے خلاف تھا، اور ہوش میں آتے ہی اس نے پھر انکار کرنا چاہا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عار دلائی وغیرہ۔

یہ روایت نہ صرف کتب تاریخ وسیرت بلکہ مسند احمد (الفتح الربانی ۲۰/ ۹۸-۱۹۷) میں بھی موجود ہے اور طبرانی میں بھی۔ اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ لیکن امام طبری نے واقدی کے حوالے سے اس روایت کو غلط وغیر صحیح قرار دیا ہے۔ (تاریخ طبری ۱/۶۲،۶۲ اردو)

۱۶۳ :۔ الروض الأنف ۲/۴۰-۲۳۸ تحقیق عبدالرحمٰن الوکیل، رئیس انصار السنہ، مصر۔ (۱۶۴ آگے)

Marfat.com

درہم حق مہر کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب نے بوقتِ نکاح خطبہ دیتے ہوئے کہا۔

اِنَّ مُحَمَّدً الایوزنُ بہٖ فتیً من قریش الّا رجح بہٖ شرفًا و نبلًا و عقلًا و اِنْ کان فی المال قلًّا، فاِنَّ المالَ ظِلّ زائل و عاریۃ مُسترجعۃ وله فی خدیجۃ بنت خویلد رغبۃٌ و لها فی مثلُ ذلک۔ [۱۷۵]

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قریش کے کسی بھی نوجوان کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو شرافت و ذہانت اور فضیلت و عقل کے اعتبار سے آپ کا پلہ ہی بھاری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ مادی اعتبار سے قلیل المال ہیں لیکن مال کی حقیقت تو کچھ نہیں، یہ تو ڈھلتا سایہ اور شئ مستعار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ بنت خویلد (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کی رغبت رکھتے ہیں۔ اور خود خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی رغبت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کی ہے۔

اس خطبہ کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد نے اپنی بھتیجی کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اس نکاح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

---

[۱۷۴]:۔ بلوغ الأمانی من اسرار الفتح الربانی ۲۰/۱۹۷، نقلاً عن بهجة المحافل، للامام عماد الدین یحیٰی بن ابی بکر العامری۔

[۱۷۵]:۔ فقہ السیرہ ص ۷۹۔

کی عمر چالیس سال تھی[۱۷۶]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا۔ اُس سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اُس کے فوت ہو جانے کے بعد انہوں نے ابو ہالہ ہند بن نباس تمیمی سے نکاح کیا۔ جس سے ان کے تین لڑکے تھے اور یہ تینوں ہی شرفِ صحابیت سے نوازے گئے، یعنی صحابی ہوئے۔

پہلا بیٹا ہالہ تھا۔ جس کا ذکر بخاری شریف میں یوں آیا ہے کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے گھر آئے اور دروازے پر اجازتِ دخول طلب کی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:- اللھمّ ھالۃ یہ اظہارِ مسرت کا ایک انداز ہے۔

دُوسرا بیٹا طاہر تھا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے چوتھائی یمن کا حاکم مقرّر فرمایا، اور وفات نبوی کے بعد تک وہ اس عہدے پر برقرار رہا۔ اور عہدِ صدّیقی میں جب فتنۂ ارتداد نے سر اُٹھایا تو انہی نے مُرتدوں کے ساتھ جنگ کی اور فتح پائی۔

تیسرا بیٹا ہند تھا۔ جو پروردۂ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم تھا۔ یہ جنگِ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور شہید ہوئے۔ انہیں وصّاف الرسُول یا وصّاف النبی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا حُلیہ مُبارک نہایت خوبی اور صحت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ امام سہیلیؒ نے تو عتیق سے بھی ایک لڑکا عبد مناف اور لڑکی ہند ذکر کیے ہیں۔[۱۷۷]

(۱۷۶، ۱۷۷ آگے دیکھیں)

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

سے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور نظریہ مختارِ کل

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی تھیں۔ اور پچیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں، وہ جب تک زندہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ اور فرزندِ رسول ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا جو کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے۔ باقی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شکمِ طاہر سے تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا بیٹا قاسم تھا، اور اسی کے نام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابو القاسم معروف ہوئی۔ یہ جگر گوشۂ رسول بچپن میں ہی فوت ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینب رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہراء اور عبد اللہ رضی اللہ عنہم اجمعین عطا فرمائے۔ اور یہ دوسرے بیٹے عبد اللہ چونکہ عہدِ نبوت میں پیدا ہوئے، لہٰذا ان کا لقب طیب اور طاہر معروف ہوا۔

یہ عبد اللہ اور ابراہیم بھی دونوں ہی بچپن میں وفات پا گئے۔ البتہ آپ

۱۷۶: انظر ایضاً سیرت ابن ہشام ۱/۷۴-۱۷۱، البدایۃ والنہایۃ ۲/۹۴-۲۹۳-
رحمۃ للعالمین ۱/۴۴، ۴۳، سیرت النبیؐ شبلی ۱/۸۸-۱۸۷

۱۷۷: رحمۃ للعالمین ۲/۱۴۴ تا ۱۴۷-

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلّم کی سب بیٹیاں جوان ہوئیں۔ اسلام لائیں اور سب نے ہجرت کی مگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سوا سب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں وفات پاگئیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد ہی ہوگیا۔[۱۷۸] جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے:۔

وعاشت بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ستة اشھر[۱۷۹]

اور وہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے (فوت ہوجانے کے) بعد صرف چھ ماہ زندہ رہیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے نورِ نظر عبداللہ کی وفات ہوئی، تو کفار و مشرکین نے کہنا شروع کردیا کہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی کوئی نرینہ اولاد باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اب دنیا میں ان کا نام لینے والا کوئی نہیں رہا۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تیسویں پارے کی سورۃ کوثر نازل فرمائی، اور اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ فرماکر بتادیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے دشمنوں کا نام لیوا ہی کوئی نہیں رہے گا۔ اور اس کے برعکس نبی مکرّم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکرِ خیر قیامت تک اذان و اقامت اور نماز و درود شریف میں ایک عالم کی زبانوں پر جاری اور دِلوں پر حاوی رہے گا۔

۱۷۸:۔ زاد المعاد ۱/۲۶ طبع قدیم، ابن ہشام ۱/۱۷۴-۱۷۵، الروض الأنف ۲/۲۳۳-۲۳۲ و فقہ السیرہ ص ۸۰۔

۱۷۹:۔ صحیح مسلم ۱۷۵۹-۵۴۔

اولاد پر فخر کرنے والے کیا جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تو تورات میں بشارت دے رکھی تھی کہ ہم اپنے نبی کا نام بلند کریں گے۔ جیسا کہ:
تورات میں ایک جگہ فرمایا،

"میں ساری پشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا۔ پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے۔" (۴۵۔ ۱۷)

دوسری جگہ فرمایا:۔

"اس کا نام ابد تک باقی رہے گا، لوگ اس کے باعث اپنے آپ کو مبارک کہیں گے، اور ساری قومیں اسے مبارک باد دیں گی۔" (۷۲۔ ۱۷)

اور ایک مقام پر فرمایا،۔

"اس کے حق میں سدا دعا ہوگی۔ اور ہر روز اُسے مبارک باد کہی جائے گی (۷۲ - ۱۵) [۱۹۰]

اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ فوت ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دم توڑتے لختِ جگر کو گود میں اٹھایا اور فرمایا:۔

یا ابراھیم لا نغنی عنك من اللہ شیئاً۔

اے ابراہیم حکم الٰہی کے سامنے ہم تیرے کسی کام نہیں آسکتے۔

پھر ارشاد فرمایا:۔

لولا انہ أمر حق ووعد حق وإن آخرنا سیلحق أولنا لحزنا علیك حزناً أشد من ھذا وإنا بك یا ابراھیم لمحزونون۔ تبکی العین ویحزن

---

[۱۹۰]: رحمۃ للعالمین ۲/۹۶۔

القلب ولا نقول ما يسخط الرب۔

ہم جانتے ہیں کہ موت تو امر حق اور وعدہ حق ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ پیچھے رہ جانے والے بھی پہلے چلے جانے والوں کے ساتھ جا ملیں گے۔ اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو ہم فراقِ ابراہیم کا غم اس سے بھی زیادہ کرتے۔ اور (موت کے یقینی ہونے کے باوجود) اے ابراہیم ہم تیرے فراق میں غمزدہ ہیں، آنکھوں میں آنسو اور دل میں غم ہے مگر زبان سے ہم کوئی ایسی بات نہیں کہیں گے جو ہمارے رب کو ناپسند ہو۔[۱۹۱]

یہی بات کتبِ تاریخ و سیرت کے علاوہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے بخاری شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

إنّ العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول إلّا ما يرضى ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون۔[۱۹۲]

آنکھیں اشکبار ہیں اور دل غمزدہ ہے۔ مگر زبان سے ہم وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہو، اور راضی کر دے، اے ابراہیم! ہم تیرے فراق میں غمزدہ ہیں۔

قارئین! ان الفاظ میں منصب و مقامِ نبوّت کی شان کا اندازہ کریں، دم توڑتے بچے کو گود میں اٹھایا تو توحید باری تعالیٰ کی تعلیم کا زبردست نقطہ بیان فرما دیا، کہ "اے ابراہیم! حکمِ الٰہی کے سامنے ہم تیرے کسی کام نہیں آسکتے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نہ صرف لمحۂ فکریہ بلکہ تازیانۂ عبرت ہیں ہمارے اُن بھائیوں کے لیئے جو حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں

۱۹۱۔ رحمۃ للعالمین ۲/۹۷

۱۹۲۔ بخاری مع الفتح ۳/۷۳۔۱۷۲ طبع دارالافتاء۔ السعودیہ۔

Marfat.com

غلو سے کام لیتے ہوئے آپ کو مختارِ کُل شمار کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے کہ تمام اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور صرف وہی مختارِ کُل ہے جس کے اختیارات لامحدود ہیں۔ اور بیچے سے مخاطب ہو کر پوری امت کو بتا دیا کہ ہمارے اختیارات کا عالم تو یہ ہے کہ:

لَا نُغْنِيْ عَنكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا

حکمِ الٰہی کے سامنے ہم تیرے کسی کام نہیں آسکتے۔

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بنائے ہوئے تصورات کے مطابق مختارِ کُل ہی ہوتے تو کم از کم اپنے دم توڑتے بچے کی سانس ہی روک لیتے۔ اگر حکمِ الٰہی کے سامنے اپنے اس عجز و انکساری کے باوجود بھی آپ مختارِ کُل ہی ہیں تو ہمارے ان عقیدہ کے حامل بھائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا ترجمہ و تعبیر کیا کریں؟

وفاتِ ابراہیمؓ پر سورج کو گرہن لگ جانا

قدیم عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب کسی بڑے آدمی کی وفات ہو تو چاند یا سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور جب ابراہیم رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو اتفاق یہ ہوا کہ اسی دن سورج کو گرہن لگ گیا۔ تو بعض مسلمانوں نے بھی اسی بات کا اظہار کیا۔ جب یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمُوْهَا فَادْعُوا اللهَ وَصَلُّوْا حَتّٰى تَنْكَشِفَ۔ (بخاری، مسلم عن المغیرۃ ابن شعبہ)

بے شک چاند اور سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں اور یہ

کسی کی موت وحیات سے نہیں گہناتیں جب تم انہیں اس حالت میں دیکھو تو دُعا کرو اور نماز پڑھو یہاں تک کہ گرہن کھُل جائے۔

صلوٰۃ الکسوف۔

اس ارشادِ نبوی کی رُو سے سُورج یا چاند کے گرہن لگنے پر دو رکعت نماز ادا کرنا سُنّت ہے۔ اس نماز کو صلوٰۃ الکسوف یا صلوٰۃ الخسوف کہا جاتا ہے جنہیں ادا کرنے کا تفصیلی طریقہ مسائلِ نماز میں ذکر ہوگا۔ اور نماز کا متعلقہ پروگرام بھی عنقریب چھپ کر منظرِ عام پر آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

عقیدۂ "مختارِ کُل" اور حضرت پیر جیلانیؒ کا نظریہ

بعض لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو بڑی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ہر ماہ ایصالِ ثواب کے لیئے "گیارہویں" بھی دیتے ہیں۔ اور انہیں نہ صرف پیر بلکہ "پیرانِ پیر" مانتے ہیں۔

ان کی تعلیمات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک زندگی، موت خوشی، غم سب کچھ صرف اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ دم مار سکے۔ اس کے سامنے ساری مخلوق ایک بے بس قیدی کی مانند ہے۔ اور انبیاء و اولیاء بھی اس کے فیصلے کے پابند ہیں۔

اس مسئلہ میں قرآن و سنت کی نصوصِ قطعیہ سے صرف نظر بھی کر لیں تو شیخ جیلانیؒ کے عقیدتمندوں اور عام مسلمانوں کے لیئے ان کی تعلیمات میں بھی کافی کچھ موجود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو "مختارِ کُل" ماننے والے گوشِ ہوش سے سُنیں۔ پیرِ موصوف اپنی کتاب فتوح الغیب کے مقالہ نمبر ۱۷ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: "ساری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح سمجھو جس طرح ایک

بادشاہ ہے جس کا ملک بہت بڑا اور وسیع ہے جس کا حکم سخت اور دل ہلا دینے والا ہے۔ اس نے ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر، اسے ایک صنوبر کے درخت کے ساتھ ایک دریا کے کنارے لٹکا دیا ہے۔ جس دریا کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، گہرائی بہت زیادہ اور بہاؤ انتہائی زوروں پر ہے، اور خود بادشاہ ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ جس تک پہنچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے۔ اور اس بادشاہ کے پاس تیر و تلوار اور نیزہ و کمان وغیرہ ہتھیار اتنے ہیں کہ اس کا اندازہ اس بادشاہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اب ان اشیاء میں سے جو چیز چاہتا ہے، اس قیدی کو اٹھا کر مار دیتا ہے۔ وہ قیدی چونکہ جکڑا ہوا ہے اور اونچی جگہ پر ہے۔ اس لیئے نہ وہ ہل سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی چھڑا سکتا ہے جو لوگ اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھیں۔ اگر وہ اس قیدی سے ڈریں اور اس سے نفع و نقصان کی امیدیں رکھیں۔ اور اس بادشاہ سے نہ رکھیں تو ان کے لیئے صد حیف و افسوس ہے۔ جو شخص ایسا کرے کیا وہ عقل کے قضیہ میں بے عقل و بے ادراک، دیوانہ اور نوعِ انسانی سے خارج حیوان و چوپایہ نہیں ہے؟

اور سورۂ یونس آیت ۱۰۷ کی تشریح کے دوران ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں محصور کرتے ہوئے "فتوح الغیب" مقالہ نمبر ۱۸ میں لکھتے ہیں :-

ترجمہ :- " نفع و نقصان، عزت و ذلت، بلندی و پستی، غریبی و امیری اور کسی چیز کو حرکت دینا یا ٹھہرانا کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ تمام اشیاء اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور اس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ ان کا جاری ہونا یا چلنا اسی کے اذن و حکم سے ہے۔ ہر چیز ایک مقررہ مدت کے لیئے جاری

Marfat.com

ہے ، اور اس کے یہاں ہر چیز ایک اندازے میں ہے۔ جسے وُہ پیچھے کر دے اُسے آگے کرنے والا کوئی نہیں ، اور جسے وہ آگے کر دے ، اُسے پیچھے کرنے والا کوئی نہیں "۔

چنانچہ سورۂ یونس آیت ۱۰۷ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

" اگر اللہ تعالیٰ آپ کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے اس کے سوا کوئی دُور کرنے والا نہیں ، اور اگر وُہ آپ کو بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل وکرم کو آپ سے روکنے والا کوئی نہیں "۔ [۱۹۳]

حضرت جیلانی رح کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ " مختارِ کُل " صرف اللہ تعالیٰ ہے دُوسرا کوئی نہیں۔ کوئی نبی ہو یا وَلی ، پیر ہو یا امام ، سب اسی کے فیصلے کے پابند ہیں۔ اور مذکورہ آیت کی تشریح و تفسیر میں تفسیر کبیر امام رازی رح ، تفسیر خازن ، اور تفسیر ابن کثیر میں بھی یہی بات بیان ہوئی ہے۔

ایسے ہی سورۂ انعام آیت ۱۷ ، اور سورۂ جن آیت ۲۱ میں بھی مذکور ہے کہ ؛

" دفع ضرر اور جلبِ منفعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں ہے ، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دافع البلاء ہیں "۔

حتیٰ کہ سُورۂ اعراف آیت ۱۸۸ میں تو واضح طور پر مذکور ہے

" کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں "۔

اور جب انبیاء و رُسل اور خاص کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے "اختیارات" کا یہ عالم ہے تو پھر افسوس ہے ان لوگوں پر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو " مختارِ کل " مانتے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ جہالت کی وجہ سے انبیاء و رُسل تو کُجا ، وُہ تو تمام اَولیاء اللہ کو " مختارِ کُل " کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک اللہ کو " مختارِ کل "

Marfat.com

ماننے کی تعلیم دینے اور باقی تمام مخلوق سے اس "عہدۂ خاص" کی نفی کرنے وا
بزرگ پیر جیلانیؒ کو بھی یہ "عہدہ" تھما دیا گیا ہے۔

ایک وظیفہ کی حقیقت۔

پیر عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے عقیدت مندوں نے ایک "وظیفہ" ایجاد کر رکھا ہے: "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" جو کہ شرک ہے۔ اور صفاتِ الٰہی کو اس کے بندوں میں ماننے کے جرم کا ارتکاب ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید، ان کے صاحبزادہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بقول "بیہقیٔ وقت" اور ان کے ہم سبق مرزا جان جاناںؒ کے بقول "علم الہدیٰ" حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ارشاد الطالبین ص ۹ پر لکھتے ہیں:۔ ترجمہ:

"اور جاہل لوگ جو یہ کہتے ہیں "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" "یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ" یہ کہنا جائز نہیں بلکہ شرک و کفر ہے"

اور ممتاز حنفی محدث و فقیہہ ابوالحسنات مولانا عبدالحیؒ لکھنوی اپنے "فتاویٰ" جلد دوم ص ۲۴ پر لکھتے ہیں۔ ترجمہ:۔

"یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" جیسے وظیفے سے احتراز لازم و واجب ہے۔ کیونکہ یہ وظیفہ "شیئاً للہ" کے الفاظ پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء میں سے بعض نے ایسے الفاظ پر کفر کا حکم لگایا ہے۔"

جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد رشید، عارف باللہ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفۂ خاص اور خواجہ غلام محی الدین قصوری کے پیر و مرشد

۱۹۳: بحوالہ مرشد جیلانیؒ کے ارشاداتِ حقانی، از مولانا محمد حنیف یزدانی۔ طبع لاہور

Marfat.com

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ "درّ المعارف" ص ۵۴ پہ لکھتے ہیں۔

ترجمہ:- "ایک دن میں نے "یا شیخ عبد القادر (جیلانی) شیئاً للّٰہ کہا۔ تو میرے کانوں میں غیب سے آواز آئی کہ (اس طرح نہیں بلکہ) یوں کہا کرو، اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ شَیْئاً لِلّٰہ۔ [۱۹۴]

یہ ہے اُس وظیفے کی اصل حقیقت، جسے بریلوی مکتبِ فکر کے لوگ دینی و دنیوی امورِ کشائشِ رزق، قیدیوں کی رہائی، حلِ مشکلات دفعِ بلیّات اور قضائے حاجات کے لیئے بڑے جوش و جذبہ اور تکرار سے پڑھتے ہیں۔

اندازہ فرمائیں کہ جس کا پڑھنا کفر و شرک ہو، جو جعل سازی کا پلندہ اور ایجادِ بندہ ہو اُس سے کیا قضائے حاجت ہو گی۔ اور جسے خلفاء و صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعینؒ و ائمہ اربعہؒ، محدثین و فقہاء رحمہم اللہ اور صوفیاءؒ میں سے کسی نے نہ پڑھا ہو، نہ پڑھنے کی تعلیم دی ہو تو اس میں بھلا خیر کہاں سے آئے گی؟

"لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ"

---

[۱۹۴]:- بحوالہ مرشد جیلانی کے ارشاداتِ حقانی ص ۵۴، ۵۵۔

Marfat.com

از بطنِ خدیجہ رضی اللہ عنہا

تعدادِ اولادِ رسولؐ کے بارے میں غلط فہمی!

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطنِ طاہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ جبکہ ایک بیٹا حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے شکم سے تھا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کل تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

مگر اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بعض اہلِ سنّت اور اکثر شیعہ سیرت نگاروں میں ایک عجیب قسم کا "اختلافی اتحاد" پایا جاتا ہے۔ وہ یوں کہ،

"بعض اہل سنّت سیرت نگاروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے تین کی بجائے پانچ بیٹے شمار کر دیئے ہیں۔ چار بیٹے قاسمؓ، عبداللہؓ، طیبؓ اور طاہرؓ بطنِ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے، ایک اور بیٹا ابراہیم شکمِ ماریہ رضی اللہ عنہا سے۔"

یہ تعداد دراصل اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ، طیب اور طاہر تین الگ الگ بیٹے شمار کیئے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں، بلکہ تمام محقق سیرت نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طیبؓ، طاہر اور عبداللہ ایک ہی بچے کے نام ہیں۔ بلکہ یوں کہیں کہ عبداللہ جو کہ عہدِ نبوّت میں پیدا ہوئے تھے۔ اس مولودِ مسعود کا نام تو عبداللہ ہی رکھا گیا تھا مگر وہ طیب او طاہر کے لقب سے بھی پکارے جاتے تھے۔ تو گویا نام تین ہیں، مگر بچہ ایک ہی ہے۔ اس طرح صحیح یہی ہے کہ،

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نرینہ اولاد تین بیٹے تھے نہ کہ پانچ۔[۱۹۵]

۱۹۵: زاد المعاد ۱/۱۰۳ طبع جدید مع تحقیق الارناؤوط

Marfat.com

اُدھر ہمارے شیعہ حضرات ہیں تو انہوں نے کسی غلط فہمی سے کوئی اضافہ کرنے کی بجائے اپنے بعض نظریات[196] کو سہارا دینے کے لیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کی تعداد میں عمداً و قصداً اس حد تک کمی کر دی کہ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہی حقیقی بیٹی مانا۔ اور باقی تین کی نفی کر دی۔ حالانکہ نہ صرف اہل سنت مورخین بلکہ خود بعض محقق و منصف مزاج شیعہ اہل علم نے بھی اعتراف کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔

جیسا کہ ان کی معتبر کتاب "اصولِ کافی" اس بات پر شاہد ہے۔ جس کے مؤلف الشیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی الرازی نے ص ۲۷۸ (طبع ہند نول کشور) میں لکھا ہے کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔ اور چاروں ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن طاہر سے تھیں۔"

حضرت زینب رضی اللہ عنہا، قاسم سے چھوٹی اور باقی سب بہن بھائیوں سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی اپنے خالہ زاد (یعنی ہالہ بنت خویلد کے بیٹے) ابو العاص سے ہوئی تھی۔ ان کا ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی اُمامہ تھیں۔ وہ اُمامہ جن کا ذکر صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی شریف میں موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گود میں لے کر ایک نماز ادا فرمائی تھی۔

دُوسری بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جو المبشر بالجنۃ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جن کا ایک ہی بیٹا عبد اللہ تھا۔ جو چھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔

---

[196]: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامادِ وحید ثابت کرنے کا نظریہ، تاکہ اس طریقے سے حضرت عثمان ذوالنورین اور ابو العاص رضی اللہ عنہما کو شرفِ دامادی سے محروم کیا جا سکے۔ اور پھر اسی پر اپنے عقائد کی عمارت تعمیر کی جا سکے۔

Marfat.com

اور تیسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ بھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی دو بیٹیوں کے یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے کی وجہ سے ہی انہیں "ذوالنورین" کا خطاب ملا جو اس بات کی شہادت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد تھے۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شریک حیات اور حسنین رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں۔ [۱۹۷]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی کو تسلیم کرنے اور تین کا انکار کرنے والے حضرات ان شہادتوں کو چھوڑیں، صرف قرآن پاک کی سورۂ احزاب آیت ۵۹ کھول کر دیکھیں جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

(یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ.....

اس آیت حجاب میں اللہ تعالیٰ نے عہدِ نبوی کی مومنات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ نساء المؤمنین۔

اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ لفظ بنات، بنت کی جمع ہے۔ اور عربی میں جمع کا صیغہ دو سے زیادہ کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی تین یا تین سے بھی زیادہ

---

[۱۹۷]۔ رحمۃ للعالمین ۲/۱۰۰ تا ۱۲۵۔

تو اس آیت میں خود ارشادِ الٰہی گواہ ہے کہ نبیِّ رحمت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نہ ایک، نہ دو بلکہ کم از کم تین یا تین سے زیادہ بیٹیاں تھیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں "بناتک" جمع کا صیغہ فرما کر تین یا تین سے زیادہ کا اشارہ دے دیا ہے تو پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چار بیٹیاں ماننے میں کونسا امر مانع ہے۔

اب اگر یہ شیعہ حضرات کہیں کہ بنات میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیویوں کی سابقہ شوہروں سے بیٹیوں کو بھی مجازاً بیٹیاں شمار کر کے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، تو یہ بات کئی وجوہ کی بناء پر ناقابلِ قبول ہے۔

اوّلاً اسی سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات میں سے پانچویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے مُنہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرنے کا حکم دیا ہے

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔

انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔

جب ذاتِ الٰہی خود حکم دیں کہ ہر ایک کو اس کے باپ کے نام سے پکارو، اور پھر وہی ذاتِ الٰہی اسی سورت کے آٹھویں رکوع آیت ۵۹ میں ایسی لڑکیوں کو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹیاں بتائیں، جو دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خون سے نہیں تھیں۔ یہ بات نہ قرینِ قیاس ہے اور نہ قرینِ انصاف، بلکہ قرآن کریم پر اس بدظنّی کے مترادف ہے کہ اس میں بھی اختلاف و تناقض پایا جاتا ہے۔ جو کہ نہ صرف توہینِ قرآن بلکہ گستاخی و کفر ہے۔

ثانیاً اس کلامِ محکم پر قیاس نہیں چل سکتا کہ شاید بیویوں کی بیٹیوں کو مجازاً بنات کہہ دیا گیا ہو۔ کیونکہ حقیقت کے سامنے مجاز کی کیا وقعت ہے، اور

منطوقِ الٰہی کے سامنے قیاسِ انسانی کی کیا منزلت؟

ثالثاً عربی ایسی وسیع زبان ہے کہ اس میں بیویوں کی بیٹیوں کے لیئے الگ لفظ موجود ہے خود قرآنِ پاک نے ایسی لڑکیوں کے لیئے لفظ "ربائب" استعمال کیا ہے۔ لفظ "بنات" نہیں۔

جیسا کہ سورۂ نساء آیت ۲۳ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

(وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ)

الغرض کلام اللہ کے لفظ "بناتک" نے اہلِ سنت علماءِ نسب اور چار بیٹیاں تسلیم کرنے والے شیعہ اہلِ علم کی تحقیقات کی تصدیق فرمادی ہے۔

اور یاد رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب چار تھیں۔ درہؓ، زینبؓ و ام کلثومؓ یہ تینوں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹیاں تھیں۔ اور چوتھی حبیبہؓ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی دختر تھیں۔ دیگر ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی کے پہلے شوہر سے کوئی لڑکی نہ تھی۔

اور یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۴ھ میں ہوا تھا۔ اور حضرت ام حبیبہ کا نکاح ۶ھ میں اس طرح مذکورہ لڑکیوں کو ربائب ہونے کا درجہ ۴ھ سے پہلے حاصل نہ تھا۔ جب بنتِ رسولؐ حضرت زینبؓ کا ذکر ۲ھ میں ہونے والے غزوہ بدر کے اسیران کے فدیہ میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا جہیز میں دیا ہار، اپنے شوہر ابوالعاصؓ کی رہائی کے لیئے بھیجا تھا جو کہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ وہ ۶ھ میں اسلام لائے۔

اور ام کلثوم و رقیہ رضی اللہ عنہما کا ذکر ہجرت سے بھی پہلے ابولہب کے خاندانی اعمال میں آتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں بہنیں اس بدبخت کی بہویں بنی تھیں۔ مگر اس

Marfat.com

سعادت راس نہ آئی۔ اور اس نے خود اپنے بیٹوں سے انہیں طلاق دِلوا دی تھی۔
بہران ہر سہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال حیاتِ نبوی میں ہُوا۔ مگر مذکورہ
بابئ ارتحالِ نبوی کے بعد بھی دیر تک اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں۔ جن کی
تفصیل ان کے حالات میں ملتی ہے۔[198]

اس ساری تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی صرف ایک نہیں بلکہ زیادہ اور بالتحدید چار صاحبزادیاں تھیں۔

فضیلتِ خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اوصافِ حمیدہ اور فضائل جلیلہ تو الگ ایک
موضوع ہے۔ لیکن ایک یا دو احادیث پر ہی اکتفا کریں گے۔

ان کے لیئے یہی فضیلت کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام
انہیں سلام بھیجا۔ اور جنت میں گھر عطا کرنے کی خوشخبری دی۔ جیسا کہ بخاری و
مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت جبرائیل
علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا:-

یارسول اللہ هذه خديجة قد أتت معها إناء فيه
ادامٌ وطعامٌ، فإذا اتتك فاقرأ عليها السلام من ربها
ومني وبشرها ببيتٍ في الجنة من قصب، لا صخب
فيه ولا نصب۔[199]

---

[198] رحمۃ للعالمین ۲/۱۰۱، ۱۰۲ متن وحاشیہ۔

[199] متفق علیہ، مشکاۃ، تحقیق البانی ۶۱۷۶

"اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہؓ آ رہی ہیں۔ ان کے پاس برتن میں سالن، اور کھانا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیں۔ اور جنت میں گھر ملنے کی خوشخبری بھی دے دیں۔ جو ہیرے کا بنا ہوا ہے۔ اس گھر میں نہ کوئی شور و شغب ہوگا، اور نہ ہی کوئی تھکاوٹ ہوگی۔ اور یہ وہ شرف ہے جو دنیا کی کسی بھی دوسری عورت کو نصیب نہیں۔"

اور صحیحین میں ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "خیر النساء زمانہا" کا خطاب عطا فرمایا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

خَيْرُ نسائها مريم بنت عمران وخيرُ نسائها خديجة بنت خويلد[۲]

"مریم بنت عمرانؑ (اپنے زمانے کی) عورتوں میں سے بہترین عورت تھیں اور خدیجہ بنت خویلدؓ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔"

[۲]:- متفق علیہ بحوالہ مشکاۃ۔ رقم الحدیث ۶۱۷۵۔

Marfat.com

صادق وامین اور تعمیرِ کعبہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا وقت ذکرِ الٰہی، کائنات میں تفکر و تدبر اور بنی آدم کی فلاح و بہبود میں پورا ہوا کرتا تھا۔ انہی دنوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو جمع کیا۔ اور ملک میں پائی جانے والی بدامنی، راستوں کے پُرخطر ہونے، مسافروں کے چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہاتھوں لٹنے اور غرباء و مساکین پر دولت کے گھمنڈ میں ظلم کرنے والے لوگوں کے مظالم بیان کیے۔ اور ان جمع شدہ لوگوں کو ان سب امور کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ آخر ایک انجمن یا کمیٹی قائم ہوگئی۔ جس میں بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تمیم شامل تھے۔ اس کمیٹی کے ممبر یہ عہد و قرار کیا کرتے تھے کہ :۔

وہم ملک سے بدامنی دور کرنے کی تدابیر اختیار کریں گے۔

ومسافروں کی حفاظت کے انتظامات کریں گے۔

وغرباء و مساکین کی امداد کیا کریں گے۔ اور زبردست کو زیر دست پر ظلم و ستم ڈھانے سے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے سے روکا کریں گے۔

اس انجمن کے قیام اور تدابیر سے بنی آدم کے جان و مال کی بڑی حد تک حفاظت ہوگئی ایسے ہی نیک قومی و رفاہی اور سماجی کاموں کے ساتھ ساتھ اپنی ذاتی شرافت و صداقت اور پاکیزہ اخلاقی کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلوں میں اس قدر محبوب ہو چکے تھے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہیں بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر

Marfat.com

پکارا کرتے تھے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راستبازی و امانت داری کا ثبوت
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے صرف پانچ سال پہلے تک خانہ کعبہ
صرف نو ہاتھ اونچی چار دیواری پر مبنی تھا۔ اس پر چھت نہیں تھی۔ لہٰذا
خانہ کعبہ شریف میں پڑے خزانے سے چوری ہو گئی۔ اس کے علاوہ اسی
سال مکہ مکرمہ میں ایک زبردست سیلاب آیا جو سیل عرم کے نام سے معروف
ہے۔ اس سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی دیواریں نہایت متاثر ہوئیں۔ انہیں
زنگ و کائی لگنے کے ساتھ ساتھ وہ گرنے کے قریب ہو گئیں تو قریش کعبہ
شریف کی تعمیر جدید کے لیئے تیار ہو گئے۔ [۲۰۲]

یہاں یہ بات بطورِ خاص یاد رکھیں، تجدید تعمیرِ کعبہ کی ضرورت مرورِ زمانہ کے
یا صدمہ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہو جاتی تھی۔ ورنہ کسی غیر قوم کے
کرکے توڑ پھوڑ کرنے اور منہدم کرنے کا واقعہ اس مبارک عمارتِ کعبہ
ساتھ پانچ ہزار سال سے کبھی نہیں ہوا۔ جبکہ ہیکل یروشلم کے ساتھ بارہا ایسے
واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا شرف ہے جو کعبہ کے
سوا دنیا کے کسی دوسرے عبادت خانے کو حاصل نہیں۔ [۲۰۳]

قریش نے جب تجدید تعمیر کعبہ کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تو پدرِ رسول صلی اللہ علیہ
وسلم کے ماموں ابو وہب بن عمرو مخزومی کے کہنے پر پہلے سب نے یہ عہد کیا
کہ تعمیر کعبہ میں جو شخص جتنا بھی حصہ ڈالنا چاہے وہ صرف مال حلال وطیب
میں سے ہونا چاہیئے۔ کوئی کسی عورت کی کمائی، سود کا پیسہ یا کسی سے ظلماً
لیا ہوا مال شامل نہ کرے۔ اس طرح جب پرانی دیواروں کو گرانے کا وقت

۲۰۱ ؎ رحمۃ للعالمین ۱/۴۳

۲۰۲ ؎ ابن ہشام ۱/۱۷۸ ، فقہ السیرۃ ص ۸۳ ، الرحیق المختوم ص ۷۰ ۔

Marfat.com

آیا۔ توسب ڈرنے لگے کہ کہیں ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے اور چونکہ وہ کعبہ کو گرانے نہیں بلکہ تعمیر کرنے والے تھے، ان کی نیّت صاف تھی۔ اسی بات کے پیشِ نظر سب سے پہلے ولید بن مغیرہ مخزومی نے

اَللّٰھُمَّ انا لا نرید الا الخیر۔

اے اللہ! ہم بھلائی کے سوا کچھ نہیں چاہتے۔

یہ کہتے ہوئے پرانی دیواروں کو گرانے کا آغاز کیا۔ اور جب دوسرے لوگوں نے دیکھ لیا کہ انہیں کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اور قواعد و اساسِ ابراہیم تک کی پرانی دیواریں مسمار کر دیں۔[۲۰]

تعمیر کعبہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مقرر ہونا

کعبہ شریف کے معمارِ اوّل، جدالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ اس وقت ان کے ساتھ ان کے لختِ جگر اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام بھی تھے۔ اور تعمیر کعبہ سے فارغ ہو کر ان برگزیدانِ الٰہی نے دعا مانگی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ (البقرہ-۱۲۹)

اے ہمارے رب! ان (اہلِ مکہ میں) سے رسول بھیج۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کی جو کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شکل میں ہوئی۔

اور اب حکمت الٰہی نے چاہا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے

---

[۲۳] رحمۃ للعالمین ۱/۴۳ حاشیہ۔

[۲۰] البدایہ والنہایہ ۲/۲۹۸ تا ۳۰۱، ابن ہشام ۱/۷۹-۱۷۸، طبری اردو ۱/۶۳ تا ۶۸۔

Marfat.com

صرف پانچ سال قبل جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پینتیس سال تھی
قریش تجدید تعمیر پر متفق ہو گئے۔ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کعبہ میں
عملی طور پر حصہ لیا۔ پتھر اٹھائے، یہاں تک کہ آپ کے شانے مبارک زخمی
ہو گئے۔

اس مرتبہ جب تعمیر کعبہ کا کام شروع ہوا تو حسن اتفاق سے جدہ کے قریب
ایک سمندری جہاز کنارے سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو جب اس حادثے
کی خبر ہوئی تو ولید بن مغیرہ مخزومی نے جدہ پہنچ کر کعبہ شریف کی چھت
ڈالنے کے لیئے اس جہاز کی لکڑی خرید کی۔ اور اس جہاز میں باقوم نامی ایک
رومی معمار بھی تھا۔ ولید اسے بھی ساتھ لے آیا۔ اور اسی کی نگرانی میں تعمیر کعبہ
کام شروع ہوا۔ تعمیر کا کام تمام قبائل قریش نے بل بانٹ کر کیا۔ ان مختلف
قبائل کے مابین کعبہ شریف کے مختلف حصے تقسیم کر دیئے تھے تاکہ تعمیر
کے شرف سے کوئی شخص محروم نہ رہ سکے۔

ابن اسحاق سے نقل کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ تعمیر کعبہ
کے وقت باب کعبہ والی دیوار بنی عبد مناف و بنی زہرہ کے حصے، اور رکن
یمانی اور حجر اسود کی درمیانی دیوار بنی مخزوم اور بعض دیگر قبائل قریش کے
حصے، چھت کا کام بنی جمح و بنی سہم کے حصے، اور حطیم کی طرف والی دیوار
بنی عبد الدار کے حصے آئی۔ جبکہ حطیم کی دیوار بنی اسد و بنی عدی کے حصے
آئی تھی [۲۰۵]

جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف رونما ہوا۔ ہر
شخص یہی چاہتا تھا کہ حجر اسود کی تنصیب کا شرف اسے ہی نصیب ہو۔ چنانچہ

۲۰۵۔ البدایۃ والنہایۃ ۲/۳۰۳

Marfat.com

مسلسل یہ جھگڑا چلتا رہا، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں نیاموں سے نکل آئیں۔ اور خطرہ تھا کہ خونریز جنگ شروع ہو جائے۔ آخر پانچویں دن قریش کے سب سے عمر رسیدہ شخص ابو امیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ کسی شخص کو حَکَم یا ثالث مقرر کر کے اس کے فیصلے پر عمل کیا جائے۔ سب نے اس بات کو پسند کیا، اور اتفاق کر لیا اور یہ طے پایا کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو اُسے حَکَم مانا جائے۔ اس تجویز کو بھی سب نے تسلیم کر لیا۔

اگلی صبح تمام قبائل کے سردار اور معزز آدمی موقع پر پہنچ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں اب اس بابِ صفا میں سے کون شخص سب سے پہلے داخل ہوتا ہے۔

اب کرشمۂ ربّانی دیکھیں کہ سب سے پہلے لوگوں کی نظر جس پر پڑی وہ جمالِ جہانتاب، رُخِ زیبائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی تمام معززینِ قریش پکار اُٹھے۔

أتاكم الامين، هذا الامين ارتضيناه حكماً، هذا الامين رضينا۔ [206]

یہ لو امین آگیا۔ اور ہم امین کو اپنا حَکَم ماننے پر رضامند ہیں۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی زیرکی و معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر اختیار فرمائی کہ سب ہی خوش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھائی اور اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اُٹھا کر اُس چادر کے وسط میں رکھ دیا۔ پھر تمام قبائل کے سرداروں کو کہا کہ چادر کو اطراف سے پکڑ کر اٹھاؤ۔ اسی طرح حجرِ اسود کو اس مقام تک لایا گیا جہاں اسے نصب کرنا تھا۔ وہاں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اُسے اٹھایا اور

---

[206] البدایۃ ۲/۳۰۳ ۔ الفتح الربانی ۲۰/۱۹۸ تا ۲۰۱ ۔ فقہ السیرہ ۸۳، ۸۴ ۔ رحمۃ للعالمین ۱/۴۴ تا ۴۶ ۔

Marfat.com

دیوارِ کعبہ میں نصب کر دیا۔[۲۰۷]

یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسنِ تدبیر سے نہ صرف ایک خون آشام جنگ کا خطرہ ٹال دیا، بلکہ تمام قبائل کو اس شرف میں شامل کر کے شیر و شکر کر دیا۔ کعبہ شریف کی عمارت پر اب چھت ڈال دی گئی تھی۔ مگر سامانِ تعمیر چونکہ کافی نہ تھا، لہٰذا ایک طرف سے کچھ جگہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں۔ اور اس حصے کے گرد چار دیواری کھینچ دی کہ پھر کبھی موقع بنا تو شامل کر لیں گے۔ یہی نصف دائرہ کی شکل والا حصہ حجر یا حطیم کہلاتا ہے جس کے بارے میں عہدِ نبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا تھا کہ اسے بھی کعبہ میں شامل کر دوں مگر پھر خیال آیا کہ نئے نئے مسلمان ہیں دیوارِ کعبہ کو گرانے سے کہیں بدگمان نہ ہو جائیں۔[۲۰۸]

اور کعبہ شریف کی چھت چھ ستونوں پر پندرہ میٹر اونچی ہے۔ بابِ کعبہ زمین سے دو میٹر، اور حجرِ اسود زمین مطاف سے ڈیڑھ میٹر اونچائی پر ہے۔ بابِ کعبہ اور مقابل والی دیوار کی لمبائی بارہ بارہ میٹر، اور رکنِ یمانی و حجرِ اسود کی درمیانی اور اس کی مقابل والی دیوار کی لمبائی دس دس میٹر ہے۔[۲۰۹]

۲۰۷۔ مسند احمد ۳/۴۲۵۔ اور البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ انظر فقہ السیرہ محمد غزالی ص ۴۸

۲۰۸۔ بخاری و مسلم فی کتاب الحج۔

۲۰۹۔ الرحیق المختوم ص ۷۱۔ تعمیر کعبہ کی مزید تفصیلات کے لیئے دیکھئے زرقانی ۱/۴۰۔ کما فی سیرت النبی ۱/۸۵-۱۸۴، الروض الأنف ۲/۸۲-۲۶۴، ابن ہشام ۱/۸۲-۱۸۱، طبری اردو ۱/۶۸، ۶۹

Marfat.com

تعمیرِ کعبہ

بعثتِ نبویؐ کے بعد، اور چند حکایتیں

دوسری مرتبہ تعمیر کعبہ بعثتِ نبویؐ سے پانچ سال قبل ہوئی۔ جس میں آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی شریک ہوئے۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں اس کی ضرورت پڑی تو انہوں نے حطیم کو خواہش نبویؐ کے مطابق کعبہ میں شامل کر دیا۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں تعمیر ہوئی اور انہوں نے حطیم کو پھر الگ کر دیا۔ اور اس کے بعد اسی حالت پر ہے۔

امام سہیلی اور بعض دیگر سیرت نگاروں نے جو یہ لکھا ہے کہ سب سے پہلے فرشتوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی، پھر حضرت آدم علیہ السلام نے، پھر ان کے بیٹے شیث علیہ السلام نے، اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا طواف کیا۔

یہ سب بلا ثبوت و بلا اصل باتیں ہیں۔ کسی صحیح حدیث سے ان امور کا پتہ نہیں چلتا بلکہ قرآن و سنّت سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ اوّلین معمارِ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی تھے۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

جب طوفانِ نوح (علیہ السلام) آیا تو کعبہ شریف موجود تھا۔ مگر پانی اس پر نہیں چڑھ سکا۔ اور نوح علیہ السلام نے سفینے میں بیٹھے اس کا طواف کیا، اور سب سے پہلے ایک مچھلی نے کعبہ کی پناہ مانگی تھی۔ جو کہ چھوٹی سی تھی۔ اور بڑی مچھلی سے ڈر گئی تھی۔ یہ سب اساطیر اور کہانیاں ہیں جو کہ بے سند و بے ثبوت ہیں۔

Marfat.com

اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ہود و صالح علیہم السلام نے بھی حج بیت اللہ کیا جبکہ اس سلسلہ میں بھی کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔

اور امام سہیلی و حافظ ابن کثیر نے البدایۃ میں پرانی عمارت کعبہ کے مسمار کرنے کے دوران ایک کاغذ یا سہ کونہ پتھر ملنے کی حکایت نقل کی ہے جس میں اِنِّیْ اَنَا ذُو بَکَّۃ ...... لکھا تھا۔ یہ قصہ بھی سراسر بے سروپا اور مصنوعی ہے۔[۲۱۰]

---

[۲۱۰]: تفصیل کے لیے دیکھیے۔ تعلیق الشیخ عبدالرحمٰن الوکیل، رئیس انصار السنتہ مصر۔ علی الروض الأنف جلد دوم صفحات ۲۶۵۔ ۲۶۹۔ ۲۷۱ اور ۲۸۰۔

Marfat.com

سیرت قبل از بعثت

اجمالی نظر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن، لڑکپن اور جوانی کے تمام مرحلے ہر قسم کی فضول حرکات و سکنات سے قطعی پاک تھے بلکہ اُس زمانے میں کام کاج میں یا کسی بھی ضرورت کے وقت تہبند اُتار دینا معمولی بات تھی۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت سے قبل بھی ایسا کوئی واقعہ سرزد نہیں ہوا۔ بلکہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں روایت موجود ہے کہ تعمیر کعبہ کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ پتھر اٹھایا کرتے تھے۔ اور کندھوں مبارک پر کوئی کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے شانے مبارک زخمی ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے از راہِ شفقت کہا۔

اِجْعَلْ إِزَارَكَ عَلٰى رَقَبَتِكَ يَقِيكَ الْحِجَارَةَ۔

"اپنا تہبند اتار کر اپنی گردن پر رکھ لیں تاکہ پتھر سے بچ جائیں۔"

تو اُن کی اِس نصیحت پر عمل کرنا ہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر گر گئے۔

فَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ (فقال) إِزَارِي، إِزَارِي فَشَدَّ عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدُ عُرْيَانًا۔[۲۱۱]

"اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھیں آسمان کی طرف جم گئیں۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فوراً فرمایا: میری چادر، میری چادر۔ فوراً آپ

---

[۲۱۱] بخاری ۱/ ۳۷۷، مسلم ۱/ ۱۸۴ وغیرہما، بحوالہ فقہ السیرہ ص ۸۳۔

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کو چادر دی گئی جو آپؐ نے باندھ لی۔ اور اس کے بعد تاحینِ حیات آپؐ کبھی عُریاں نہیں دیکھے گئے۔[۲۱۲]

ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبل بعثت کی چالیس سالہ زندگی خصوصی عنایتِ الٰہی کی وجہ سے ہر قسم کی مشرکانہ رسوم اور جاہلانہ عادات سے قطعی پاک تھی۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ،

"ایک دفعہ قریش نے آپؐ کے سامنے کھانا لاکر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ اور جو جانور ذبح کیا گیا تھا وہ کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھانا کھانے سے صاف انکار کر دیا۔[۲۱۳]

منصبِ نبوت سے سرفراز ہونے سے قبل بھی جو لوگ آپ کے احبابِ خاص تھے۔ وہ سب نہایت پاکیزہ اخلاق اور عالی مرتبت تھے۔ ان میں سے سب سے مقدم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ برسوں آپؐ کے شریکِ صحبت رہے۔[۲۱۴]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احبابِ خاص میں سے تھے۔ حرم کا منصبِ رفادہ (حجاج کے کھانے پینے کے انتظامات) انہیں کے ہاتھ تھے۔ اور دارالندوہ کے بھی وہی مالک تھے۔ جو اسلام کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا۔ اور یہ کل رقم خیرات کر دی۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں پانچ برس بڑے تھے۔ وہ طویل مدت تک دولتِ ایمان سے محروم رہے۔ مگر نبی صلی

---

[۲۱۲] ۔ ایک واقعہ آپ کے بچپن کا بیان کیا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اُتاری تو غیب سے کسی نے گھونسا مارا۔ اور کہا کہ چادر باندھو (سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۸) (۲۷)

صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر محبت کیا کرتے تھے۔ بالآخر توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہوئی تو ۸ھ میں اسلام لائے۔ [۲۱۵]

ایسے ہی حضرت ضماد بن ثعلبہ ازدی رضی اللہ عنہ جو کہ طبیب و جراح تھے اور حضرت قیس بن سائب مخزومی جو کہ تاجر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شریکِ تجارت تھے۔ یہ دونوں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احبابِ خاص میں شمار ہوتے ہیں۔ [۲۱۶]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مبعوث ہونے سے قبل فیضِ الٰہی کی خفیف شعاعیں ملکِ عرب میں پھیلنا شروع ہو گئی تھیں۔ حتیٰ کہ چند طالبانِ حق اور متلاشیانِ صراطِ مستقیم نے شرک اور بت پرستی سے انکار کر دیا تھا۔ اُن میں سے قیس بن ساعدہ، وَرقہ بن نوفل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اُن میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر بخاری شریف (۷/ ۱۵-۱۱۴) میں موجود ہے۔ اور وَرقہ بن نوفل چونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادرِ عمزاد تھے اور مکہ میں ہی رہتے تھے۔ اُن سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات عین

(بقیہ) یہ واقعہ کسی صحیح روایت میں ثابت نہیں بلکہ اس کی نسبت یہ بخاری و مسلم کا صحیح ثابت شدہ واقعہ کیا کم ہے؟ جو کہ تعمیرِ کعبہ کے دَوران پیش آیا۔ اور اس صحیح ترین کی موجودگی میں کسی بے ثبوت واقعہ کو بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۲۱۳۔ بخاری باب المناقب۔ ذکرِ زید بن عمرو بن نفیل، بحوالہ سیرت النبی ۱/ ۱۹۱۔

۲۱۴۔ اصابہ ۲/ ۳۴۱ ذکرِ ابوبکر، عبداللہ بن قحافہ۔

۲۱۵۔ اصابہ ذکرِ حکیم بن حزام ص ۳۴۹۔

۲۱۶۔ سیرت النبی ۱/ ۹۸-۱۹۶۔

Marfat.com

قرینِ قیاس ہے۔ بلکہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی گہری دوستی تھی۔[۲۱۷]

اچھے احباب کا انتخاب صاف ستھرے کردار کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور ہمارے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم قبلِ بعثت بھی اس قسم کے ممتاز مقام پر فائز تھے۔

ایک مشہور روایت۔

ایسے ہی الکامل فی التاریخ لابن اثیر، خصائص الکبریٰ سیوطی (۱/۸۸) مسند بزار اور مستدرک حاکم (۴/۲۴۵) میں ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَاهممتُ بشئٍ مِمّا كان اهل الجاهليّة يعملون غير مرّتين، كل ذلك يحول الله بيني وبينه ثُمَّ ما هممتُ به حتّٰى أكرمني الله برسالته۔

"اہلِ جاہلیت کے افعال میں سے کسی فعل کا ارتکاب کرنے کا میں نے دو مرتبہ کے سوا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ اور ان دو مرتبہ میں جو ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ میرے اور اُس فعل کے مابین حائل ہو گیا۔ پھر میں نے کبھی ارادہ بھی نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرفِ رسالت سے نواز دیا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ،

"میں نے ایک رات اپنے ساتھ بکریاں چرانے والے لڑکے سے کہا کہ اگر تم میری بکریوں کا خیال رکھو تو میں بھی مکہ جا کر اُس محفل میں شریک ہو

---

[۲۱۷]۔ سیرۃ النبی ۱/۹۴، ۱۹۳۔ فقہ السیرۃ ص ۸۵ تا ۸۸

جاؤں جس میں قصے کہانیاں بیان ہوتے ہیں۔ اور اکثر نوجوان اس میں شرکت کرتے ہیں۔ میرے ساتھی نے کہا چلے جاؤ۔ میں وہاں سے چلا اور جب مکہ کے پہلے ہی گھر کے قریب پہنچا تو میں نے آلاتِ موسیقی کی آواز سُنی، کسی سے پُوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ یہاں فلاں شخص کی شادی فلاں لڑکی سے ہو رہی ہے۔ میں بھی وہاں بیٹھ گیا۔ اور بیٹھتے ہی اللہ تعالیٰ نے میرے کانوں سے قوتِ سماعت چھین لی۔ اور میں وُہیں سو گیا۔ اور مجھے وہاں سے سورج کی گرمی نے ہی اُٹھایا۔ واپس گیا تو ساتھی نے پوچھا تو میں نے اُسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔" ایسے ہی ایک مرتبہ پھر ہوا، میں مکہ کو چلا اور شہر میں داخل ہونے کے بعد میرے ساتھ وُہی معاملہ پیش آیا جو پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ کبھی ایسا ارادہ نہیں کیا۔

یہ واقعہ متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔ اور امام حاکم نے مستدرک (۴/۲۴۵) میں نقل کرنے کے بعد یہاں تک کہا ہے کہ،

هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط مسلم

اور امام ذہبیؒ نے بھی اس تصحیح پر ان کی موافقت کی ہے جبکہ شیخ البانی۔ متعنا اللہ بطول حیاتہ۔ نے لکھا ہے کہ:

"یہ تصحیح دونوں کا وہم ہے"۔ اور اس کی دو وجوہات ہیں۔

اوّلاً:۔ یہ کہ یہ روایت ابن اسحاق کے طریق سے ہے۔ اور امام مُسلم ان کی روایت بیان کرتے ہیں مگر اس شرط پر جبکہ ابن اسحاق کے علاوہ کسی دُوسرے طریق سے بھی ثابت ہو جیسا کہ خود امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہاں امام حاکم نے صرف ابن اسحاق سے روایت بیان کی ہے۔ دُوسرے کسی طریق سے یہ ثابت نہیں کی۔ لہٰذا

Marfat.com

یہ شرط مسلم پر پوری نہ ہوئی۔

ثانیاً۔ اس روایت میں جو ایک راوی محمد بن عبداللہ بن قیس ہے وہ عدالت میں مشہور نہیں۔ اور ابن حبان کے سوا اس کی کسی نے توثیق نہیں کی اور جب ابن حبان کسی کی توثیق میں منفرد ہو تو وہ غیر موثوق ہوتی ہے۔ کیونکہ ابن حبان مجہولین کی بھی توثیق کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا ہے۔ لہٰذا جب حافظ ابن حجرؒ نے ان ابن قیس کو التقریب میں ذکر کیا تو ان کی توثیق نہیں کی بلکہ صرف مقبول کہا ہے۔ یعنی وہ لین الحدیث ہے۔ اور اس کی متابعت کرنا صحیح نہیں جیسا کہ تقریب کے مقدمہ میں مذکور ہے۔ پھر یہ ابن قیس رجالِ مسلم میں سے بھی نہیں ہے۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایۃ والنہایۃ میں بیہقی سے یہی روایت اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

ھذا حدیثٌ غریبٌ جدًّا وقد یکون عن علیّ نفسہ (یعنی موقوفاً علیہ) ویکون قول (حتّٰی اکرمنی اللہ عزّوجلّ بنبوّتہ) مقحمًا۔ واللہ اعلم۔

"یعنی یہ حدیث انتہائی غریب ہے اور ممکن ہے کہ یہ واقعہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا ہو اور یہ کہ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوّت سے سرفراز کیا) یہ الفاظ اس روایت کے نہیں بلکہ کسی دوسری روایت کے ہیں جو غلطی سے اس میں درج ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن کثیرؒ نے مزید لکھا ہے۔ ابنِ اسحاق کے شیخ محمد بن عبداللہ بن قیس کو ابن حبّان نے ثقات میں ذکر کیا، اور بعض کا خیال ہے کہ وہ

رجال الصحیح میں سے ہے۔ حالانکہ ہمارے شیخ نے اپنی "تہذیب" میں اس کے بارے میں یہ کہا ہے۔ مگر مجھے اس چیز کا وقوف حاصل نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔[۲۱۸]

آگے چل کر شیخ البانی لکھتے ہیں کہ،

اس کے بعد یہ حدیث میں نے تاریخ مکہ للفاکہی ص ۷، تاریخ ابن جریر ۲/۳۴ میں بھی اسی طریق سے مذکور پائی۔ اور طبرانی نے اسے معجم صغیر ص ۱۹۰ پر عمار بن یاسر کی حدیث سے یہ روایت نقل کی ہے مگر اس روایت کی سند میں کتنے ہی ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا۔ اور ایسے ہی حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد ۸/۲۶۶ میں ذکر کیا ہے[۲۱۹]

---

[۲۱۸] ۔ البدایۃ والنہایۃ ۲/۲۸۸ ۔

[۲۱۹] ۔ تعلیقات وتخریج شیخ البانی علی فقہ السیرۃ محمد غزالی ص ۷۲-۷۳۔

Marfat.com

سیرت بعد از بعثت

طلوعِ آفتابِ رسالت اور بعثت نبوی

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانے میں جنم لیا اور پروان چڑھے اُس وقت مکہ مکرمہ بُت پرستی کا مرکزِ اعظم تھا۔ خود کعبہ شریف میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ آپ کا خاندان اس صنم کدہ کا متولّی و کلید بردار تھا۔ بایں ہمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بُتوں کے آگے سر نہیں جھکایا اور طوافِ عُریاں جیسی دیگر رسُوم جاہلیت میں بھی کبھی شریک نہیں ہُوئے اور نہ کبھی ان باتوں میں اپنے خاندان والوں کا ساتھ دیا۔ یہ فطرتِ سلیمہ کا تقاضہ تھا۔

جُوں جُوں زمانۂ نبوّت کا وقت قریب آتا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روشنی اور چمک نظر آنے لگی (صحیحین عن ابن عباسؓ) جسے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک گونہ مسرّت سی محسوس ہوتی [۲۲۰] اُس چمک میں کوئی آواز یا صورت نہیں ہوتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دُنیاوی امور سے نپٹنا پڑتا تھا۔ کاروبار تجارت تھا۔ اولاد تھی لیکن دستِ قدرت نے آپؐ سے جو کام لینا تھا وہ تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دُنیا اور دُنیا کے تمام کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہیچ نظر آنے لگے۔ تاہم مطلوبِ حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شریف میں خلوت گزینی کی عادت بڑھتی جا

[۲۲۰] :- سفر السعادات مشرح ص ۳۱ طبع کلکتہ۔

Marfat.com

رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اکثر پانی اور ستّو لے کر شہر سے تین میل باہر جبلِ نُور کی چوٹی پر پائی جانے والی "غارِ حرا" میں جا بیٹھتے۔ جس کا طُول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کئی کئی دن تک رہتے اور قدرتِ الٰہیہ پر تدبّر و تفکّر کیا کرتے تھے۔ اور جب تک پانی اور ستّو ختم نہ ہو جاتے، واپس گھر تشریف نہیں لایا کرتے تھے۔ (صحیحین عن عائشہؓ)

جیسے جیسے آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے کا وقت قریب آتا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے۔ آپؐ کو خواب نظر آنے لگے۔ اور خواب بھی ایسے سچّے ہوتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم جو کچھ رات کو خواب میں دیکھ لیا کرتے تھے دن کو ویسا ہی واقعہ ظہور میں آ جاتا۔ یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عمر شریف چالیس سال ہوئی تو آپ حسبِ عادت غارِ حرا میں ہی مشغولِ ذکر و فکر تھے کہ ۹ ربیع الاوّل بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء بروز پیر اور بعض اہلِ علم کے نزدیک ۲۱ رمضان بمطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ء کو حضرت جبرائیل امین تشریف لائے۔[۲۲۱]

اور فرمایا:

"اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) بشارت قبول فرمائیے۔ آپؐ اللہ کے رسُول ہیں اور میں جبرائیل ہوں۔"[۲۲۲]

۲۲۱۔ تاریخِ نزولِ وحی میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ تاریخ اوّل ہم نے قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی رحمۃ للعالمین سے نقل کی ہے جبکہ بعض اہلِ علم نے ۲۱ رمضان بمطابق ۱۰ اگست ۶۱۰ء لکھی ہے جبکہ آپؐ کی عمر قمری حساب سے ٹھیک چالیس سال چھ ماہ اور بارہ دن تھی۔ اور شمسی حساب سے تقریباً ۳۹ سال تین ماہ اور بارہ دن تھی۔ اور آغازِ وحی رات کو ہوا۔ (تفصیلاً دیکھیئے الرحیق المختوم ص ۷۵-۷۶ مع حاشیہ (آگے)

تب جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا۔

اِقْرَأْ ۔ پڑھو۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا أَنَا بِقَارِئٍ ۔ میں نہیں پڑھ سکتا ہوں۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر بھینچا اور پھر چھوڑ کر کہا: اِقْرَأْ (پڑھو)

ایسے جب تین مرتبہ کیا تو پھر کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (العلق ۱ تا ۵)

"پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا، جس نے جمے ہوئے خون (کے لوتھڑے) سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہ جانتا تھا۔"

یہ تیسویں پارے کی سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات ہیں۔ جو پہلی وحی کے طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً واپس گھر لوٹ آئے۔ اور آکر لیٹ گئے اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

زَمِّلُوْنِيْ ۔ زَمِّلُوْنِيْ ۔

(بقیہ) رحمۃ للعالمین ۱/۴۸ حاشیہ۔

۲۲۲ ۔ سفر السعادہ مشرح ص ۳۵۔

Marfat.com

"مجھ پہ کوئی کپڑا ڈال دو، مجھ پر کوئی کپڑا ڈال دو۔"
اور جب طبیعت میں ذرا سکون آیا تو اپنی زوجۂ طاہرہ سے فرمایا:

قَدْ خشیتُ علیٰ نفسی۔

"مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے۔"
صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی شریف میں ہے کہ:
اُس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:

کَلّاَ، اَبْشِرْ، فواللہ لا یُخزیکَ اللہ اَبدًا، اِنّکَ لتصِلُ الرحم وتصدقُ الحدیثَ وتحملُ الکلّ وتکسِبُ المعدومَ وتقری الضیف وتُعینُ علیٰ نوائب الحق۔[۲۲۳]

"ہرگز نہیں آپ مطمئن رہیں۔ آپؐ اقرباء پر شفقت کرتے، سچ بولتے، بیواؤں، یتیموں اور بے کسوں کی خبر گیری کرتے، مہمان نوازی فرماتے اور مصیبت زدوں سے ہمدردی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی اندوہ گین نہیں کرے گا۔

ورقہ بن نوفل کی شہادت

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی وحی

[۲۲۳]۔ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی عن عائشہؓ۔ الفتح الربانی ۲۰/۸-۲۰۷، فقہ السیرہ ص ۸۸، ۸۹۔ زاد المعاد ۱/۱۹، ۲۰، رحمۃ للعالمین ۱/۴۶، ۴۷۔ سیرت النبیؐ ۱/۱۹۹ تا ۲۰۲۔

Marfat.com

کے نزول پر اپنی جان کے خطرے کی بات سُنی تو فوری طور پر اپنے یقین کا اظہار کر دیا کہ جس شخص میں آپؐ جیسی صفاتِ عالیہ پائی جاتی ہوں اُسے اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا، آپ مطمئن رہیں۔ مگر اب خود حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو اطمینان قلبی کی ضرورت محسوس ہوئی کہ آخر معاملہ کیا ہے؟

لہٰذا وہ آپؐ کو ساتھ لے کر اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو کہ زمانۂ جاہلیت میں ہی بت پرستی سے بیزار ہو کر تلاشِ حق میں سرگرداں رہے۔ اور بالآخر اپنی دانست کے مطابق اُس وقت کے صحیح مذہب "نصرانیت" کو قبول کر لیا تھا۔ وہ عبرانی زبان میں پڑھنا اور لکھنا جانتے تھے۔ اور انجیل سے عبرانی میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ انتہائی عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی کھو چکے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اُن سے کہا۔

"اے میرے چچیرے بھائی: اپنے بھتیجے کی بات تو سُنیں۔ ورقہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ اے بھتیجے بتاؤ کیا ماجرا ہے؟ آپؐ نے کیا دیکھا ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ جبرائیل و وحی اور جو کچھ دیکھا تھا، من و عن سُنا دیا۔"

صحیح بخاری و مسلم شریف میں یہ واقعہ شروع میں ہی بالتفصیل موجود ہے

ورقہ نے کہا:

هذا النّاموس الّذی نزله الله علی موسیٰ (علیه السلام)

یا لیتنی فیها جذعًا یا لیتنی أکون حیًّا، إذ یخرجك قومك۔

یہی وہ ناموس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب قوم آپؐ کو (شہر سے) نکال دے گی۔[۲۲۳]

(حاشیہ ۲۲۳ اگلے صفحہ پر)

ورقہ بن نوفل کی یہ بات سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تعجب سے پوچھا:

اَوَ مُخْرِجِیَّ هُمْ ؟

کیا میری قوم کے لوگ ہی مجھے (شہر سے) نکال دیں گے ؟

تو اُس نے جواب دیا، ہاں اور کہا۔

لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِیَ۔ وَاِنْ يُّدْرِكْنِیْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا۔

"اس دنیا میں جس کسی نے بھی ایسی تعلیم پیش کی ہے جو آپؐ کریں گے، تو (شروع میں) اُس کے ساتھ عداوت ہی ہوتی رہی ہے۔ کاش میں یوم ہجرت تک زندہ رہوں، اور اگر مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہو گیا تو میں آپؐ کی نمایاں خدمت و مدد کروں گا۔"

اور اس واقعہ سے چند دن بعد ہی یہ بزرگ ورقہ بن نوفل وفات پا گئے[۲۲۵]

اور وحی کی آمد بھی بند ہو گئی[۲۲۶]

لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اچھی طرح پرسکون ہو گئی تو جید

بقیہ[۲۲۴]۔ یہ باتیں اُسے اس لیے معلوم تھیں کہ انجیل کے جزء "یسعیاہ" باب ۴۲ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر موجود ہے۔ وہ چونکہ انجیل کا عالم تھا۔ لہٰذا جھٹ کہہ دیا کہ کاش میں اس وقت تمہارے کام آسکتا۔ جب تمہاری قوم تمہیں شہر سے نکال دے گی۔ رحمۃ للعالمین ۱/۴۸ حاشیہ۔

[۲۲۵]۔ بخاری ۱/۳۰۲ وقد اخرجہ فی التفسیر والتعبیر ایضاً مع اختلافٍ یسیر، مختصر صحیح مسلم ۱/۲۵۔

[۲۲۶]۔ دوسری وحی کی آمد تک کے درمیان والا عرصہ "فترتِ وحی" کہلاتا ہے۔ اور یہ عرصہ صرف چند دنوں پر مشتمل تھا (فتح الباری ۱/۲۷، ۱۲/۳۶۰) اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ عرصہ ڈھائی یا تین سال تھا، صحیح نہیں۔ (الرحیق المختوم ص ۷۸، شرح المواہب للزرقانی ۱/۲۳۶ وغیرہ)

Marfat.com

دِنوں کے بعد پھر دُوسری مرتبہ حضرت جبرائیل وحی لے کر آئے۔
اور بروایت صحیح بخاری وہ سورۃ مدثر کی ابتدائی پانچ آیات تھیں۔

یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ • قُمْ فَاَنْذِرْ • وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ • وَ ثِیَابَکَ فَطَھِّرْ • وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ •

"اے کپڑا اوڑھنے والے، اُٹھو (کھڑے ہو جاؤ) اور آگاہ کرو، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو، اور گندگی (وناپاکی) سے دُور رہو۔"

اور بخاری شریف میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے رُک جانے کی حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

فبینا امشی سمعت صوتاً من السماء فرفعت بصری قبل السماء، فإذا الملك الذی جاء نی بحراء قاعد علی کرسی بین السماء والارض، فجثثت منہ حتی ھویت الی الارض فجئت الی اھلی نقلت، زملونی، زملونی فانزل اللہ یا ایھا المدثر الی قولہ فاھجر، ثم حمی الوحی و تتابع [۲۲۷]

"میں چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سُنی۔ میں نے آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی تو دیکھا کہ جو فرشتہ غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں مارے گھبراہٹ اور ڈر کے زمین کی طرف جھک گیا۔ پھر گھر آتے

[۲۲۷] :۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب والرجز فاھجر ۷۳۳/۲

Marfat.com

ہی میں نے اپنے اہل (یعنی بیوی) کو کہا کہ مجھ پر کوئی چادر ڈال دو۔ مجھ پر کوئی چادر ڈال دو۔ تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ مدثر کی آیات فاھجر تک نازل فرمائیں۔ پھر برابر گرما گرمی سے وحی آنے لگی۔

مکی دور میں دعوت کا پہلا مرحلہ خفیہ تبلیغ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس ۲۳ سالہ پیغمبرانہ زندگی و سیرت کا اتنا وسیع موضوع ہے کہ بعثت سے لے کر مکی دور، دعوت، اس کی مشکلات، لوگوں کا قبولِ اسلام، کفار و مشرکین کی ایذا رسانی، اسراء و معراج، ہجرت مدینہ، معاہدات، غزوات و سرایا، معجزات خصائص شمائل اور معمولاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، اور ایسے ہی کتنے اور عنوانات ہیں کہ ہر عنوان ایک ضخیم کتاب لکھنے کا متقاضی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت یا تعلیماتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا عنوان ہے کہ چودہ سو سال سے اہلِ علم اسی موضوع پر لکھتے آرہے ہیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے۔

آج صحاح ستہ کے علاوہ اسلامی کتب خانوں میں پائی جانے والی تمام کتبِ حدیث کا موضوع، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین نامۂ اعمال و اقوال ہی تو ہے۔

منصبِ نبوت و رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس ۲۳ سال کے دوران دعوتِ الی اللہ کا جو کام شروع فرمایا، ان میں سے پہلے مکی دور کے تیرہ ۱۳ سالوں کو ہم تین مرحلوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

Marfat.com

جن میں سے پہلا مرحلہ تھا " خفیہ و درپردہ دعوت " کا ، جو ابتدائی تین سال کے عرصہ پر مشتمل ہے۔

اس مرحلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ دعوت و تبلیغ کا کام نہیں کیا۔ بلکہ خفیہ طور پر ہی لوگوں کو دعوتِ توحید دیتے۔ اور شرک کی برائی بیان کر کے اس سے روکتے تھے۔ اس مرحلہ میں اسلام قبول کرنے والے سابقین و اولین میں سے آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ، آپؐ کے غلام حضرت زید بن حارثہؓ ، آپؐ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ بن ابیطالب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گہرے دوست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ تمام حضرات دعوت و تبلیغ کا آغاز کرنے کے پہلے دن مسلمان ہو گئے تھے اور ان قریبی حضرات کا ایمان لانا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ زندگی کی حرکات و سکنات تک سے واقف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صداقت و راست بازی کی قوی دلیل ہے۔[۲۲۸]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ایک معزز کاروباری آدمی تھے انہوں نے بھی تبلیغِ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ اس طرح حضرت عثمان غنی، زبیر بن عوام ، عبدالرحمٰن بن عوف ۔ سعد بن ابی وقاص ، طلحہ اور حضرت فاروق کے بہنوئی سعید رضی اللہ عنہم ۔

اور عورتوں میں سے حضرت عباس کی بیوی ام الفضل ، اسماء بنت عمیس ، اسماء بنت ابی بکر اور حضرت فاروقِ اعظم کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہن مسلمان ہوئیں ۔ یہ سب حضرات و خواتین اسلام کا ہراول دستہ ثابت ہوئے اور ان کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے جن میں ورقہ بن نوفل بھی ہیں ۔

---

[۲۲۸] :۔ رحمۃ للعالمین ۱/۴۹ ۔

Marfat.com

تصدیق وایمان ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ

ورقہ بن نوفل بھی ایمان لے آئے تھے۔ ان کے ایمان لانے کا ثبوت وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ ان کے وفات پانے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب میں بڑی اچھی شکل وصورت میں دیکھا جو اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کا درجہ معزز و مکرم شخص کا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد رأیته، فرایت علیه ثیاب بیاض فاحسبه لوکان من اهل النار لم یکن علیه ثیاب بیاض۔

"تحقیق میں نے اس (ورقہ بن نوفل) کو خواب میں سفید کپڑوں میں دیکھا ہے۔ میں گمان کرتا ہوں کہ اگر وہ (ورقہ) اہل نار (دوزخ) میں سے ہوتا تو اس پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔ یعنی وہ سفید کپڑوں میں نہ ہوتا۔"

اس حدیث کے دو طرق ہیں۔ اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۹/۳) میں ان دونوں کو حسن قرار دیا ہے۔ اور ان دونوں میں سے ایک کو امام احمد اپنی مسند میں عن عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے طریق کو ابو یعلیٰ اپنی مسند میں عن جابرؓ لاتے ہیں۔ اور بقول شیخ البانی مجموعی طور پر یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔

اور امام حاکم مستدرک میں ایک روایت لائے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا ورقة فانی رأیت له جنة او جنتین۔[۲۲۹]

[۲۲۹] مستدرک ۶۰۹/۲، بزار، ابن عساکر۔

"ورقہ کو گالی مت دو، میں نے اس کے لیے ایک جنّت یا دو جنتیں دیکھی ہیں۔"

اور امام حاکمؒ نے کہا ہے:

صحیح علی شرط الشیخین۔

اور امام ذہبی نے بھی اس باب پر ان کی موافقت کی ہے۔

اور شیخ البانی نے ان دونوں کی تصدیق کی ہے۔

اور حافظ ابن کثیر نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے:

واسناده جید[۲۳۰] "کہ اس کی سند جید ہے۔"

خلاصہ

دعوت و تبلیغ کے کام میں مخفی طور پر سرانجام دینے کے باوجود اسلام قبول کرنے والے اہلِ ایمان کی ایک مختصر سی جماعت بن گئی۔ اور آہستہ آہستہ اس نئے دینِ اسلام کی خبر قریشِ مکہ تک پہنچ گئی۔ مگر انہوں نے سر دست اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔

در پردہ تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ تین سالہ دَور مکمل ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو علانیہ تبلیغ کرنے، قریش کے باطل نظریات اور بت پرستی کی کھلے طور پر تردید کرنے کا حکم دے دیا۔[۲۳۱]

۲۳۰: تعلیق شیخ البانی علی فقہ السیرۃ ص ۱۰۰۔ تصدیق و ایمان ورقہ بن نوفل کے بارے دیگر احادیث کے لیے دیکھئے، البدایہ ۳/ ۹، ۱۰۔

۲۳۱: فقہ السیرہ ص ۱۰۰، الرحیق المختوم ص ۸۸۔

دوسرا مرحلہ ___ علانیہ تبلیغ

جب سورہ شعراء کی آیت ۲۱۴ (وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ) نازل ہوئی جس میں حکم تھا کہ اپنے خاندان کے لوگوں اور قرابت داروں کو نارِ جہنم سے ڈرائیں۔ تو اس آیت کے نزول کے ساتھ ہی حکمِ ربانی پر عمل کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

یہ علانیہ دعوت و تبلیغ کا مرحلہ بعثت کے چوتھے سال کے آغاز سے شروع ہو کر دسویں سال تک جاری رہا۔ معروف محدث و مورخ امام ابن اثیرؒ اپنی تاریخِ اسلام، الکامل میں لکھتے ہیں :-

"کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان بنی ہاشم کو جمع کیا تاکہ انہیں تبلیغ کریں، جب وہ سب جمع ہو گئے تو ابولہب نے الٹی سیدھی ہانکنی شروع کر دیں جس کی وجہ سے آپ اپنا مدعا بیان نہ کر سکے۔ اگلے دن پھر سب کو دعوت دی اور چالیس، پینتالیس آدمی جمع ہوئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہارے لیے بالخصوص اور عامۃ الناس کے لیے بالعموم رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکرِ موت، فکرِ آخرت اور اعمال خیر و شر کے انجام، جنت و دوزخ کا ذکر کیا۔ اور پوچھا کہ اس دعوت میں تم میں سے میرا ساتھ کون دے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ابھی نوعمر ہی تھے وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔"[۲۳۲]

اور آپ کے چچا ابوطالب نے بھی کہا کہ یوں تو آپؐ کا سارا خاندان یہاں جمع

۲۳۲:۔ قبولِ اسلام کے وقت ان کی عمر کل نو یا دس سال تھی اور ان میں تین سال جمع کریں تو اب اُن کی عمر کل بارہ یا تیرہ سال بنتی ہے تفصیل کے لیے دیکھئے البدایہ والنہایہ ۲۴/۳ تا ۲۶

Marfat.com

ہے اور میں بھی اس میں سے ایک ہوں۔ البتہ میں اپنی طرف سے حلفیہ یقین دہانی کراتا ہوں کہ میں تاحینِ حیات آپؐ کا ساتھ دیتا رہوں گا۔ آپؐ جو کہنا چاہیں، کہیں۔ میں آپ کے دشمنوں کا راستہ روکوں گا۔

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ :۔

اِنّ نفسی لا تطاوعنی علےٰ فراقِ دینِ عبدِالمطلب

"میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے باپ عبدالمطلب کا دین چھوڑ دوں"

اور واقعی ابوطالب نے عمر بھر دینِ اسلام کو قبول تو نہیں کیا، نہ ایمان لایا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کا حق ادا کر دیا۔[۲۳۳]

بخاری اور مسلم شریف میں ہے کہ جب آیت (وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ) نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر چڑھ گئے۔ اور مختلف خاندانوں کے نام لے لے کر آوازیں دیں، جب وہ جمع ہو گئے۔ تو فرمایا :

اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے۔ جو تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مان جاؤ گے۔ اُن سب نے کہا :

"ما جرّبنا علیك كذبًا۔"

ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سُنا۔

تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

فَاِنّی نذیر لّکم بینَ یدَیْ عذابٍ شدیدٍ۔

"میں تمہیں عذاب شدید سے ڈرانے والا ہوں۔"

یہ سُنتے ہی ابولہب اُٹھا اور بھڑک کر کہا :

تَبًّا لَكَ سائرَ الیومِ اَلِھٰذا جمعتَنَا

---

۲۳۳ :۔ الکامل لابنِ اثیر کما نقلہ محمد الغزالی فی فقہ السیرہ ص ۳-۱۰۲ ، رحمۃ للعالمین ۵

"تو ہلاک ہو جائے کیا تو نے ہم سب کو صرف اسی لیئے جمع کیا تھا" ؟
تو اس کے جواب میں (تیسویں پارے کی) سورۂ لہب (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ) نازل ہوئی۔ [۲۳۴]

اور بخاری و مسلم شریف میں ہی ہے کہ :-
جب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ آیت نازل ہوئی تو آپ اُٹھے اور فرمایا :-
"اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کو جہنم کی آگ سے بچالو، حکمِ الٰہی کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے بنی عبدالمطلب! میں حکمِ الٰہی کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میرے چچا عباس! میں حکمِ الٰہی کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اے میری پھوپھی صفیہ! میں حکمِ الٰہی کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اور آخر میں اپنی بیٹی کو مخاطب کر کے فرمایا :
يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ، سَلِينِي مِنْ مَالِي مَا شِئْتِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا۔ [۲۳۵]
اے میری پیاری بیٹی فاطمہ بنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو مانگو، اور لے لو۔ لیکن (قیامت کے دن) حکمِ الٰہی کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔

لمحۂ فکریہ بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث میں پائے جانے والے اس ارشادِ نبوی کو بغور پڑھیں اور اندازہ کریں کہ آپ صلی اللہ

---

[۲۳۴] :- بخاری ۸/ ۴۰۰، ۴۰۸، ۴۰۹ اور ۵۱۰ - مسلم ۱/ ۱۳۴ -

[۲۳۵] :- حوالۂ بالا - یعنی نفس المرجع -

علیہ وسلّم نے کس طرح کھل کر فرما دیا ہے کہ میں "مختارِ کل" نہیں ہوں۔ بلکہ حکمِ الٰہی کے سامنے کسی کے کام نہیں آسکوں گا۔

اور یہ ارشادِ نبوی ہمارے ان بھائیوں کے لیئے خاص طور پر لمحۂ فکریہ ہے جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بھروسے پر عملی میدان سے ہٹے بیٹھے ہیں۔ وہ سوچ لیں کہ آپ اپنی سب سے پیاری بیٹی کو دُنیاوی مال دینے کا تو فرما رہے ہیں، مگر آخرت میں صرف اپنے عمل ہی سے نجات کا پیغام سُنا رہے ہیں۔

رہا مسئلہ شفاعت کا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ضرور بخشا ہے۔ مگر ہوگا اُسی کے حکم سے۔

جیسا کہ آیت الکرسی میں ہے کہ: مَنْ ذَا الَّذِیْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔

"اس کے حکم کے بغیر کوئی شخص کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔"

اور جس شخص نے زندگی بھر اللہ کے احکام و فرامین کی نافرمانی کی ہوگی تو کیا اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت کرنے کی بھی اجازت دیں گے؟

یہ نظریہ نہ صرف یہ کہ قرینِ قیاس نہیں، بلکہ جنت الحمقاء میں رہنے والی بات ہے۔

:- فاعتبروا یا اولی الابصار :-

Marfat.com

کفّار و مُشرکین کی ایذا رسانی

علانیہ دعوت و تبلیغ کا حکم ملتے ہی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اہلِ خاندان و قبیلہ بلکہ عام لوگوں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دینا شروع کر دیا تھا۔ اور خاص طور پر جب سورۂ حجر کی آیت ۹۴ (فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ) نازل ہوئی تو اس میں حکم تھا کہ آپؐ کو جو حکم دیا گیا ہے، وہ کھول کر لوگوں کو سنا دیں۔ لہٰذا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ دعوت و تبلیغ میں مزید سرگرم عمل ہو گئے۔ حتیٰ کہ آپؐ عکاظ، مجنّہ اور ذی المجاز نامی میلوں میں جا نکلتے۔ جہاں دُور دراز سے لوگ آتے تھے۔ وہاں ان کو توحید و رسالت کی دعوت دیتے تھے۔[236]

یہی وُہ دَور ہے جس میں کفار نے حضرت یاسرؓ[237]، عمار بن یاسر اور اوّل شہیدہ فی الاسلام حضرت سمیہ، بلال و خباب اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو دِل گداز تکلیفیں دیں اور خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ آپؐ کے راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ گھر کے سامنے گندگی پھینکی، عفونت پھیلائی، دَورانِ نماز و سجدہ آپؐ کی پُشت مُبارک پر اُونٹ کی غلاظت بھری اوجھڑی ڈالی گئی۔ آپؐ کو (نعوذ باللہ) دیوانہ، شاعر، کاہن اور جادُوگر کہا گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازشیں کی گئیں۔

---

[236] رحمۃ للعالمین ۱/۵۴، فتح القدیر شوکانی بحوالہ فوائد سلفیہ شیخ محمد عبدہ۔

[237] انہی حضرت یاسر، عمار بن یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں برداشت کرتے دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (ترجمہ) "اے آلِ یاسر صبر کرو تمہارے لیئے جنت کا وعدہ ہے"۔ ابن اسحاق ۱/۲۰۲۔ حاکم ۲/۸۹-۳۸۸۔ وقال صحیح علیٰ شرط مسلم و وافقہ الذہبی وحسّنہ وصححہ الالبانی فی فقہ السیرہ ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

اصبروا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ

Marfat.com

مگر وہ کیا جانیں کہ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

موسمِ حج آیا تو مشرکین نے ابولہب کی سربراہی میں پچیس[۲۵] سرداروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی۔ جس کا مقصدِ وحید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و استہزاء تھا انہوں نے مکہ میں داخل ہونے والے تمام راستوں پر اپنے آدمی مقرر کر دیئے کہ باہر سے آنے والے حجاج و زائرین کو بہکائیں، اُکسائیں اور کردار کشی و الزام تراشی کے ذریعے ان لوگوں کو آپؐ سے متنفر کر دیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کام جاری رکھا۔

جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موسمِ حج میں میدانِ عرفات میں کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

اَلَا رجلٌ یحملنی اِلٰی قومہٖ فانّ قریشًا منعونی ان اُبلّغ کلام ربّی[۲۳۸]

"کوئی آدمی مجھے اپنے ساتھ اپنی قوم کے پاس لے جائے کیونکہ قریش نے مجھے کلامِ الٰہی کی تبلیغ سے روک رکھا ہے۔"

مشرکین نے اپنے تمام اوچھے ہتھکنڈے ناکام ہوتے دیکھے تو دوسرا حربہ استعمال کیا۔ کہنے لگے آؤ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر کمپرومائیز یا مصالحت

---

[۲۳۸] ابوداؤد ۲/۲۷۸، ترمذی ۴/۵۷، ابن ماجہ ۱/۷۸، حاکم ۲/۱۳-۶۱۲ وقال علی شرط الشیخین و وافقہ الذہبی وصححہ الالبانی فقہ السیرۃ ص ۱۱۱، اور پچیس[۲۵] سرداروں اور لہب کی سربراہی کا ذکر رحمۃ للعالمین ۱/۵۷ میں ہے۔

Marfat.com

کرلیں۔ کچھ باتیں ہم اپنے آبائی دین کی چھوڑ دیتے ہیں، کچھ آپ چھوڑ دیں۔

(وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝) (القلم ۹)

ابن جریر وطبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ:

"انہوں نے یہ پیش کش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال تک ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے۔"

جبکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ:

"وہ کہنے لگے، آپ صرف ہمارے معبودوں کو برحق تسلیم کرلیں تب بھی آپ کے معبود کی پوجا شروع کردیں گے۔"[۲۳۹]

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن طواف کررہے تھے کہ چند سرداران قبائل اسود بن مطلب بن اسد، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن سہمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے[۲۴۰] کہا کہ ہم مل جل کر ایک دوسرے کے معبودوں کی عبادت کیوں نہ کرلیا کریں"۔ اس اور اسی قسم کے دیگر مطالبات کے جواب میں تیسویں پارے کی سورت کافرون (قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ...الخ) نازل ہوئی۔

جب اسی طرح اعلانیہ تبلیغ کو دو سال گزر گئے اور بعثت کو پانچ سال ہوگئے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی۔ پہلا قافلہ بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل تھا۔ جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔[۲۴۱]

۲۳۹۔ الرحیق المختوم ص ۹۶ نقلاً عن تفہیم القرآن مودودی ۶/۵۰۱، ۵۰۲۔

۲۴۰۔ یہ نام ابن ہشام ۱/۳۶۲، اور الرحیق المختوم ص ۹۸ میں ہیں۔ اور سورۃ کافرون کے نزول کے (آگے)

Marfat.com

اور دوسرا قافلہ تراسی مردوں اور اٹھارہ عورتوں پر مشتمل تھا جن میں سے ہی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جن کا دربارِ نجاشی میں دیا گیا تاریخی خطبہ معروف ہے[۲۴۱]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ذہنی کوفت پہنچانے کے لیئے ابولہب ملعون نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو زبردستی حکم دے دیا کہ وہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں۔ کیونکہ ان کی دونوں بیویاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں (حضرت رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہما) تھیں جو بعد میں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان ذوالنورین کے نکاح میں آئیں۔[۲۴۲]

ترغیب و ترہیب۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبانہ روز تبلیغی مساعی سے نورِ اسلام پھیلنے لگا اور صدائے اسلام مکہ سے نکل کر حبشہ تک جا پہنچی، تو قریش مکہ بوکھلا گئے۔ ایذا رسانی کے تمام حربے ناکام ہوتے دیکھے تو ترغیب و ترہیب کا ہتھکنڈہ طے کیا۔ مکہ کے مالدار سردار عتبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذاکرات کے لیئے بھیجا۔

اس نے کہا:

اے میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ اپنی اس تبلیغی کاروائی سے دولت سمیٹنا چاہتے ہیں تو ہم سارے ملک عرب کے اموال آپؐ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیئے تیار ہیں۔ اگر عزت اور نام و نمود کی طلب ہے تو ہم آپؐ کو اپنا رئیس و سردار مان لیتے ہیں۔ اگر حکومت کی تمنا ہے تو ہم آپؐ کو سارے ملک عرب کا بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ بس یہ تبلیغ چھوڑ دو۔ آپؐ نے ان تمام چیزوں

(بقیہ) سبب کے لیئے دیکھئے زاد المسیر لابن الجوزی ۹/۵۳-۲۵۲ طبع المکتب الاسلامی، قرطبی ۱۰/۲۰/۲۵

۲۴۱۔ رحمۃ للعالمین ۱/۵۸، فقہ السیرہ ص ۱۱۵، زاد المعاد ۱/۲۴۔

۲۴۲۔ نجاشی کا نام اصحمہ تھا وہ نو ہجری کو فوت ہوئے۔ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند احمد میں صحیح حدیث ہے

Marfat.com

کو ٹوک پا سے ٹھکراتے ہوئے سورہ حم سجدہ کی (حٰمٓ ۚ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ) پہلی آٹھ آیات کی تلاوت کر کے اصل حقیقت واضح کر دی۔ عتبہ یہ سب سن کر واپس لوٹا تو سردارانِ قریش کو جا کر کہا میں وہ کلام سن کر آیا ہوں جو نہ کہانت ہے، نہ شعر اور جادو ہے، نہ منتر۔ تو وہ کہنے لگے لو عتبہ پر بھی اس کا جادو چل گیا۔[۲۴۴]

سوشل بائیکاٹ

جب ترغیب ولالچ کا یہ تیر بھی نہ چلا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور یہ دھمکی دے دی کہ اپنے بھتیجے کو باز کر لو۔ ورنہ ہم اُسے قتل کر دیں گے اور تم اکیلے ہم سب کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ مشرکین کے اس بدلتے ہوئے تیور کو دیکھ کر ابوطالب نے آپ کو بلا بھیجا اور فہمائش کرنا چاہی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

یا عمّاہ، واللہِ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی شمالی علی أن اترک ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ أو أھلک فیہ ما ترکتہ۔[۲۴۵]

(بقیہ) سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائی تھی۔

۲۴۳:۔ فی ظلال القرآن جزء ۳۰/ ۲۸۲، تفہیم القرآن ۶/ ۵۲۲۔

۲۴۴:۔ رحمۃ للعالمین ۱/ ۵۹، ۶۰، ابن ہشام ۱/ ۱۰۰ و تفسیر ابن کثیر ۴/ ۹۰، ۹۱ و حسن الالبانی فقہ السیرۃ ص ۱۱۳

۲۴۵:۔ یہ حدیث ابن اسحاق کے طریق سے ابن جریر (۲/ ۶۷) نے بھی بیان کی ہے اور اس کی سند معضل ہے۔ اور طبرانی کبیر و اوسط میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔ اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (۶/ ۱۵) میں لکھا ہے: رواہ ابو یعلی باختصار یسیر من اولہ و رجال ابی یعلی رجال الصحیح۔ البتہ شیخ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ فقہ السیرۃ ص ۱۱۴، ۱۱۵۔

Marfat.com

"چچا اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں اور چاہیں کہ میں تبلیغِ اسلام چھوڑ دوں تو بھی میں نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے یا میری جان جاتی رہے"[۲۴۶]

اسی دوران نبوت کے چھٹے سال حضرت امیر حمزہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما[۲۴۷] مسلمان ہو گئے۔ اور چھپ چھپ کر نمازیں پڑھنے والے، بیت اللہ میں نمازیں ادا کرنے لگے۔ تو مشرکینِ مکہ نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی پھینک دیا، کہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم میں بنی ہاشم سے مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ اور اس معاہدہ[۲۴۸] کی تحریر بابِ کعبہ پر لٹکا دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے قبیلے کے ساتھ خرید و فروخت، لین دین، اٹھنا بیٹھنا ترک کر دیا تو

۲۴۶۔ ابن ہشام ۸۵/۱، فقہ السیرہ ص ۱۱۴، ۱۱۵ و رحمۃ للعالمین ۶۰/۱۔

۲۴۷۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی "اللّٰھم اعزّ الاسلام باحب الرجلین بابی جھل او بعمر فکان احبھما الیہ عمرؓ" اے اللہ! دو آدمیوں، ابو جہل و عمر میں سے جو تجھے زیادہ پسند ہو اس کے ساتھ اسلام کو عزت دے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں میں سے حضرت عمر زیادہ پسند تھے یعنی ان کا مسلمان ہونا زیادہ محبوب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اور حضرت عمر اسلام لائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم وغیرہ) اور حضرت عائشہؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم اعزّ بالاسلام، لانّ الاسلام یُعِزّ ولا یُعَزّ۔ اے اللہ (عمر کو) اسلام کے ساتھ عزت بخش۔ کیونکہ اسلام عزت دیتا ہے۔ کوئی شخص اسلام کے لیے باعثِ عزت نہیں ہوتا۔" اور ابو بکر تاریخی نے کہا ہے کہ حضرت عمر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد، اللّٰھم ایّد الاسلام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، معاذ اللہ اس سے حضرت عائشہؓ کے الفاظ کی ہی تائید ہوتی ہے (الروض الانف حاشیہ ۲۲۱/۱)

۲۴۸۔ حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ اس تحریر کا لکھنے والا بغیض بن عامر تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کی وجہ سے اس کا

Marfat.com

بنی ہاشم ناچار شعبِ ابی طالب میں محبوس و محصور ہو گئے۔ مشرکین نے اشیائے خوردنی بند کر دیں۔ یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔

امام سہیلیؒ نے اس بائیکاٹ کے دوران پیش آمدہ مشکلات بھی ذکر کی ہیں، کہ اشیائے خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے پتے کھاتے اور پائخانے کی بجائے مینگنیاں کرتے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک رات چلتے ہوئے کوئی تر چیز میرے پاؤں کو لگی تو میں نے بھوک کے مارے فوراً پکڑ کر نگل لی۔ اور مجھے آج تک معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ وہی فرماتے ہیں کہ ایک رات میرے ہاتھ اونٹ کا کوئی سوکھا ہوا چمڑہ لگ گیا۔ میں نے اسے دھویا۔ آگ پر بھونا اور پانی میں بھگو کر تین دن تک کھایا۔[۲۴۹]

یہ (شعب ابی طالب کا) سارا عرصہ بڑی مشکل کا وقت تھا۔ مگر بنی ہاشم کے پائے استقلال میں لرزش نہ آئی۔ اشارۂ الٰہی سے اس معاہدے کو دیمک چاٹ گئی۔ صرف اللہ تعالیٰ کا نام باقی رہ گیا۔ ادھر قریش نے خود ہی اس معاہدے کو ختم کر دیا۔ اس طرح نبوت کے دسویں سال ماہِ محرم میں ہی یہ قبیلہ شعبِ ابی طالب سے نکل آیا۔[۲۵۰]

اس بائیکاٹ کو ختم ہوئے ابھی چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق چچا ابو طالب فوت ہو گئے۔ جو کہ آپؐ کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر مرتے دم تک دولتِ ایمان نصیب نہ ہوئی۔

(بقیہ) (تحریر لکھنے والا) ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ (زاد المعاد ۲/ ۴۶)۔

۲۴۹۔ الروض الانف ۳/ ۳۵۴۔

۲۵۰۔ بخاری باب نزول النبیؐ بمکہ ۱/ ۲۱۶، باب تقاسم المشرکین علی النبیؐ ۱/ ۵۴۸، زاد المعاد ۱/ ۲۹۹، طبقات ابن سعد اردو ۱/ ۹ - ۳۰۸، الرحیق المختوم ص ۱۲۵ تا ۱۲۸۔

جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ ابو طالب کی وفات کے وقت یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے۔ "علیٰ ملّۃِ عبد المطلب"۔

کیونکہ ابو جہل (ملعون) وغیرہ اسی بات پر کوشاں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے منع نہ کیا میں تمہارے لیئے استغفار کروں گا۔

تو سورہ توبہ کی آیت ۱۱۳ :

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ٥

اور سورۃ قصص کی آیت ۵۶ :

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ ٥

نازل ہو گئیں۔ ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیئے استغفار کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی وجہ سے ان کے عذاب میں کافی تخفیف ہو گی۔

اس بات کی خبر بھی بخاری شریف میں آپؐ نے دی ہے۔[۲۵۱]

اور ابو طالب کی وفات کے صرف دو ہی ماہ بعد اور بعض کے نزدیک صرف تین دن بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلیل القدر زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ ان کے وفات پا جانے کے بعد سنہ ۱۰ عہد نبوت میں ماہِ شوال میں اُمّ المؤمنین حضرت

[۲۵۱] : انظر صحیح البخاری ۱/۵۴۸ باب قصۃ ابی طالب۔

Marfat.com

سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور انہوں نے چند سالوں کے بعد اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔[۲۵۲]

وفات کے وقت حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی عُمر پینسٹھ سال اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عُمر پچاس برس تھی۔[۲۵۳]

عام الحزن

چچا اور زوجۂ محترمہ کی وفات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر صدمہ اور غم ہؤا کہ اس سال کا نام ہی عام الحزن "سالِ غم" رکھ دیا گیا۔ اور یہ سال تاریخِ اسلام میں اسی نام سے معرُوف ہے۔

دعوت و تبلیغ کا تیسرا مرحلہ اور سفرِ طائف

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیئے مشرکین نے مکہ کی زمین تنگ کر دی۔ اور ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ مگر اہلِ ایمان کے پائے صبر و ثبات میں لرزش نہ آئی۔ بلکہ ہر طرف سے یہی جواب آیا:

ع یہ وُہ نشہ نہیں کہ تُرشی جسے اتار دے

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدسی نفوس صحابہؓ کی کشتِ ایمان کی آبیاری کرتے رہے اور کھلے عام عرب و عجم پر حکومت کی بشارتیں دیتے ہوئے فرماتے :-

"یاَیُّھَا النَّاس، قُولُوا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تُفْلِحُوْا وَتَمْلِکُوا العرب

[۲۵۲] :- رحمۃ للعالمین ۱۶۵/۲، تلقیح ص ۱۰، الرحیق المختوم ص ۱۳۴۔

[۲۵۳] :- تلقیح ص ۷، رحمۃ للعالمین ۱۶۴/۲، الرحیق ص ۱۳۲، طبری اردو ۱/ ۱۰۷۔

وتدین لکم بها العجم فاذا متم کنتم ملوکاً فی الجنة [۲۵۴]

اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دو۔ عرب وعجم کے مالک بن جاؤ گے اور اسی اسلام کی حالت میں مرنے پر جنّت کے بادشاہ بنو گے۔

اور اسی مشکل دَور میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ صٰفّٰت (آیات ۱۷۱ تا ۱۷۳) اور سورۂ قمر کی آیت ۴۵، نازل فرما کر اہلِ اسلام کی ڈھارس بندھائی اور یقین دہانی کرائی کہ عنقریب آپ لوگ ہی غالب آئیں گے۔

اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مکّہ سے باہر کے علاقوں میں بھی دعوت و تبلیغ کا آغاز کر دیا جسے مکّی زندگی میں آپؐ کی تبلیغِ اسلام کا تیسرا مرحلہ کہا جا سکتا ہے۔

جس کا آغاز نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال (اواخر مئی یا اوائل جون ۶۱۹ء) میں ہوا۔ اور یہ مرحلہ ہجرت تک جاتا ہے۔ بیرونِ مکہ تبلیغ کرنے کے لیے آپ نے ماہِ شوال میں طائف کا رُخ فرمایا۔[۲۵۵]

اس سفر میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہمراہ تھے۔ آپ راستے میں آنے والے تمام قبائل کو اسلام کی دعوت دیتے گئے، مگر کسی نے بھی قبول نہ کی۔ آخر پچاس، ساٹھ میل کی مسافت پیدل طے کر کے آپؐ طائف پہنچے۔ بنی ثقیف کے سرداروں عبدِ یالیل مسعود اور حبیب کو جمع کیا جو کہ سگے بھائی اور عمرو بن عمیر ثقفی کے بیٹے تھے۔ انہیں اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس دن تک طائف میں رُکے رہے۔ ہر کہہ ومہہ کو تبلیغ کی۔ اُن لوگوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ

---

[۲۵۴] ۔ ترمذی شریف بحوالہ الرحیق المختوم ص ۱۴۰۔

[۲۵۵] ۔ تاریخِ اسلام نجیب آبادی ۱/۱۲۲

علیہ وسلم کو شہر سے نکال دیا۔ اور بچوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو اول فول بکتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کنکر پتھر مارتے شہر سے تین میل باہر تک چھوڑ گئے۔
طائف سے تین میل باہر ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا باغ تھا۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوروں کی بیلوں کے سائے میں بیٹھ گئے۔ عتبہ و شیبہ نے جب آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کو کچھ انگور دے کر بھیجا۔ اس غلام کا نام عداس تھا اور وہ عیسائی تھا۔ اور اصلاً حضرت یونس علیہ السلام کے شہر نینوٰی کا رہنے والا تھا۔ جب آپؐ بسم اللہ پڑھ کر انگور کھانے لگے تو اس نے کہا کہ یہ کلمہ تو یہاں کے لوگ نہیں کہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ تو اس نے بتایا نینوٰی کا۔ آپؐ نے فرمایا، جہاں کا یونس بن متی تھا؟ اس نے پوچھا، آپؐ کو کیسے معلوم ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا، وہ بھی میرا بھائی پیغمبر تھا۔ اور میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔ اس پر وہ آپؐ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ اُدھر عتبہ و شیبہ دیکھ کر کہنے لگے کہ لو یہ گیا کام سے۔ جب عداس ان کے پاس گیا تو کہنے لگے کہ تم اُسے ایسے کیوں چوم رہے تھے؟
تو اس نے کہا اس وقت کرۂ ارضی پر ان سے بڑھ کر بہتر کوئی شخص نہیں۔ اس نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو کوئی نبی ہی بتا سکتا ہے۔ تو انہوں نے اُسے ڈانٹ دیا۔ اور کہا کہ تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔ کہیں اپنا دین نہ چھوڑ بیٹھنا۔[۲۵۶]
صحیح بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے آتے ہوئے قرن الثعالب (موجودہ نام قرن المنازل) پہنچے تو جبرائیلؑ نازل ہوئے۔ اور فرمایا:-

---

[۲۵۵]:- تاریخ اسلام نجیب آبادی ۱/ ۱۲۲۔

[۲۵۶]:- رحمۃ للعالمین ۱/ ۶۶، ۶۷۔ طبری اردو ۱/ ۱۰۸ تا ۱۱۰۔

Marfat.com

اِنَّ اللہَ قد سمع قول قومک لک وماردّوا علیک۔

"اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کا رویّہ دیکھ لیا ہے اور جو جواب انہوں نے دیا ہے وُہ بھی سُن لیا ہے۔"

اور فرمایا :-

"اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لیے پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے۔ آپؐ اسے حکم دیں، تعمیل ہو گی"، اور اتنے میں پہاڑوں کے فرشتے نے کہا :-

اِنْ شِئْتَ اَنْ اَطبق علیھم الاخشبَین۔

اگر آپؐ حکم دیں تو ان دونوں پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں، اور ان لوگوں کو پیس کر رکھ دوں۔ (جنہوں نے آپؐ کا یہ حال کیا ہے)

لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

بل ارجو ان یخرج اللہُ من اصلابھم من یعبد اللہ عزّوجلّ وحدہ لایشرک بہ شیئًا۔ [۲۵۷]

(انہیں ہلاک نہ کرو کیونکہ) مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان لوگوں کی نسلوں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اور اسی راستہ میں وادیٔ نخلہ بھی پڑتی ہے۔ واپسی پر آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی چند دن قیام فرمایا۔ اور اسی قیام کے دوران جنوں نے آپؐ سے قرآن سُنا اور ایمان لائے۔ جیسا کہ سورۂ احقاف کی آیت ۲۹ تا ۳۱ اور سورۂ جنّ کی آیت (قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ...) میں مذکور ہے۔

[۲۵۷] :- بخاری کتاب بدء الخلق ۱/۴۵۸، مسلم باب مالقی النبیؐ من اذی... ۲/۱۰۹۔

Marfat.com

اور اس طویل وشاق سفر میں کوئی بنی بشر مسلمان نہ ہوا۔ صرف عداس نے نبوت کو تسلیم کیا۔ مگر مالکوں کے ہاتھوں دب گیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو بھیج دیا، جنہوں نے قرآن سنا۔ اس طرح یہ سفر بھی کلیتہً لاحاصل نہ رہا۔

اور ماہ ذوالقعدہ میں (سنہ ۱۰ نبوت۔ اواخر جون یا اوائل جولائی ۶۱۹ء) آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اور موسم حج پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور دراز سے آنے والے قبائل و افراد کو اسلام کی دعوت دی۔[۲۵۸]

تیسری شادی

(اور نبوت کے گیارھویں سال ماہِ شوال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا۔ جبکہ ان کی عمر صرف چھ برس تھی۔ اور ہجرت کے پہلے سال ماہِ شوال میں مدینہ منورہ جاکر ان کی رخصتی عمل میں آئی۔ جبکہ ان کی عمر نو برس ہو چکی تھی۔[۲۵۹]

یہ صرف واحد زوجہ محترمہ تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت کنواری تھیں۔ ورنہ باقی سب بیوہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرتِ ازدواج میں گوناگوں مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔)

---

[۲۵۸]۔ طبقات ابن سعد اردو ۱/۱۱-۳۱۰، طبری اردو ۱/۱۰۸ تا ۱۱۰۔

[۲۵۹]۔ بخاری ۱/۵۵۱، مسلم ۴/۱۴۰، مسند احمد ۵/۲۸۰، تلقیح ص ۱۰، الرحیق ص ۱۴۲۔

Marfat.com

شقِ صدر اور اسراء و معراج

جب نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارِ رسالت اٹھائے تقریباً نصف عہد نبوت گزر گیا اور کفار و مشرکین کی طرف سے ایذا رسانی کی حد ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے جانے والے مصائب و آلام کا اثر کم کرنے، میدانِ دعوت و تبلیغ میں لگنے والے ذہنی وجسمانی زخموں کو مندمل کرنے، آپؐ کی دلجمعی وحوصلہ افزائی اور عزت نوازی و شرف افزائی کے لیئے ایک ایسی عظیم و مبارک سیاحت کا انتظام فرمایا جو نہ صرف ایک سیاحت زیارت تھی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ورسول برحق ہونے پر دلالت کرنے والے کثیر معجزات میں سے ہی ایک عظیم الشان معجزہ بھی تھی۔ جو قرآن وسنت اور کتبِ تاریخ وسیرت میں اسراء و معراج کے نام سے معروف ہے۔ یہ معجزہ نبوت کے بارہویں سال ماہِ رجب کی ستائیس ۲۷ تاریخ اور بدھ کی رات کو پیش آیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف باون سال ہو چکی تھی۔[۲۶۰]

عالمِ ملکوت کے اس سفر پر روانگی سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان تیاری کرائی گئی تاکہ جہاں آپؐ کی عزت و اکرام دوچند ہو۔ وہیں مناجاتِ الٰہی کی استعداد میں بھی اضافہ ہو، اور یہ خاص تیاری تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ پھر شقِ صدر اور دلِ اقدس میں ایمان وحکمت بھرنا۔[۲۶۱]

اسراء و معراج مصطفےٰ کا یہ واقعہ اٹھائیس ۲۸ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بخاری ومسلم، کتبِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث میں سے پچیس تیس کتابوں میں

---

۲۶۰ ۔ علامہ منصور پوری نے محققین کی تحریروں اور اپنی تحقیق کا نچوڑ پیش کرتے ہوتے ماہ وسال کی تعین کی ہے۔ تفصیل کے لیئے رحمۃ للعالمینؐ ۳/۱۲۵ - ۱۲۶)۔ امام طبری (۱/۸۰ اردو) نے نبوت کے پانچ گئے

مذکور ہے۔[۲۶۲]
اس سفر پر روانگی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں اور کس حالت میں تھے۔
اور کیسے کیسے پہنچے، کس کس سے ملے، کیا کیا دیکھا اور اس سفر مبارک میں کیا کیا پایا؟
یہ سب امور بڑے تفصیل طلب ہیں جن کا یہ موقع نہیں۔[۲۶۳]
مختصر یہ کہ بروایت صحیح بخاری و مسلم، آغازِ سفر سے قبل بیت اللہ شریف کے پہلو میں ملائکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کیا۔ قلبِ اقدس کو نکال کر سونے کے ایک طشت میں رکھا۔ اور اُسے آبِ زمزم سے دھونے اور اس میں ایمان و حکمت بھرنے کے بعد اسے واپس اسی جگہ پر رکھ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے براق لایا گیا جس کا ہر قدم اتنی دور پڑتا تھا جہاں تک نظر جا سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے۔
وہاں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔
(اور مسند احمد میں مذکور حدیث کی رُو سے تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی)[۲۶۴]

(بقیہ) سال اور امام نووی و قرطبی نے پانچویں سال اور بعض نے تیرھویں سال میں معراج کا ذکر کیا ہے۔ (الرحیق ص ۱۵۵)

[۲۶۱] قاله الحافظ فی الفتح کما نقله عنه البناء فی بلوغ الأمانی من اسرار الفتح الربانی ۲۰/۱۹۶۔

[۲۶۲] اسماء صحابہؓ اور کتب کے نام دیکھنے ہوں تو رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۱۲۶ تا ۱۲۸ ملاحظہ فرمائیں۔

[۲۶۳] تفصیلات کے لیے کم از کم صرف تفسیر ابن کثیر اردو اور بخاری و مسلم ہی ملاحظہ فرمائیں۔ اور زاد المعاد و سیرت ابن ہشام پر بھی نظر ماریں۔

[۲۶۴] یہ قوسین والے الفاظ صحیح کے نہیں بلکہ ہم نے مسند احمد سے نقل کیے ہیں۔ دیکھیے الفتح الربانی ۲۰/۲۵۵

Marfat.com

بیت اللہ شریف سے بیت المقدس تک کے اس سفر کو اسراء کہا جاتا ہے جس کا ذکر پندرہویں پارے کی پہلی ہی آیت (سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا.....الخ) میں موجود ہے۔ اور بیت المقدس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل امین کی معیت میں، آسمانوں کی طرف لے جائے گئے۔ پہلے، دوسرے حتٰی کہ ساتویں آسمان[۲۶۵] اور اس سے بھی آگے سدرۃ المنتہیٰ تک گئے۔ اور پھر اس سے بھی آگے لے جا کر قربِ الٰہی اور شرفِ ہمکلامی و مناجات سے نوازے گئے۔

تمام عبادات تو بذریعہ وحی فرض کی گئیں۔ مگر نمازِ پنجگانہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر بلا واسطہ فرض کی گئیں۔ اور یہ اس سفرِ معراج کا تحفہ ہیں۔ اور بیت المقدس سے لے کر آسمانوں کے اس سفر کو ہی معراج کہا جاتا ہے جس کا ذکر قرآن پاک کی سورۂ نجم میں موجود ہے۔

اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و دوزخ بھی دیکھے۔ اور اہلِ عذاب کے مختلف گروہ دیکھے۔

۱۔ یتیموں کا مال کھانے والوں کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ آگ کے انگارے منہ سے کھاتے ہیں۔ اور وہ آگ ان کی دبروں سے نکلتی ہے۔

۲۔ سود خوروں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر پاتے۔

۳۔ زانیوں کو دیکھا کہ وہ پاکیزہ گوشت کو چھوڑ کر بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔

---

[۲۶۵] ۔ ساتوں آسمانوں پر آپ نے آٹھ انبیاء کرام سے بھی ملاقات کی۔ جن کے نام و مقام بخاری مسلم میں مذکور ہیں۔

Marfat.com

۴۔ غیر محرم لوگوں کے سامنے بے پردہ جانے والی عورتوں کو اس حال میں دیکھا کہ وہ پستانوں کے بل لٹکائی ہوئی ہیں۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے راتوں رات سفر بیت المقدس کیا تو کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے، کیا تم اس بات کی تصدیق کرو گے؛ تو وہ کہنے لگے کہ میں تو اس سے بڑی بات (خبر السماء) کی تصدیق کرتا ہوں، تو یہ کیا ہے۔ اگر آپؐ نے ایسے فرمایا ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں۔

اسی وجہ سے انہیں "صدیق" کا خطاب ملا۔[۲۶۶]

کچھ وقت پہلے تک معراج کی حقیقت کو سمجھنا شائد قدرے مشکل اور محض ایمان کی بات تھی۔ مگر آج جبکہ انسان اپنے مصنوعی ذرائع سے ہواؤں میں اڑتا، اور ستاروں پہ کمندیں ڈالتا پھر رہا ہے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالتِ بیداری اور جسم و روح کے ساتھ معراج کرانا نہ ناممکن و محال نظر آتا ہے، اور نہ ہی بعید از قیاس رہا ہے۔

اور علامہ اقبالؒ تو کب کے کہہ گئے ہیں ؎

سبق ملا ہے معراجِ مصطفےٰؐ سے یہ مجھے
کہ بشریت کی زد میں ہے یہ گردوں

---

[۲۶۶]۔ الفتح الربانی ۲۰/۲۶۴۔

ہجرتِ صحابہؓ، سُوئے حبشہ و مدینہ

اسلامی سالِ نو کی آمد اپنے ساتھ جو پیغام اور یادیں لاتی ہے۔ اُن میں سے ہی تاریخِ اسلام بلکہ پوری تاریخِ انسانیت کا اہم واقعہ "ہجرتِ رسُولؐ" بھی ہے جس نے اسلامی تاریخ کو ایک نیا سنہری موڑ دیا۔ ہر نیا سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابہؓ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کو ہجرت کی یادیں تازہ کر دیتا ہے۔

یہ واقعہ ہجرت چودہ سَو نو برس (۱۴۰۹) پہلے رُونما ہُوا تھا۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعُوث ہُوئے تیرہ سال ہو چکے تھے۔ نبوت ملنے کے بعد جب آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینا شروُع کی۔ اہلِ قبیلہ، اہل مکہ اور قربِ جوار کے لوگوں کو بتایا کہ ہر قسم کی عبادت اور نذر و نیاز کا مستحق صرف ایک اللہ ہے۔ حاجت روائی اور مشکل کشائی کرنے والا بھی صرف وہی ایک مختارِ کُل ہے۔ تو فطرتِ سلیمہ کے مالک سعادت مند لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے۔ اُدھر مشرکینِ مکہ نے جب اسلامی تعلیمات کے اس سیلِ نور کو پھیلتے دیکھا، تو بگڑ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہا۔ تکلیفیں پہنچائیں۔ دھمکیاں دیں اور لالچ کے ذریعے دعوتِ اسلام کی راہ روکنا چاہی۔ لیکن آپؐ نے ان کی تکلیفوں اور دھمکیوں سے دبنے کی بجائے تبلیغِ دین کا یہ سلسلہ جاری رکھا اور ان کے ہر لالچ کو نوکِ پا سے ٹھوکر مار دی۔

طبرانی کبیر و اوسط، ابنِ جریر، اور مسند ابی یعلی کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترک

Marfat.com

هذا الامر، حتی یظھرہ اللہ او اھلک فیہ ما ترکتہ[۲۶۷]
"بخدا یہ لوگ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند بھی لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ میں اسلام کی دعوت و تبلیغ چھوڑ دوں، تب بھی یہ ممکن نہیں یہاں تک کہ اللہ کا دین غالب ہو جائے۔ یا اس کی راہ میں مجھے موت آ جائے۔"
قریش مکہ نے اپنے ان ہتھکنڈوں کے باوجود مسلمانوں کو روز بروز بڑھتے دیکھا تو صحابہ کرامؓ کو ایذائیں پہنچانا شروع کر دیا۔ اور ان پر ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مشرکین کی اس ہٹ دھرمی اور ایذاء رسانی کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت فرمائی۔

ہجرت صحابہؓ کا یہ واقعہ بعثت نبویؐ کے پانچ سال بعد ماہ رجب میں رونما ہوا اس ہجرت اولیٰ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر، زوجہ عثمان حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔

ہجرت حبشہ کے پہلے مہاجرین کی تعداد طبقات ابن سعد (۱/۲۰۴) اور طبری (۱/۱۱۸) کے مطابق گیارہ آدمی اور چار عورتیں تھیں۔ جبکہ معروف سیرت نگار ابن ہشام نے دس مرد اور چار عورتیں لکھا ہے۔

---

[۲۶۷] یہ حدیث ابن جریر ۲/۶۷ میں معضل سند کے ساتھ ہے اور طبرانی کبیر و اوسط میں بھی قدرے اختصار سے موجود ہے۔ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد ۶/۱۵ میں لکھا ہے کہ اس روایت کو شروع سے تھوڑے سے اختصار کے ساتھ ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور ابو یعلیٰ کے رواۃ کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔ (دیکھئے البدایہ ۳/۴۸۔ بیروت)، عظیم محدث علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تعلیقات الالبانی علی فقہ السیرہ ص ۱۱۴، ۱۱۵۔

Marfat.com

ابن کثیر، ابن ہشام اور ابن قیم رحمہم اللہ کے مطابق پہلی اور دوسری مرتبہ ہجرت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملا کر کُل تعداد تراسی ہو گئی۔ عورتیں اور بچے ان پر مستزاد تھے۔ [۲۶۸]

قریشِ مکہ نے جب دیکھا کہ اسلام کی دعوت مکہ سے نکل کر قرب و جوار اور حبشہ تک پہنچ گئی ہے تو انہوں نے خاندانِ نبوت کا سوشل بائیکاٹ کر کے انہیں ایک پہاڑی کی گھاٹی شعبِ ابی طالب میں محصور کر دیا۔ جس دوران صحابہ کرامؓ کو کھانے کی جگہ پتوں سے پیٹ بھرنا پڑا۔ بچے بھوک سے بلبلاتے اور ظالم قہقہے مارتے رہتے۔ اور یہ سلسلہ تین سال تک جاری رہا۔ [۲۶۹]

اس سوشل بائیکاٹ کی تفصیلات بڑی جانگداز ہیں۔ اور اس ظالمانہ بائیکاٹ لکھنے والے شخص منصور بن عکرمہ اور زاد المعاد میں علامہ ابن قیم کے بقول بغیض بن عامر بن ہاشم کو اللہ تعالیٰ نے یہ سزا دی کہ اُس کا دستاویز لکھنے والا ہاتھ شل ہو گیا۔ [۲۷۰]

اسلام کی سزائے بازگشت مدینہ منورہ تک جا پہنچی۔ قبیلہ اوس و خزرج کے کچھ لوگوں نے حج کے موقع پر اسلام قبول کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ جو تاریخ اسلام میں بیعتِ عقبیٰ اولیٰ اور بیعتِ عقبیٰ ثانیہ کے عنوان سے منسوب ہے۔ انہی ایام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا۔

بخاری و مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

---

۲۶۸ :- ابن کثیر ۲/ ۹ ، زاد المعاد ۲/ ۴۴ ، اور ابنِ ہشام جلد اوّل۔

۲۶۹ :- البدایہ والنہایہ ۳/ ۸۴ ، و سیرت ابن ہشام جلد اوّل

۲۷۰ :- زاد المعاد لابن قیم ۲/ ۴۶ المطبعۃ المصریہ۔

Marfat.com

رَأیت فی المنامِ انّی اُھاجِر اِلیٰ ارضٍ بھا نخلٌ ، فذھب وَھلی اِلیٰ اَنّھا الیمامۃ اُوھجر فاِذا ھی یثرب۔ (متفق علیہ)

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں۔ پہلے میرا خیال ہُوا کہ شاید یہ علاقہ یمامہ یا ہجر ہے۔ مگر معلوم ہُوا کہ یہ یثرب یعنی مدینہ منورہ ہے۔"

اور دوسری روایت میں ہے:-

قَدْ اُرِیْتُ دَارَ ھجرتکم۔ [۲۷۱]

میں تمہارا دارِ ہجرت دکھایا گیا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کی عام اجازت دے دی، اور فرمایا:-

اِنَّ اللہ قد جعل لکم اِخوانًا و دارًا تامنون بھا۔ [۲۷۲]

"تمہیں اللہ نے ایسے بھائی اور ایسی جگہ دی ہے کہ جہاں تم پُرامن رہو گے۔"

اس طرح صحابہ کرامؓ نے ہجرت شروع کر دی۔ تمام صحابہؓ نے خفیہ ہجرت کی، سوائے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

ما علمتُ احدًا من المھاجرین ھاجر اِلّا مُختفیاً اِلّا عمر ابن الخطاب!

"تمام مہاجرین نے خفیہ طور پر ہجرت کا سفر اختیار کیا سوائے حضرت عمر فاروقؓ کے۔"

---

[۲۷۱]:- بخاری ۱۸۶/۷، حاکم ۴۰۳/۳، بیہقی ۹/۹، عن عائشہؓ و بخاری ۱۲/ ۵۴، ۳۵۵، مسلم ۵۷/۷، ابن ماجہ ۴۴۵/۲، عن ابی موسیٰ نحوہ۔ تعلیق الالبانی علی فقہ السیرہ ص ۱۶۹

[۲۷۲]:- سیرت ابن ہشام ۸۰/۲، تحقیق طٰہٰ عبدالرؤف سعد، خاتم النبیینؐ، ابوزہرہ ۶۱۰/۱۔

Marfat.com

آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہجرتِ فاروق کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وہ جب ہجرت کے لیے تیار ہوئے تو گلے میں تلوار کا نیام لٹکایا۔ کندھے پر تیروں سے بھرا ترکش اور کمان لٹکائی۔ بیت اللہ کا طواف کیا۔ مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز پڑھی اور مشرکین مکہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

" من اراد ان تثکلہٗ امّہٗ او یُیتمّ ولدہٗ او تُرمّل امرأتہٗ فلیلقنی وراء ھذا الوادی "

(اشہر مشاہیر الاسلام مولفہ رفیق العظیم)

جو چاہے کہ اس کی ماں اُسے گُم پائے۔ اس کے بچے یتیم ہوں، اس کی اہلیہ بیوہ ہو، وہ مجھے اِس وادی کے پار ملے۔

سُبحان اللہ : ایسے قدسی نفوس انسان اور شاہکارِ رسالت کہ راہِ خُدا میں اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی اور مشرکین کو للکارتے ہوئے سفرِ ہجرت پر چل پڑے۔ ایسے قدسی نفوس کے ایمان میں شک کرنے والے اور انہیں بُرا بھلا کہنے والے اپنے ایمان کی خیر منائیں۔

یہ تو تھا ہجرت صحابہ رضی اللہ عنہم کا مختصر تذکرہ۔ جس کے ضمن میں ہی " یثرب " کا لفظ بھی گزرا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ معجم البلدان کی آٹھویں جلد ص ۴۹۸ پر لکھا ہے کہ :

یثرب مدینہ کا جاہلی نام ہے۔ یعنی قبل از اسلام مدینہ طیبہ کا نام یثرب تھا اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اس کا نام بدل دیا تھا[۲۷۳] اور مسند طیالسی (۲/۲۰۴) میں مذکور ہے کہ " نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۲۷۳] : بخاری ۴/۷۱ ، صحیح مسلم ۴/۱۲۱ ، مسند احمد ۵/۸۹ ، ۹۴ ، ۹۶ تا ۹۸ ، ۱۰۱ ، ۱۰۶ ، ۱۰۸ -

Marfat.com

نے یثرب کا نام "طیبہ" رکھا تھا۔

اور مسلم شریف میں تو یہاں تک مذکور ہے:-

اِنَّ اللہ سمّی المدینۃ طابہ۔ [۲۷۴]

"اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔"

ان احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ مدینہ منورہ، مدینہ طیبہ یا مدینہ طابہ کو اس کے پرانے جاہلی نام سے پکارنا مکروہ و ناپسندیدہ فعل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے شاعر اور نعت خواں حضرات اکثر یثرب ہی لکھتے اور پڑھتے ہیں۔

جبکہ مسند احمد و ابویعلیٰ میں ایک حدیث ہے۔

من سمّی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ عزّوجلّ ھی طابۃ ھی طابۃ۔ [۲۷۵]

جس نے مدینہ کو یثرب کے نام سے پکارا وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ کیونکہ وہ (یثرب نہیں بلکہ) طابہ ہے طابہ۔

یہ احادیث شعراء، نعت گو، اور نعت خواں حضرات سے بالخصوص اور عام مسلمانوں سے بالعموم توجہ چاہتی ہیں۔

۲۷۴:- صحیح مسلم ۴/۱۲۱۔

۲۷۵:- مسند احمد ۴/۲۸۵، عن البزار مرفوعًا و عزاہ الہیثمی فی المجمع ۳/۳۰۰ لابی یعلیٰ، ایضاً کما فی تخریج الالبانی علی فقہ السیرہ لمحمد غزالی ص ۱۵۰۔ ۱۵۱ طبع دار الکتب الحدیثہ مصر۔

انظر ایضاً اعلام الساجد للزرکشی ص ۲۳۶۔

Marfat.com

ہجرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

ہجرتِ مدینہ کا حکم ملنے کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر گئے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض مجبور مسلمانوں کے۔ حضرت صدیق اکبر نے اجازت چاہی تو صحیح بخاری میں کہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

عَلٰی رِسْلِكَ فَاِنِّی اَرجو اَن یُوْذَنَ لِیْ۔[۲۷۶]

جلدی نہ کرو، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے۔

اور سیرت ابن ہشام (۸۹/۲) میں یہ الفاظ ہیں۔

لا تعجلُ لعلّ اللہ یجعل لك صاحبًا فیطمعُ ابوبکرؓ ان یکونہٗ

جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ تمہارے لیئے کسی کو ساتھی بنادے اور حضرت ابوبکرؓ بھی آرزو رکھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میرے ساتھی بنیں۔[۲۷۷] اس طرح انہیں شرفِ رفاقت بخشنے کے لیئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک لیا۔ اور حضرت علی رضؓ کو حکم ملا کہ میرے پاس لوگوں کی جو امانتیں ہیں وہ واپس کر کے آجانا۔ اُدھر قریشِ مکہ پیچ وتاب کھا رہے تھے کہ مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت بن رہی ہے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اُن سے جا ملے تو پانی سر سے گزر جائے گا۔

لہٰذا ایک انہوں نے قصی بن کلاب کے گھر جو اُن کا دارالندوہ یا پارلیمنٹ

---

۲۷۶ :۔ بخاری ۷/ ص ۱۸۳ تا ۱۹۷ عن عائشہ، والفتح الربانی ۲۰/ ۲۷۹، ۲۸۰

۲۷۷ :۔ اور اسی قسم کے حوصلہ افزا اشاروں کی بنا پر انہوں نے دو سواریوں کو خصوصی خوراک دینا اور

ہوُس تھا۔ اجتماع کیا جس میں کسی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زنجیروں میں جکڑ کر کسی کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جائے۔ کسی نے کہا ملک بدر کر دیا جائے ابوجہل ملعون نے کہا کہ تمام قبیلوں کا ایک ایک نوجوان مسلح ہو کر اُن کے گھر کا گھیراؤ کرے۔ صبح جونہی نکلیں تو ایک ہی وار سے ان کا کام تمام کر دیں۔ اس طرح ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا۔ اور دیت دے کر سب کی جان چھوٹ جائے گی۔ شیطان لعین جو ایک بزرگ کے بھیس میں شریکِ اجتماع تھا۔ اس نے اسی رائے کو پسند کیا اور بات طے ہو گئی۔ [۲۷۸]

سورۃ انفال آیت ۳۰ میں اسی سازش قتل کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَ یَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝

"اور جس وقت کافر لوگ تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو باندھ دیں یا قتل کر دیں یا ملک بدر کر دیں، وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیر کر رہا تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سازش کی خبر دے دی۔ اور حکم فرمایا کہ آج رات اپنے گھر نہ سونا۔ آپؐ خلاف عادت دوپہر کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر گئے۔ ہجرت کی اجازت اور انہیں اپنا رفیقِ سفر ہونے کی خوشخبری دی۔ تو صدیق اس عظیم سعادت پر فرطِ مسرت سے رو پڑے

(بقیہ) پالنا شروع کیا تھا۔ اور جب ہجرت کا دن آیا تو فرمایا، اے اللہ کے رسول میں نے اسی دن کے لیے یہ دو سواریاں یعنی اونٹنیاں پال رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کر لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پسند کرتے ہی فرمایا۔ بالثمن کہ قیمت ضرور ادا کر دوں گا۔

۲۷۸۔ الفتح الربانی ۲۰/ ۲۷۷-۲۷۸، ابن ہشام ۲/ ۸۹-۹۱۔

Marfat.com

حضرت عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما زادِ راہ کی تیاری میں لگ گئیں جس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پروگرام تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو وہ سبز حضرمی چادر عنایت فرمائی جسے اوڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سویا کرتے تھے اور فرمایا یہ چادر لے کر میرے بستر پر سو جانا۔

فانہ لن یخلص الیک شیئٌ تکرھہ منھم ۔[۲۷۹]
دشمنوں کی طرف سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

اور خود دروازہ روک کر کھڑے دشمنوں کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے اپنے گھر سے نکل گئے۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عازم مدینہ ہوئے۔ اور یہ روانگی یکم ربیع الاول سنہ ۱ھ بمطابق ۱۳ ستمبر ۶۲۲ء بروز پیر سحری کے وقت ہوئی۔[۲۸۰]

اور مسند احمد (۲/۹۳) میں بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:
وُلِدَ نبیکم یوم الاثنین ونبی یوم الاثنین وخرج من مکۃ یوم الاثنین ودخل المدینۃ یوم الاثنین وتوفی یوم الاثنین۔
تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، بعثت، ہجرت، دخولِ مدینہ، اور وفات پیر کے دن کو ہوئی تھی۔

اور سید منصور پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین (۱/۸۵) میں ۲۷ صفر سنہ ۱۳ نبوت بروز جمعرات (۱۲ ستمبر ۶۲۱ء) کو روانگی لکھی ہے۔
دورانِ سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے

---

[۲۷۹] الفتح الربانی ۲۰/ ۲۷۹ بلفظ آخر و ابن ہشام ۲/ ۹۱ واللفظ لہ۔
[۲۸۰] الہجرہ، احمد عطار، مکہ مکرمہ ص ۵ مقدمہ۔

Marfat.com

چلتے اور کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں۔ آپؐ نے پوچھا، ابوبکر کیا بات ہے؟
تو حضرت صدیقؓ نے فرمایا، اے اللہ کے رسولؐ، جب پیچھا کرنے والوں کا خیال
آتا ہے تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ اور جب یہ خدشہ سامنے آئے کہ راستے میں کوئی
گھات لگا کر نہ بیٹھا ہو تو آگے ہو جاتا ہوں۔ اور اسی طرح دائیں بائیں بھی چلتا
ہوں کہ خدانخواستہ کوئی دشمن وار کرے تو مجھ پہ ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم
سلامت رہیں۔[۲۸۱]

دشمنوں کو دھوکہ دینے کے لیے مدینہ طیبہ کے راستے جانے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اُلٹے رُخ کو سفر شروع کیا۔ اور چار میل دُور جا کر غارِ ثور میں اُترے
غار کے کنارے پر پہنچے تو صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ آپؐ یہیں رکیں، پہلے میں
غار کا داخلی جائزہ لے کر حفاظتی اقدامات کر لوں کہ اندر کوئی درندہ یا زہریلا کیڑا
نہ ہو۔ جب وہ اطمینان کر بیٹھے تو فرمایا: اب تشریف لے آئیں۔
یہ واقعاتِ سفر بیان کرنے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

والذی نفسی بیدہٖ لتلک اللیلۃ خیر من آلِ عمر۔

(البدایہ ۳/۱۸۰)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ صرف اس رات کی
ابوبکرؓ کی نیکیاں سارے خاندانِ عمرؓ کی کل نیکیوں سے بھی زیادہ ہیں۔"
اس غار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تین دن قیام فرمایا۔ اس دوران حضرت اسماء بنت
ابی بکر رضی اللہ عنہما روزانہ رات کو کھانا، حضرت عامر مولیٰ ابی بکرؓ وہاں بکریاں
لے جا کر دودھ اور حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ قریش کی خبریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[۲۸۱] :۔ بیہقی عن ابن عمر کما فی البدایہ والنہایہ ۳/۱۸۰۔

Marfat.com

تک پہنچایا کرتے تھے۔ قریش مکہ تلاش میں سرگرداں غار کے منہ تک بھی پہنچ گئے۔ ۲۸۲

بخاری و مسلم شریف میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اگر ان (کفار) میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لیتا تو ہمیں پالیتا۔ اور قسم اٹھا کر فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا تو کوئی خطرہ نہیں، مجھے ڈر ہے تو صرف یہ، کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ معنا ۔ ڈریں نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اور فرمایا:۔

یَا اَبَا بکرٍ، ماظنك باثنین اللهُ ثالثهما ۔ (بخاری و مسلم)

اے ابوبکر! تمہارا ان دو ساتھیوں (کے محفوظ و مامون ہونے) کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جن کے ساتھ تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہو۔

مقام ابوبکر اور شانِ صدیق رضی اللہ عنہ کے لیئے یہی کیا کم ہے کہ سورۃ توبہ آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے شرفِ صحابیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ

۲۸۲ ۔ مشہور ہے کہ غارِ ثور کے منہ پر مکڑی نے جالا بُن دیا تھا۔ اور دو جنگلی کبوتریوں نے گھونسلا بنا کر انڈے دیئے۔ اور درخت کی ٹہنیاں غار کے منہ تک آگئی تھیں۔

شیخ محمد غزالی نے اپنی فقہ السیرہ ص ۱۲۳ پر امام احمد کی روایت جس میں جالے کا ذکر ہے۔ کے بعد لکھا ہے کہ امام احمد کی روایت حسن ہے۔ اگرچہ یہ صحاح میں موجود نہیں۔ اور کبوتر اور انڈے والے قصے کی نفی کی ہے۔ جبکہ اسی کتاب کی تخریج میں حاشیہ پر شیخ البانی نے البدایہ ۳/ ۱۸۸، اور فتح الباری ۷/ ۱۸ کے حوالہ سے ابن کثیر اور حافظ ابنِ حجر کی بھی تحسین ذکر کی امام عقیلی ابنِ معین، نسائی اور خود ابن حجر کے حوالے دیکر اس کبوتروں والی روایت کو ضعیف

Marfat.com

مَعَنَا۔
"دو میں سے دوسرے جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جس وقت اپنے ساتھی سے کہتے تھے کہ غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

سبحان اللہ! ؎ یہ رُتبہ بلند مِلا جسے مِل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رَسن کہاں

جن کے شرف کی شہادت خود قرآن پاک دے۔ ایسے پاک طینت و پاک باز لوگوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے، اُن پر کیچڑ اُچھالنے اور زبانِ لعن وطعن دراز کرنے والوں کو قہرِ الٰہی سے ڈرنا چاہیئے۔

وصولِ مدینہ

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سفرِ ہجرت سے پہلے تین دن غارِ ثور میں رُکے رہے۔ اور جب قریشِ مکہ کا جوشِ تلاش کچھ ٹھنڈا ہوا تو حسب پروگرام راستوں کا ماہر گائیڈ عبداللہ بن اُریقط دونوں سواریاں لایا، جن پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفیقِ سفر حضرت صدیقؓ سوار ہو کر مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔ [۲۸۳]

اُسی دن مکہ والوں نے اس انعام کا اعلان کر دیا کہ جو شخص مسلمانوں کے نبیؐ کو زندہ یا مُردہ حالت میں لے کر آئے گا، اُسے ایک سَو اونٹ دیئے جائیں گے۔ جو اُس زمانے کا تصور سے بھی بڑا انعام تھا۔ لہٰذا انعام کے لالچ میں کئی لوگ اُٹھ

(بقیہ) ثابت کیا ہے۔ (فقہ السیرہ للغزالی، تحقیق وتعلیق شیخ البانی ص ۱۷۳)

[۲۸۳] قاضی سلمان منصور پوری نے لکھا ہے کہ غارِ ثور سے مدینہ کی جانب روانگی یکم ربیع الاول بروز پیر (۱۶) ستمبر ۶۲۲ء کو ہوئی۔ رحمۃ للعالمین ۱/۸۷۔

Marfat.com

کھڑے ہوئے۔ انہی میں ایک سراقہ بن مالک بھی تھے۔ جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ خود ان کا اپنا بیان بخاری و مسلم میں ہے کہ :

"جب میں تلاش کرتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا تو میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں گر پڑا۔ پھر اٹھا سوار ہوا، گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جب اُن کے قریب پہنچا تو اس کی اگلی دونوں ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئیں۔ میرے زجر کرنے پر وہ بمشکل زمین سے نکلا۔ تو میں نے دیکھا کہ جہاں وہ دھنسا تھا، وہاں کوئی گڑھا نہیں تھا۔ صرف ایک دھواں سا وہاں سے نکلا اور آسمان کی طرف گیا۔ تو میں سمجھ گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں۔ لہٰذا میں نے اُنہیں آواز دے کر پناہ طلب کی تو آپ رُک گئے۔ میں نے سارا ماجرا سنایا اور اپنا زاد اُنہیں پیش کیا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ لیا۔ صرف اتنا فرمایا۔

اَخْفِ عَنَّا الطَّلَبَ کہ ہمارے بارے میں پوچھنے اور ہمیں تلاش کرنے والوں کو اِدھر نہ آنے دو۔

پھر میں نے "امن نامہ" طلب کیا تو آپؐ نے عامر بن فہیرہ مولیٰ ابوبکرؓ سے لکھوا کر مجھے عطا کر دیا۔ میں واپس ہو گیا۔ اور دوسرے تعاقب میں جانے والے لوگوں کو اُدھر جانے سے یہ کہہ کر روکتا گیا کہ اب اِدھر جانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ میں کافی دُور تک ہو آیا ہوں۔"

اس طرح وہ سراقہ بن مالک جو جان کے پیاسے تھے، شام کو جاں نثار بن کر لوٹے۔ [۲۸۴]

اس سفرِ ہجرت میں گھوڑے کے پاؤں دھنسنے کے علاوہ بھی کئی معجزات

---

[۲۸۴] ۔ بخاری مع الفتح ۷/۳۳۶ طبع دار الافتاء، حاکم ۳/۷-۹ عن سراقہؓ و انسؓ ، مسلم عن البراء ، مسند احمد ۳/۲۱۲ ، سیرت ابن ہشام ۲/۹۷-۹۶ ۔

Marfat.com

رُونما ہوئے۔ جیسا کہ سیرت ابن اسحاق مواہب اللدنیہ اور البدایۃ والنہایۃ میں اُمّ معبد کی بکری کا واقعہ ہے کہ:۔

وہ دُودھ نہیں دیتی تھی۔ آپؐ نے اس کا دُودھ دوہنے کی اجازت چاہی، اور اس کے تھنوں کو چھوا تو اُس نے دُودھ اُتار لیا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی برتن دُودھ دوہیا۔ یہ بکری حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے تک رہی۔ اور صبح وشام دُودھ دیتی رہی۔[۲۸۵]

اور دُوسرا معجزہ مسند احمد میں مذکور ہے کہ راستوں کے ماہر عبداللہ بن اریقط نے بتایا کہ:

اس پہاڑ میں دو ڈاکو رہتے ہیں، وَرنہ ہم راستہ مختصر کر لیتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمیں اسی راستے لے چلو۔ اُن کی جگہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلایا، اور اسلام پیش کیا تو وُہ فوراً مسلمان ہو گئے۔ وُہ دونوں مہانان (ذلیل) کے نام سے معرُوف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بَل اَنْتُمَا المکرمان[۲۸۶] بلکہ اب تم مکرّمان (معزز) ہو۔

اور مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاوّل ۱۳ھ نبوت بروز پیر (۲۳ ستمبر ۶۲۲ء) قریبی بستی قبا پہنچے اور قیام فرمایا۔ اور وہاں مسجدِ قبا کی بُنیاد رکھی جو اسلام میں سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی۔ جس کے بارے میں قرآن پاک نے "اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی" کے الفاظ میں گواہی دی کہ یہ تقوٰی کی بُنیاد پر تعمیر ہوئی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس مسجد میں جو آدمی گھر سے وضو کر کے جائے اور دو رکعت نماز ادا کرے، اسے عُمرے کا ثواب ملتا ہے۔

۲۸۵۔ ابن اسحاق مواہب لدنیہ کما فی الفتح الربانی ۲۰ / ۲۸۳، البدایہ والنہایہ ۳/ ۱۹۰ تا ۱۹۲

۲۸۶۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر وقال، انفرد بہ احمد، الفتح الربانی ۲۰ / ۲۸۸-۲۸۹

قیامِ قبا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ربیع الاول ۱ھ بروز جمعہ سوار ہو کر بنی سالم کے گھروں تک پہنچے، تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں سو آدمیوں کے ساتھ جمعہ پڑھا۔ یہ اسلام میں پہلا جمعہ تھا اور وہ مسجد آج تک مسجد جمعہ" کے نام سے معروف ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ جمعہ کے بعد اسی دن مدینہ میں داخل ہوئے۔[۲۸۷]

اہلِ مدینہ نے شہر سے باہر آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پُر جوش استقبال کیا اور آپ کی آمد پر جی بھر کر اظہارِ مسرت کیا۔ مشہور و معروف نعتیہ اشعار:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

اسی استقبال کے وقت پڑھے گئے تھے۔ اب انصارِ مدینہ میں سے ہر صحابی کی یہ خواہش ہے کہ شرفِ میزبانی مجھے نصیب ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑتے ہیں تو آپ نے کسی ایک کو راضی اور بقیہ کو ملول کرنے کی بجائے معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا۔ اور فرمایا:

دَعُوھَا فانّھا مامورۃ[۲۸۸]

میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ وہیں بیٹھے گی جہاں اسے حکمِ الٰہی ہوگا۔

اور وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دروازے کے پاس جا بیٹھی اور شرفِ ضیافت انہی کے حصے آیا۔

رضی اللہ عنہ و ارضاہ

۲۸۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/ ۹۱-۹۴ لیکن محمود پاشا فلکی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ ربیع الاول ۱ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء بروز پیر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے (التقویم العربی محمود پاشا فلکی طبع مصر ۱۲۹۹/۱۹۶۹)

۲۸۸۔ البدایہ ۳/ ۲۰۲، طبقات ابن سعد ۱/ ۲۳۶-۲۳۷، فی تخریج زاد المعاد للارناؤوط ۱/ ۱۰۱-۱۰۱ والبیہقی ...

Marfat.com

دولتِ اسلامیہ کا قیام

بادئ النظر میں ہجرتِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ مکہ کے ظلم واستبداد سے فرار نظر آتی ہے۔ مگر حقیقت اس کے سراسر برعکس ہے۔ یہ ہجرت تو ظلم کے خاتمے اور دُنیائے انسانیت میں عدل وگستری کا پیش خیمہ اور عین منشاءِ الٰہی تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک سورۂ توبہ آیت ۳۳، سورۂ فتح آیت ۲۸، اور سُورۂ صف آیت ۹ میں (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ) فرما کر دینِ اسلام کی تمام ادیانِ سابقہ پر فتح ونصرت کی جو خوشخبری دی تھی اُسے حقیقت کا رُوپ دینے کے لیے کسی ایسے مقام پر استقرار ضرُوری تھا جہاں شعائرِ دین کی ادائیگی اور اسلام کی تبلیغ واشاعت پر کوئی قدغن نہ ہو۔ اور جہاں اسلامی حکومت کا قیام وتشکیل ممکن ہو، جو ظلم کے خاتمے اور عدل وانصاف کی ضامن ہے۔ ان بلند مقاصد کے حصُول کے لیے مکہ جیسی فضائے شرک سے نکلنا ضرُوری تھا، اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے صحابہؓ کے لیے جو جگہ پسند فرمائی وُہ مدینہ طیبہ تھی۔ جہاں پہنچتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کی پہلی دولتِ اسلامیہ کے خاکے میں رنگ بھرنا شروع کر دیا۔ اور اس کے بنیادی خدوخال استوار کرنے کے لیے چار اقدام کیے۔

۱۔ سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ حضرت ابوایوبؓ انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے والی اُس جگہ میں تعمیر کروائی جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونٹنی بیٹھی تھی۔ جو بیک وقت بشری فرشتوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے جہاں مرکزِ عبادت تھی، وہاں ساتھ ہی رُوحانی ومادی علوم کے لیے عظیم یونیورسٹی بھی تھی۔ وُہ مسجد جہاں داخلی وخارجی تعلقات سکھلانے والا پولیٹیکل انسٹیٹیوٹ

Marfat.com

تھی، وہیں فوجی وعسکری تربیت کا ٹریننگ کالج بھی تھی۔ اُس مسجد کے سامنے آج کے تمام بڑے بڑے علمی وثقافتی اور عسکری ادارے ہیچ ہیں۔ اُس مسجد نبوی سے نور کا وہ سیلاب پھوٹا جس کی شعاعوں نے پورے عالم کو منور کردیا۔[۲۸۹]

۲۔ دوسرا اہم اقدام یہ فرمایا کہ انصارِ مدینہ اور مہاجرینِ مکہ کے مابین رشتۂ مؤاخات یا بھائی بندی قائم فرمائی تاکہ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ فوراً حل ہو۔ اور وہ معاشی طور پر جلد خود کفیل ہوں۔ اور تمام افرادِ معاشرہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ جیسے کئی صحابہؓ نے ایثار وفدائیت کی ناقابلِ تعین مثالیں قائم کیں اور اپنے مکی مہاجر بھائی پر کل مال کا نصف نچھاور کیا۔ اور دو بیویوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی پیش کش کر دی۔ مگر مکی بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بازار کی راہ پوچھی، محنت کی، چند ہی ماہ بعد اپنے پاؤں پر کھڑے ہوکر اپنی کمائی سے شادی بھی کی۔

جیساکہ حضرت ابن ربیع رضی اللہ عنہ کے الفاظ امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمائے ہیں کہ اُنہوں (حضرت سعدؓ) نے فرمایا کہ:۔

انی اکثر الانصار مالا فاقسم مالی نصفین ولی امرأتان فانظر اعجبهما الیک فسمّها لی أطلقها فاذا انقضت عدتها فتزوجها۔ (بخاری)

میں انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار ہوں، میرا مال دو حصے کرکے ایک حصہ تم لے لو۔ اور میری دو بیویاں ہیں اُن میں سے جسے تم پسند کرو اس

۲۸۹:۔ تعمیر مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس حصہ لیا تھا۔ اور تعمیر مسجد نبوی کی تفصیل کے لیئے دیکھیئے البدایہ والنہایہ ۳/ ۲۱۴، ابن ہشام ۲/ ۱۰۱، طبری ۲/ ۳۹۶، طبقات بخاری ومسلم عن انس، اور مقاصدِ تعمیر کے لیئے فقہ السیرہ محمد غزالی بتحقیق البانی ملاحظہ فرمائیں۔

کا نام لو میں اس کو طلاق دے دیتا ہوں، اور جب اُس کی عدت پُوری ہو جائے تو تم اس سے شادی کر لینا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

بارك الله لك في أهلك ومالك

اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و مال میں برکت فرمائے۔

اور بازار کا پتہ پُوچھ کر محنت و مشقت سے کمائی کی اور سونے کی گٹھلی حق مہر کے عوض اپنی شادی کی۔[۲۹۰]

۳۔ دولتِ اسلامیہ کے قیام کی طرف پیش رفت کے طور پر تیسرا اہم سیاسی اقدام یہ فرمایا کہ اس نئے اسلامی معاشرے کے افراد اور دُوسری قوموں خصوصاً یہُود کے مابین معاہدۂ صلح اور عدمِ جارحیت طے کیا۔ جو ایک بُنیادی و عبوُری دستوُر کی حیثیت رکھتا ہے جس میں جانبین کے حقوق و فرائض کی تفصیلات کے علاوہ ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر کوئی قوم مدینہ پر حملہ آور ہُوئی تو تمام اہلِ معاہدہ مل کر دفاع کریں گے۔[۲۹۱]

اس مُعاہدے نے جزیرۂ عرب کے باسیوں کو پہلی مرتبہ سیاسی شعُور، ایک دُوسرے کے قانونِ تحفظ اور قانون کی بالادستی سے روشناس کرایا۔[۲۹۲]

۴۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقیدہ و عمل کے لحاظ سے تعمیرِ انسانیت اور بنائے

[۲۹۰]۔ اس طرح صحابہ فارغ البال ہو گئے۔ مگر حاکم دولتِ اسلامیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ عالم کہ وفات تک کبھی خستہ روٹی نہیں کھائی۔ (بخاری عن انسؓ)۔ دو دو ماہ تک گھر میں آگ تک نہیں جلی۔ صرف کھجُور اور پانی پر گزارہ رہا (عن عائشہؓ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپؐ کی درع ایک یہُودی کے پاس گروی تھی جس کے عوض گھر والوں کے لیے کچھ جَو لیے تھے (تفصیل کیلئے البدایہ ۵/ ۸۴-۲۸۲، الحق المر، محمد جلال کشک ص ۴۴ تا ۴۸۔

(باقی آگے دیکھیں)

جماعت کے مراحل سے فارغ ہوئے تو (اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا) اور (وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ) اور (وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ) جیسی آیات میں مذکور اجازت وحکم قتال وجہاد کی خاطر آپؐ نے چوتھا اہم کام یہ کیا کہ صحابہؓ کو جہاد کی ترغیب دی۔ اور دشمن سے بوقت ضرورت دفاعی مقابلہ کرنے کے لیے اُس وقت کے حربی فنون، تیراندازی، شمشیر زنی اور گھوڑ سواری کی طرف توجہ دلائی۔ اور پھر واقعی ان فنون کی ضرورت پیش آئی تو بدر و اُحد اور حنین وخیبر جیسے معرکوں سے سُرخرو ہوتی ہوئی یہ چھوٹی سی مدنی ریاست نقشۂ عالم کی عظیم قوت بن گئی جس کے سامنے قیصر وکسریٰ بھی گھٹنے ٹیک گئے۔ اور مسلم وغیر مسلم مورخین کو اعتراف کرنا پڑا کہ ہجرتِ رسولؐ ظلم سے فرار نہیں بلکہ ظلم کے خاتمے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ایک اہم ضرورت تھی۔

---

۲۹۱ ۔ البدایہ ۳/۲۲۴، ابن ہشام ۲/۱۰۶ مجموعۃ الوثائق محمد حمیداللہ ص ۳۷ - ۴۱،

۲۹۲ ۔ الاسلام وحرکۃ التاریخ، انور الجندی ص ۳۳، ۳۴ -

کیلنڈر کا آغاز و ارتقاء

آغازِ سالِ ہجری کی مناسبت سے ہی ہم آپ کو یہ بتائے جا رہے ہیں کہ کیلنڈر یا تقویم یا عام الفاظ میں جنتری کا آغاز کب ہوا۔ اور اس نے ارتقاء کی کون کون سی منازل طے کیں ؟

تاریخ عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان نے جب سے زمانۂ تہذیب میں قدم رکھا اور لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، تبھی سے اُن میں زمانے کی ماہ و سال اور ایام میں تقسیم کا رواج چلا آرہا ہے۔ اور جن ممالک میں تقویم زمانۂ قدیم سے، متعارف ہے۔ اُن میں عراق، شام، مِصر، یمن، چین، ایران اور انڈیا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اور ان میں سے بالخصوص عراق میں اگر سب سے پہلے نہیں تو کم از کم اکثر اقوام سے پیشتر اس کا رواج ہوا۔ جبکہ مؤرخین نے سومری اور حمورابی تہذیبوں میں بھی اس کے استعمال کا پتہ دیا ہے۔ جو کہ تین ہزار سال قبل مسیح (۳۰۰۰ ق م) کے زمانہ میں تھے۔[۲۹۳]

جازر میں آثارِ قدیمہ میں کی جانے والی کھدائیوں میں پتھر کی کچھ ایسی سِلیں ملی تھیں جن میں بارہ ماہ کا کیلنڈر نقش تھا اور اس کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے ہے۔

بنی اسرائیل میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ سفر الخروج باب ۱۳ فقرہ ۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان مُبارک سے ماہِ ابیب کا ذکر آیا ہے جو کہ اُن کی تقویم کا ایک مہینہ تھا۔[۲۹۴]

---

[۲۹۳] تاریخ عالم ۲/۴۷ وما بعدھا۔ طبع مکتبۃ النہضۃ المصریۃ۔

[۲۹۴] قاموس کتاب المقدس طبع بیروت ۔ ۷۱۔ ۱۹۲۸ کما فی الہجرۃ احمد عطار ص ۱۲۱

Marfat.com

سفرِ تکوین ، اِصحاح ۷ ، ۸ میں مذکور ہے کہ طوفانِ نوح کا زور دوسرے مہینے کی سترہ [۱۷] تاریخ سے لے کر ساتویں مہینے کی دس تاریخ تک یعنی ایک سو پچاس دن تک رہا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لیل و نہار اور ماہ و سال پر مبنی تقویم کا رواج طوفانِ نوح علیہ السلام سے بھی پہلے ہو چکا تھا۔

بخت نصری ، قبطی جدید یا سکندری تقویم کا آغاز ۲۹ اگست ۲۵ ق م بروز جمعہ سے ہوتا ہے۔ جبکہ بعض علماء نے اس کا نقطۂ آغاز ۲۸۴ء بتایا ہے۔[۲۹۵]

ہندوؤں کی مذہبی کتاب " منوسمرتی " کے فقرہ ۶۴-۶۵ میں لکھا ہے۔ " ایک رودتر ایک دن اور رات کا ہوتا ہے۔ اور تیس مہورت کے برابر ہوتا ہے (اور ایک مہورت ۴۸ منٹ کا ہوتا ہے)۔ رات آرام کے لئے اور دن کام کے لئے ہے۔ " اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ہندی تہذیب میں بھی تقویم کا رواج منوسمرتی کی تالیف سے قبل کا ہے۔ جبکہ منوسمرتی کا زمانہ تالیف دوسرے ہزار قبل مسیح کا اوائل ہے۔[۲۹۶]

اہلِ فارس و ایران میں جب کوئی بادشاہ تخت نشین ہوتا تو اسی دن سے تاریخ کا حساب لگایا جاتا اور اس کی وفات کے ساتھ ہی یہ سلسلہ ختم ہو جاتا۔ مگر یزدگرد بن شہریار بن پرویز خسرو کی تخت نشینی سے لے کر فارسی یا نوشیروانی تقویم مسلسل چلی آرہی ہے۔ جس کے ہر ماہ کے تیس اور سال کے ۳۶۰ دن ہوتے ہیں اور ہر ایک سو بیس [۱۲۰] سال کے بعد ان کا ایک سال تیرہ [۱۳] ماہ کا ہوتا ہے، جسے "بہرک" کہتے ہیں۔ اور زائد تیرھویں [۱۳] مہینے کو " شہر زاد " کا نام دیا جاتا ہے۔[۲۹۷]

۲۹۵ ۔ الزیج الصابیٔ للبتانی و کشاف اصطلاحات الفنون مولانا تھانوی۔

۲۹۶ ۔ منوسمرتی احسان حقی کما فی الہجرۃ۔

۲۹۷ ۔ سفینۂ راغب ، تالیف محمد راغب پاشا ص ۲۴۸ کما نقلہ العطار۔

Marfat.com

رومانی تقویم ۴۵ سنہ ق م میں جولیس قیصر نے وضع کی جبکہ رومی اور سریانی کیلنڈر اسی سے ملتے جلتے ہیں۔ البتہ آج کل کا معروفِ عالم عیسوی کیلنڈر، رومانی تقویم کی تہذیب و ترمیم شدہ کاپی ہے۔

عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ بعض اہم واقعات و حوادث کو بنیاد بنا کر تاریخ لکھا کرتے تھے۔ اہلِ مکہ حروب الفجار، حلف الفضول (۵۸۵ء، ۵۷۰ء) یا عام الفیل (۵۷۰ء تقریباً) سے آغاز کیا کرتے تھے۔ اور عام الفیل کا استعمال سب سے زیادہ معروف تھا۔ جیسا کہ مؤرخین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش عام الفیل لکھی ہے۔

دنیا میں عام طور پر جو کیلنڈر استعمال ہوتے رہے، ان کی مجموعی تعداد پندرہ[۱۵] ہے۔ ہجری[۱]، جولین پیریڈ[۲]، عبرانی[۳]، طوفانِ نوح[۴]، کل جگ[۵]، ابراہیمی[۶]، بخت نصری[۷]، سکندری، بکرمی بروشٹ[۸]، بکرمی قمری شمسی[۹]، عیسوی قدیم[۱۰]، عیسوی جدید[۱۱]، قبطی جدید[۱۲]، نوشیروانی[۱۳]، عام الفیل[۱۴]۔

ان تمام تقاویم میں سے صرف ہجری و اسلامی تقویم کو چھوڑ کر باقی سب میں ترمیم و اضافہ اور تہذیب و اصلاح ہوتی رہی ہے۔ کوئی بھی اپنی پہلی صورت پر قائم نہیں رہ سکی۔ مگر ہجری تقویم کے زمانہ عمر فاروق سے آغاز ہونے سے لے کر آج تک اپنی مجوزہ صورت پر چلی آرہی ہے۔ یہ فضیلت دوسرے کسی بھی کیلنڈر کو حاصل نہیں۔ اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے اکثر مروجہ کیلنڈروں میں سے یہ ہجری کیلنڈر قدیم تر ہے۔ اگرچہ دیگر کیلنڈر اپنے اعداد کے لحاظ سے قدیم اور پرانے لگتے ہیں۔ مثلاً۔

"یکم محرم ۱ھ بمطابق ۱۶ جولائی ۵۳۳۵ سنہ جولین۔"

بظاہر جولین ۵۲۳۴ سال قدیم نظر آتا ہے۔ مگر درحقیقت یہ ہجری کیلنڈر

سے ۹۸۹ سال بعد ۱۵۸۲ئہ میں وضع ہوا۔

"یکم محرم ۱ھ بطابق ۳ر آب ۴۳۸۲ عبری"۔

اس سے بظاہر عبرانی تقویم ۴۳۸۱ سال قدیم لگتی ہے۔ مگر دراصل یہ بھی ۹۸۹ سال ہجری کے بعد ۱۵۸۲ء میں وضع ہوئی۔[۲۹۸]

"کل جگ"، ہجری تقویم سے ۳۷۲۳ سال پہلے معلوم ہوتا ہے۔ مگر یورپی مورخین اور ہیئت دان اعتراف کرتے ہیں کہ یہ چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا۔ گویا اپنے حساب سے ۳۴ صدیاں گزرنے کے بعد خود اس کا اپنا جنم ہوا۔ اسی طرح

یکم محرم ۱ھ مطابق ۲۶ر ساون سمت ۶۷۹ سمت بروشٹ سے بظاہر بروشٹ ہجری سے ۶۷۸ سال پرانا معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ ہندو اور یورپی محققین کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ سمت ۸۹۸ بروشٹ کا پہلا سال ہے۔ اور چونکہ یکم بیساکھ (طرہ اول)، سمت ۸۹۸ ۲۳ر جمادی الاول ۲۲۶ھ کے مطابق ہے۔

اس حساب سے معلوم ہوا کہ سمت بروشٹ کیلنڈر، ہجری کیلنڈر سے ۲۲۵ سال بعد شروع ہوا تھا۔ اصل سال آغاز میں ایک بڑے عدد کا اضافہ کر دیا جاتا ہے تاکہ عدد بڑا معلوم ہو۔ مگر سالِ ہجری جب سے کیلنڈر بنا ہے تب سے گنا گیا ہے۔[۲۹۹]

۲۹۸۔ ملاحظہ فرمائیں انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ج چہارم طبع نہم لندن۔

۲۹۹۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی معرکۃ الآراء کتاب رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۱۶، ۳۴۸ تا ۳۶۸ کا مطالعہ بڑا مفید ہے۔

Marfat.com

ہجری کیلنڈر کا آغاز

تاریخ انسانیت کے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے کم وبیش پندرہ کیلنڈر مروج رہے ہیں۔ جن میں سے چند اہم اور معروف کیلنڈروں کے آغاز وارتقا کا مختصر تعارف ہو چکا ہے۔ ان تمام میں مرور ایام کے ساتھ ساتھ مختلف تبدیلیاں ترمیم و تہذیب اور اضافے ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ تمام انسانی دماغوں کی اختراع تھے۔ اور ان کی بنیاد بھی کسی مضبوط چیز پہ نہ تھی۔ جبکہ ان سب کے برعکس اسلامی یا ہجری تقویم کو یہ شرف اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ جب سے تجویز ہوئی، اس میں کوئی ایسی ایک بھی تبدیلی نہیں لائی گئی جو دوسروں میں متعدد بار رونما ہوئیں۔ اور نہ ہی رہتی دنیا تک اس میں کسی ترمیم و تہذیب کی ضرورت پیش آنے والی ہے۔ کیونکہ اس تقویم کی بنیاد منشاء الٰہی کے عین مطابق چاند پہ ہے۔ اور چاند کو اللہ تعالیٰ نے سن و سال کی تعیین کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

جیسا کہ سورۃ یونس آیت ۵ میں ارشاد الٰہی ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ۔

۔اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سورج کو ضیاء و روشنی اور چاند کو اجالے و چاندنی کے لیے بنایا۔ اور چاند کی منزلیں مقرر فرمائیں۔ تاکہ اس کے ذریعے تم سالوں کی تعداد اور حساب و کتاب معلوم کر سکو۔

اور دوسری جگہ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۹ میں فرمایا:۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔

Marfat.com

"لوگ آپ سے (اے میرے نبیؐ) چاند کی مختلف حالتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، انہیں بتا دیں کہ یہ لوگوں کے لیئے (کاروبار کے) اوقات اور حج کا وقت معلوم کرنے کے لیئے ہیں۔"

اسی ہجری کیلنڈر کے بارہ "۱۲" مہینے ہیں۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ آیت ۳۶ میں یہی فرمایا:۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔

"اللہ تعالیٰ نے جب سے زمین و آسمان بنائے ہیں، اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ "۱۲" ہے۔"

اس آیت اور پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ سال کے بارہ ماہ اور ہر ماہ کے آغاز اور تاریخ کا پتہ چلانے کا ربانی ذریعہ چاند (ہلال) ہے۔ اور تمام شرعی امور مثلاً رمضان، حج، یوم عرفہ، ایام تشریق اور ایام بیض چاند ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس ہجری، قمری، اسلامی تقویم کی بنیاد اسی فطرتی اور قدرتی نظام پر قائم ہے۔ ایسے ہی اس ہجری کیلنڈر کی ایک فضیلت و صفت یہ بھی ہے کہ اس میں عدل و انصاف اور مساوات و ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔ مثلاً:۔

اگر شمسی یا عیسوی تقویم کے حساب سے گرمی یا سردی کے کسی مہینے کو رمضان کی جگہ روزے کا مہینہ قرار دے دیا جاتا ہے تو یقیناً آدھی مسلم دنیا کو آسانی اور آدھی ہمیشہ کے لیئے مشکل میں مبتلا ہو جاتی۔ کیونکہ جغرافیہ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ دسمبر جو نصف شمالی دنیا کے لیئے سب سے سرد اور چھوٹے دنوں والا ہوتا ہے۔ یہی مہینہ نصف جنوبی دنیا کے لیئے سب سے گرم اور طویل دنوں والا ہوتا ہے۔ مگر اسلام کی ہمہ گیری کا تقاضہ یہ تھا کہ تمام عالم کے مسلمانوں کو اس

Marfat.com

سلسلہ میں برابری میسر آئے اور ہجری کیلنڈر کے ماہِ رمضان کے روزوں سے یہ سہولت میسر ہے کہ پورے عالم کے مسلمانوں کو کبھی گرمی اور کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں میں پورے روزے رکھنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔[۳۰]

ان خصوصیات و امتیازات کی مالک ہجری تقویم یا اسلامک کیلنڈر کے آغاز کے بارے میں امام زہری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الَّذِي أَمَرَ بِذٰلِكَ عِنْدَ نُزُوْلِهٖ بِقُبَاء۔ (رواہ الحاکم فی الاکلیل)

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجری تقویم کا حکم دیا تھا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں پہنچ گئے تھے۔

اور امام سیوطی کے بقول جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو خط لکھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس میں یہ لکھنے کا حکم دیا کہ۔

إِنَّهٗ كُتِبَ لِخَمْسٍ مِنَ الْهِجْرَةِ۔[۳۱]

یہ خط ۵ھ (پانچ ہجری) کو لکھا جا رہا ہے۔

مگر جمہور اہلِ علم کا فیصلہ یہ ہے کہ ہجری تقویم کا دن ماہ اور سال کے ساتھ باقاعدہ آغاز عہدِ فاروقی ۱۷ھ میں ہوا۔[۳۲]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو جمع کر کے،

---

[۳۰]۔ الہجرۃ احمد عبدالغفور عطار ص ۱۰۳ - ۱۰۸ مفصلاً و رحمۃ للعالمین ج ۲/۳۵۲ مختصراً، قاضی منصور پوری۔

[۳۱]۔ تدریب الراوی ص ۲۵۶، کما فی آیات للسائلین و ہجرۃ سید المرسلین ص ۷۶، وائل محمد القیسی۔

[۳۲]۔ پہلی دونوں روایتوں اور جمہور کے فیصلے میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دن اور ماہ و سال کا باقاعدہ رواج نہیں ہوا تھا۔ صرف سال لکھنے پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ اور عہدِ فاروقی میں یہ باقاعدہ شکل تجویز ہوئی۔

Marfat.com

اجرائے تاریخ کا مشورہ طلب کیا۔ جیسا کہ ابونعیمؒ نے اپنی تاریخ اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

انّہٗ یاتینا منک کتبٌ لیس لہا تاریخ۔
ہمیں ملنے والے آپؓ کے خطوط میں تاریخ نہیں ہوتی۔

اور ایک ایسا معاملہ سامنے آیا کہ جس کا تعلق شعبان سے تھا۔ تو پوچھا گیا:

اَیُّ الشعبانِیْنَ اَھُوَ الّذِی مضیٰ اَمِ الّذِی یاتِی
کیا اس سے گزرا ہوا شعبان مراد ہے یا آئندہ شعبان؟

لہٰذا حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے باقاعدہ تاریخ و تقویم کا ارادہ کیا۔ اور صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ [۳۰۳]

اور جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اجرائے تاریخ کا مشورہ طلب کیا، تو کئی ایک آراء سامنے آئیں، کسی نے ولادتِ رسولؐ، کسی نے آپؐ کی بعثت، کسی نے ہجرت اور کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آغاز کا مشورہ دیا۔ مگر حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رائے پر دولتِ اسلامیہ کا پیش خیمہ بننے والے واقعہ ہجرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقطہ آغاز بنایا گیا۔ اور ہجرت اگرچہ ماہِ ربیع الاول میں ہوئی تھی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عزمِ ہجرت بیعتِ عقبہ کے وقت ذوالحجہ میں ہی ہو چکا تھا۔ اور اس عزم کے بعد پہلا چاند محرم کا ہی طلوع ہوا، اور یہی عربوں میں پہلا مہینہ مشہور و معروف تھا لہٰذا اسے ہی ہجری کیلنڈر کا پہلا مہینہ قرار دیا گیا۔

۳۰۳۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الہجرۃ للعطار ص ۱۲۶، آیات للسائلین ص ۷۷، نقلاً عن نعیم فی تاریخہ، البدایہ والنہایہ ۳/ ۷-۲۰۶ طبع بیروت۔

Marfat.com

اور بخاری شریف میں ہے :-

ماعدوا من مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا من وفاتہ ، ماعدوا الا من مقدمة المدینة ۔

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت یا وفات کی بجائے آپؐ کی ہجرتِ مدینہ سے تاریخ کا آغاز کیا۔

حافظ نے شرح بخاری میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ اور کئی آثار نقل کیئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ :-

محرم سے آغازِ سال کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تھی اور ہجرت کو نقطۂ آغاز بنانے کی رائے کے بارے میں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تھی [۳۰۴]

اب ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس ہجری کیلنڈر کو زندہ و جاری رکھے۔ اور اپنے دفاتر و مکاتب میں ہجری تاریخوں پر عمل کرے۔

---

۳۰۴ :- البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۰۶ - مزید تفصیل کے لیئے دیکھیئے ۔ الفتح الربانی للبناء ج ۲ ص ۲-۳ حاشیہ بلوغ الامانی ۔

اسلامی تقویم کا واقعۂ ہجرت سے آغاز کیوں؟

اسلامی کیلنڈر یا ہجری تقویم کے بارے میں تفصیل ذکر ہوئی تھی کہ اس کا باقاعدہ اجراء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں انہی کی رائے سے ہوا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو جن امور میں شرفِ فوقیت حاصل ہے۔ انہیں میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی تقویم کا آغاز واقعۂ ہجرت سے کیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کی ابتداء کے لیئے اس وقت کو موزوں سمجھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرمایا کہ اب مکے کی فضا مسلمانوں کے قیام اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیئے ناسازگار ہو گئی ہے لیکن یہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تاریخِ اسلام کے صفحاتِ پُر ثروت میں اور بھی بہت سے واقعات موجود ہیں جو شان وشکوہ اور مسرت وشادمانی کے اعتبار سے انتہائی لائق اور قابلِ توجہ ہیں۔ آخر ان میں کسی واقعہ کو اسلامی تقویم کے آغاز کے لیئے کیوں منتخب کیا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ سعود میں بعض ایسے سانحات وحوادث بھی رونما ہوئے جنہیں شدت وتلخی اور حزن وملال کے اعتبار سے تاریخِ اسلامی کا ایک نہایت اہم موثر اور انتہائی تکلیف دہ باب گردانا گیا۔ آخر ایسے واقعات میں سے کسی کو تاریخِ اسلام کا مبدا کیوں نہ بنایا گیا۔ اور واقعۂ ہجرت کو اولیت کیوں دی گئی؟

اسلامی نقطۂ نگاہ سے تاریخ کا سب سے عظیم واقعہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود پر جلوہ گر ہونا ہے۔ رفعت وعظمت کے اعتبار سے یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ جس نے انسانیت کی پوری تاریخ کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ یہی وہ ساعتِ پُر سعادت ہے جو اس جہانِ خاکی میں صبحِ امید کے طلوع کا باعث بنی اور یہی وہ وقتِ انبساط آگیں ہے جس سے عالمِ امکان میں سنئے تئے علوم وفنون کی شعاعوں کے ضو فشاں ہونے کے آثار

Marfat.com

لیکن مسلمانوں نے اپنی تاریخ کا آغاز اس سے نہیں کیا۔

اس کے بعد وہ نقطۂ نور آیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعتِ نبوت سے سرفراز کیا گیا، یہ وہ صبح مبارک تھی جب پہلے پہل آفتاب نبوت طلوع ہوا۔ اور نزولِ قرآن کا آغاز ہوا۔ یہ تاریخِ عالم کا ایک نرالا موڑ تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے آغاز کے لیے اس موقعے کو بھی مناسب نہ سمجھا۔ پھر واقعۂ معراج رونما ہوا۔ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمان و مکان کی بے پناہ وسعتیں کلیتہً سمٹ گئیں۔ اس واقعہ سے بھی مسلمانوں نے اپنی تقویم کے لیل و نہار کو شروع نہیں کیا۔

غزوۂ بدر کو اسلام میں ایک اہم بنیادی حیثیت حاصل ہے جس کی فتح صرف اسی حیثیت سے فتح نہیں تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف تین سو تیرہ مخلص فدا کار صحابہؓ نے ایک ہزار مسلح لشکر پر غلبہ حاصل کیا۔ بلکہ یہ کفر کے مقابلے میں اسلام کی فتح تھی۔ سچائی و صداقت نے جھوٹ کو زیر کیا۔ صحیح اصولوں اور بلند قدروں کی جیت ہوئی۔ صحت مند عقیدے نے کامیابی حاصل کی۔ نئے اندازِ حیات نے آباء و اجداد کے پرانے خودساختہ طریقِ زندگی کے حاملین کو شکست دی۔ بلکہ فتح بدر سے بے شمار نئے باب وا ہوئے لیکن اس کے باوجود اسلامی تاریخ کو اس فتح عظیم سے بھی شروع نہیں کیا گیا۔

فتح مکہ اہمیت و عظمت کے اعتبار سے ایسی انفرادیت لیے ہوئے ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جبکہ کفر نے ہمیشہ کے لیے اسلام کے آگے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اس شہر مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے جہاں کبھی ان کے لیے چند لمحات کا قیام بھی ممکن نہیں رہ گیا تھا۔

پھر اسلامی تقویم کے آغاز کے لیے غم و اندوہ اور حزن و ملال کے انفرادی و اجتماعی مواقع کو بھی مناسب نہیں سمجھا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمِ محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی ظالمانہ و وحشت ناک شہادت تاریخِ اسلام کا بہت بڑا حادثہ ہے۔ خود نبی صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا سانحہ ہے۔ جس پر آپ نے آنسو بہائے اور زبانِ مبارک سے حزن وملال کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

ان انفرادی واقعات کے علاوہ جنگِ حنین کی ہزیمت تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک واقعہ و حادثہ تھا۔ مگر ایسے واقعات کو آغازِ تقویم کے لیے قبول نہیں کیا گیا۔ آخر کیوں؟ اور واقعۂ ہجرت سے آغاز کیا تو کس لیے؟
ان سوالات کا جواب شاہِ علم وادب، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ نے اپنے اخبار الہلال میں بڑی تفصیل سے دیا تھا۔ جس کو برِصغیر کے ماہر آزادیات مولانا غلام رسول مہر نے "رسولِ رحمت" نامی کتاب میں مرتب کر دیا ہے۔ جو علم وفضل اور زبان وبیان کی چاشنی سے بھرپور اور قابلِ مطالعہ ہے[۳۰۵]
مختصر یہ کہ اسلام شکست و ہزیمت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ بلکہ وہ اصول اور ضابطے کا مذہب ہے۔ اسلام کی فطرت اور اس کا مزاج یہ ہے کہ وہ حزن و ملال اور رونے دھونے یا آنسو بہانے کا مذہب نہیں ہے۔ اس میں کسی کی وفات و ولادت اگرچہ اپنی جگہ ایک مقام رکھتے ہیں۔ مگر اس قدر بھی نہیں کہ اسے اسلامی تقویم کی بنیاد قرار دے دیا جاتا۔
فتحِ بدر، فتحِ مکہ یقیناً پرعظمت واقعات ہیں۔ لیکن اسلام صرف جنگ وجہاد ہی کا نام نہیں۔ اور نہ ہی معرکہ آرائیوں میں کامیابیاں اس کا اصل مقصود ہیں۔ بلکہ اسلام ایک پیغام ہے۔ شب و روز کی زندگی کا ایک منضبط پروگرام ہے۔ اور ایک صاف ستھری دعوت ہے جو انفرادی واجتماعی طور پر ذہنوں کو بدل کر رکھ دے۔ اور جہادِ اسلام کی منزل نہیں، بلکہ اس دعوت کے طریق اور

Marfat.com

تسلسل کو قائم رکھنے کا محض ایک ذریعہ ہے۔

حضرت فاروق، حضرت علی اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی فراست کا اندازہ فرمائیں کہ اسلامی کیلنڈر یا تقویم کے آغاز کے لیے اُن کی نظر واقعۂ ہجرت پر پڑی۔ بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہجرت کے وقت مسلمانوں نے اپنے وطن، عزیز و اقارب، کاروبار، گھربار اور زمین و جائیداد کو خیرباد کہا۔ اور حکم نبویؐ کے مطابق ایسی جگہ جانے کو تیار ہو گئے۔ جہاں جان پہچان کم، ذرائع معاش غیر یقینی اور مستقبل کے معاملات غیر واضح تھے۔ اور مہبطِ انوارِ الٰہی، بیت اللہ شریف سے سینکڑوں میل کا بعدِ مسافت بھی ہے۔ لیکن تبلیغِ اسلام، دینی قدروں کی اشاعت، برکاتِ توحید کو عام کرنے اور اسلام کی بتائی ہوئی صاف ستھری تہذیب و ثقافت کو وسعتوں سے ہمکنار کرنے کی غرض سے صحابہ کرامؓ نے سب کچھ کیا جس کا اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔

اسلام وہ دین نہیں کہ نوحہ و بکا کی تعلیم دے۔ اور لوگوں کو رونے دھونے پر لگا دے بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ توحید کے قافلے آگے بڑھیں۔ احکامِ الٰہی کی اطاعت کے کارواں ہر حال میں آگے بڑھیں۔ اپنا سفر جاری رکھیں۔ اور دعوتِ اسلامی کے تقاضے پورے ہوں، اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ حالات چاہے کیسے ہی کیوں نہ ہوں، مسلمانوں کی اطاعت و فرمانبرداری میں قطعی کوئی فرق نہ پڑے۔

اور ہجرت ہی وہ گھڑی تھی جب مسلمانوں کے شعور نے ایسی انقلابی کروٹ لی کہ وہ اپنی تمام تر ضرورتوں، مصلحتوں اور تمناؤں کو راہِ للہ قربان کر کے مدینہ

---

۳۰۵ ۔ اگلے صفحات میں اس طویل مقالہ کا خلاصہ مولانا آزاد ہی کے الفاظ میں دیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

منوّرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے تاکہ جماعتی قوت اور اجتماعی طاقت کو بروئے کار لاکر اسلامی تنظیم کو مستحکم کریں اور ایسے حکومتی نظام کی بنیاد رکھیں جو سراسر دینی تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دُنیا نے دیکھا اور تاریخ شاہد ہے کہ مدینے کی وہ حکومت ایک مثالی حکومت تھی۔ اور وہی ہجرت مسلمانوں کے لیئے بیداریٔ فکر و عمل کی پہلی صبح تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی تقویم کا وہیں سے آغاز کیا جو اُن کی فراست و فطانت کی بیّن دلیل ہے [۳۰۶]

ہجری سَنہ کی ابتداء واقعۂ ہجرت سے کیوں؟

واقعۂ ہجرت سے اسلامی سَن کی ابتداء کیوں ؟

اس سوال پر سیر حاصل بحث شاہِ علم و ادب مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار "الہلال" میں کی تھی جس کو برِصغیر کے مشہور ماہر آزادیات مولانا غلام رسول مہر نے "رسُولِ رحمت" میں "واقعۂ ہجرت اور اسلامی سَنہ ہجری" کے عنوان سے ترتیب دیا تھا۔

زیرِنظر مضمون کافی طویل ہونے کی وجہ سے مستقل رسالہ کی شکل چاہتا تھا۔ لیکن جامعہ محمدیہ منصورہ (انڈیا) کے ایک نشریہ بعنوان "اسلامی سالِ نو اور ماہِ محرّم" میں جناب محمد انور جامعی سلفی نے اس کو ہدیۂ قارئین کرنے کی غرض سے تاحد مختصر اور مفید بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور ان کے بقول اس تلخیص میں اس بات کا پُورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ملخّص کا ایک لفظ بھی اس میں شامل نہ ہو، تاکہ زبان و ادب کی چاشنی برقرار رہے۔

---

۳۰۶ ۔ ملخص اداریہ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور بابت ۲ محرم ۱۴۰۰ھ بمطابق ۲۸ اگست ۱۹۷۸ء (باقی آ

Marfat.com

واقعۂ ہجرت کی عظمت

آج جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں محرم کی تیرھویں تاریخ ہے، پورے تیرہ[۱۳] دن اس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا ہے۔ اور نیا ہجری سال شروع ہو چکا ہے۔ لیکن ہزاروں، لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے غور کیا ہوگا کہ اس سالانہ اختتام و آغاز میں تاریخ عالم کے کیسے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے۔ وہ عظیم واقعہ جس کی یادآوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی بھی واقعہ ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مہجور نہیں ہو گیا۔

فتح مندیوں کا بیج

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے آغاز و اختتام میں پوشیدہ ہے، ہجرت نبوی کا واقعہ ہے۔ کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے۔ اور اس واقعہ کی بنیاد واقعۂ ہجرت پر رکھی گئی ہے۔ ہر سال جب ۳۰ ذی الحجہ کا دن ختم ہوتا ہے اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے تو اس عظیم واقعے کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دینی چاہتا ہے۔ یہ فی الحقیقت ایک جاری و قائم یادگار ہے۔

یہ دنیا کی تمام قوموں کی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں، بلکہ کمزوری کی فتحمندیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں، بے سروسامانیوں کی یادگار ہے۔ یہ حکومت و طاقت کے جاہ و جلال کی یادگار

(بقیہ) جلد ۱۸، شمارہ ۳۵، اداریہ از قلم مولانا محمد اسحاق بھٹی۔

Marfat.com

نہیں محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہے۔ یہ فتح مکّہ کی یادگار نہیں جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتحِ مدینہ کی یادگار ہے، جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامان انسان کی رُوح "ہجرت" نے فتح کیا تھا۔

تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکّہ کے مسلح داخلہ کی شان و شوکت ہمیشہ یاد رکھی۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار فتح فراموش کر دی۔ حالانکہ تاریخ اسلام کی آنے والی ساری فتح مندیاں اسی اوّلین فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظاہری فتح مندیوں کے اعلان کا وقت آیا تو اس وقت معنوی فتح مندی کی یاد لوگوں کو یاد دلائی گئی تھی۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

دو میں دوسرا (اللہ کا رسولؐ) تھا۔ اور دونوں غار میں چھپے بیٹھے تھے۔ اُس اللہ کے رسولؐ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ غمگین نہ ہو۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے اپنا سکون و قرار اس پر نازل کیا، پھر ایسی فوجوں سے مددگاری کی، جنہیں تم نہیں دیکھتے اور بالآخر کافروں کی بات پست کی۔ اور اللہ ہی کی بات ہے جس کے لیئے بلندی ہے۔

سنہ ہجری کی ابتداء

اسلام کے ظہور سے پہلے دُنیا کی متمدّن قوموں میں سنہ جاری تھے۔ زیادہ

مشہور یہودی، رومی اور ایرانی سنین تھے۔ عرب کی جاہلیت کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب وکتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی اوقات ومواسم کی حفاظت اور یادداشت کے لیئے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اس سے وقت کا حساب لگا لیتے۔

منجملہ سنین جاہلیت کے "عام الفیل" تھا۔ یعنی شاہ حبش (ابرہہ) کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال۔ عرصے تک یہی واقعہ عرب کے حساب وکتاب میں بطور سنہ مستعمل رہا۔

ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی صحابہ کرامؓ کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلام کے واقعات میں کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے۔ ہجرت مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝ (حج)

اس لیئے کچھ دنوں تک یہی وجہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہی۔ لوگ اسے "سنہ اذن" سے تعبیر کرتے۔ اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت میں کام آتی۔ اسی طرح سورۂ برأۃ کے نزول کے بعد بول چال میں "سنہ برأۃ" کا بھی رواج رہا۔ عہد نبویؐ کا آخری سنہ "سنۃ الوداع" تھا۔ یعنی آنحضرت صلعم کے آخری حج کا واقعہ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ اور ہجرت کے دسویں سال پیش آیا تھا۔

بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً "سنۃ المحیص"، "سنۃ الترفئہ"، "سنۃ الزلزال"، "سنۃ الاستیناس"

Marfat.com

بیرونی نے آثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ عرصے تک یہی حالت جاری رہی۔ لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاترِ حکومت کے قیام سے حساب وکتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دے دیا جائے چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا۔ اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا۔ اس وقت واقعہ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے۔

احساسِ ضرورت اور مشورہ

سنہ ہجری کا تصور عمل میں آیا تو کیوں؟
حضرت عمرؓ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعۂ ہجرت سے کی جائے۔ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا۔ لیکن افسوس کہ اس وقت نظر و فکر سے محروم رہا۔
اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں سب سے زیادہ مشہور میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے۔
"ایک مرتبہ کاغذ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان کا مہینہ درج تھا، حضرت عمرؓ نے کہا، شعبان سے مقصود کون سا شعبان ہے؟ اس برس کا یا آئندہ برس کا؟ پھر آپ (حضرت عمرؓ) نے سربرآوردہ صحابہؓ کو جمع کیا۔ اور ان سے کہا، اب حکومت کے مالی وسائل بہت زیادہ وسیع ہو گئے ہیں۔ اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا ضروری ہے حساب و کتاب کے لیئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط

Marfat.com

جو سکیں۔ اس پر لوگوں نے کہا۔ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیئے کہ ان کے یہاں اس کے کیا طریقے تھے؟ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو بلایا۔ اس نے کہا۔ ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے "ماہ روز" کہتے ہیں۔ اسی ماہ روز کو عربی میں "مورخہ" بنا لیا گیا ہے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لیے جو سنہ اختیار کیا جائے اس کی ابتداء کب سے ہو؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرت کے برس سے کی جائے۔ چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا۔

(تمدن کبیر، ذہبی و تاریخ مقریزی)

حضرت علیؑ کی رائے۔

ہورلال عسکری نے "اوائل" میں اور مقریزی نے تمدن میں حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ واقعۂ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ :-

جمع عمر الناس فسألهم من اي يوم يكتب التاريخ؟

فقال علي بن ابي طالب من يوم هاجر رسول الله وترك مكة

ففعله عمر -

حضرت عمرؓ نے جب صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا، اس دن سے جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، اور مکہ سے مدینہ آئے۔

(کتب اوائل تمن، مقریزی طبع ثانی ج ۲ ص ۵۶)

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علیؑ کی رائے سے انجام پائے۔ سنہ ۱۶ھ کے باب میں لکھا ہے۔

"اُسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبطِ کتابت کے لیئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے۔ پہلے انہیں خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے شروع کریں۔ پھر خیال آیا کہ آپؐ کی بعثت کے واقعے سے ابتداء کی جائے۔ لیکن حضرت علیؓ نے رائے دی کہ ہجرت سے شروع کرنا چاہیئے۔"

(جلد ۲ ص ۱۶۶)

قومی سنہ کی ضرورت واہمیّت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے۔
سب سے پہلے جو بات سامنے آتی ہے، یہ کہ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے یہ ضرورت محسوس کیوں کی؟ کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے؟

امام شعبی کی روایت میں ہے کہ:

حضرت عمرؓ تاریخ کے تعیّن و تقرر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کر رہے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں۔

پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہو کر مدینہ میں آباد ہو گیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے۔

بیرونی لکھتا ہے:۔

جب حضرت عمرؓ نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقے کی بھی تشریح کی۔ ایرانیوں کے یہاں سنہ یزدگرد کا سنہ تھا۔ اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

بعض اصحاب کو خیال ہوا کہ انہی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور لوگ اس سے متفق نہ ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے سنین مجمع میں زیر بحث رہے اور بعض نے اُسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اس طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیئے۔

اجنبی سنہ سے اجتناب کیوں ؟

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب و کتاب کے دفاتر تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باتفاقِ صحابہؓ دفاتر کے لیئے وہی زبانیں اختیار کر لی تھیں جو پیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لیئے فارسی، شام کے لیئے سریانی، اور مصر کے لیئے قبطی تھی۔ ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لیئے ایران و شام کی زبانیں اختیار کر لی گئیں تو قدرتی طور پر سنہ بھی وُہی اختیار کر لینا تھا۔ جو ان زبانوں کے حساب و کتاب میں رائج تھا۔ اور اس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا کہ ایران اور روم و مصر کی زبانیں اختیار کر لیں۔ مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔

غور کرنا چاہیئے کہ اس اجتناب کی علت کیا تھی ؟

صحابہ کرامؓ کے دماغ کا سانچہ

اس کی اصل علت یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم و تربیت نے صحابہ کرامؓ کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا وہ ایسا سانچہ تھا جس میں دوسرے درجے کا کوئی خیال سما ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ صرف اوّل درجہ کے خیالات کے لیئے تھا۔ بہت ممکن ہے کہ دُنیا کے تمدّنی علوم و فنون کے رائج نہ ہونے کی وجہ سے وُہ کوئی بات علموں، طریقوں

اور مصطلحہ لفظوں میں ادا نہ کر سکتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے۔ لیکن ان کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملے پر سوچ و بچار کرتے تھے تو خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں لیکن دماغ جاتا اسی طرف تھا جو علم و حکمت کے لیے بہتر سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے تھے۔ یہی معنی ہیں انبیائے کرام کے مقام "تزکیہ" کے کہ:

وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)

یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں و مستقیم سانچہ ڈھل جاتا ہے۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی وہ قبول نہیں کرے گا۔ اور موزوں چیز ہی اس میں سما سکتی ہے۔

قومی زندگی کی بنیادی اینٹ

اسلام کی تربیت نے صحابہؓ کے دل و دماغ میں قومی شرف اور خودداری کی روح پھونک دی تھی۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر استوار ہوتی ہیں ان میں سے ایک اینٹ کے لیے ان کے اندر پہچان اور لگاؤ تھا۔ اگرچہ وہ لفظوں میں اور تعبیروں میں انہیں بیان نہ کر سکیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس کی تو اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج و مستعمل تھے، لیکن ان کی طبیعت مائل نہ ہو سکی اس لیے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف و خودداری کے خلاف تھا بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دینا تھا۔

Marfat.com

قومی زندگی کی بنیادی چیزوں میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی قوم کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے۔ یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ جاتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے۔ آج گپتس، بکرماجیت، جلال الدین ملک شاہ اور اکبر اعظم کے نام ان کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور ہمارا حافظہ ان سے گردن نہیں موڑ سکتا۔

سنہ اپنا ضروری تھا۔

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کے سامنے آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی تربیت غلط ہو جاتی۔ کچھ ضروری نہیں کہ انہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی توجیہہ و تعلیل بھی کی ہو۔

نتائج تعبیر اور تعلیل سے نہیں، بلکہ فعل صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے۔ وہ باوجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی اور تمدنی چیزیں قبول کر لینے کے ان کا سنہ قبول نہ کر سکے خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب سے الگ اور ایسا ہونا چاہیئے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو۔ انہوں نے اپنے دفتروں کے لیئے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی۔ ان کے حساب و کتاب

Marfat.com

کے قواعد قبول کر لیئے۔ ان کے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی انکار نہیں کیا۔ لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے۔ یہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھی۔ اس لیئے ضروری تھا کہ اپنی ہو، اور اپنے ہی ہاتھ سے رکھی جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اسلام نے جو ذہنیت ان کی پیدا کر دی تھی۔ اسے یہی کرنا تھا۔

واقعۂ ہجرت کا اختصاص

سب سے اہم نقطۂ نظر واقعۂ ہجرت کا اختصاص ہے۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ سنہ کی ابتداء قرار دینے کے لیئے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہو سکتی تھیں، اُن میں سے کسی چیز کی طرف اُن کی نگاہ نہ گئی، ہجرتِ نبوی کا واقعہ جو آغازِ اسلام کی بے سرو سامانیوں اور کمزوریوں کی یاد تازہ کرتا تھا، اختیار کیا گیا۔ آخر اس کی علت کیا تھی؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لیئے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے تھیں وہ اسلام کا ظہور تھا۔ داعیٔ اسلام کی پیدائش تھی، نزولِ وحی کی ابتداء تھی۔ بدر کی تاریخی فتح تھی۔ مکّہ کا فتح مندانہ داخلہ تھا۔ حجۃ الوداع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا۔ ہجرتِ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی کی پیدائش کا جشن ہے نہ کسی ظہور کی شوکت۔ نہ کسی جنگ کی فتح ہے، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ، بلکہ اُس زمانے کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغازِ اسلام کی بے سرو سامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن

Marfat.com

اپنا گھر، اپنے عزیز و اقارب او ساپنا سب کچھ چھوڑ کر صرف ایک رفیقِ غم گسار کے ساتھ رات کی تاریکی میں، رہ سپارِ دشتِ غربت ہوا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے۔ اور انہوں نے بالکل ایک دوسری راہ اختیار کی۔

واقعۂ ہجرت کی اہمیت

اس بارے میں قوموں کا طریقہ اُن کے سامنے آیا، اور خود انہیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں۔ لیکن چونکہ یہ بات اس معیارِ نظر سے ہٹی ہوئی تھی۔ جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا۔ اس لیئے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی ان کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی۔ وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہیئے۔ وہ دوسری بات کیا تھی؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ۔ جوں ہی یہ بات سامنے آئی سب کے دلوں نے قبول کر لی۔

تاریخ کا یہ مبداء دنیا کی تمام تاریخوں اور یادگاروں کے خلاف تھا۔ صرف خلاف ہی نہ تھا، بلکہ صریح اُلٹا تھا۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں۔ انہوں نے بے چارگی اور درماندگی سے اپنی تاریخ شروع کی۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا کہ اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں، انہوں نے چاہا کہ اپنی تاریخِ ظہور کی سب سے بڑی بے سر و سامانی یاد رکھیں

دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہو

Marfat.com

جب ان کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہو، اور اس نے جنگ وقتال کے میدان میں فتح حاصل کی۔ لیکن اُن کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتداء اُس دن سے ہو، جب سے بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی۔ دُنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ ان کی طاقت وشوکت کی بنیاد اُس وقت پڑی جب انہوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اس دن کھُلا جب ملکوں پر انہوں نے قبضہ نہیں کیا۔ بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا۔

بلاشبہ یہ ان کی سمجھ دُنیا کی ساری قوموں سے اُلٹی تھی۔ بلکہ اس سمجھ سے عین مطابق تھی۔ جو اسلام کی تربیت نے اُن کے اندر پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی رُوح فکر وعمل سے کرنی چاہتے تھے۔ مُصیبت یہ ہے کہ دُنیا معنی سے زیادہ لفظ کی، اور رُوح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے۔ وہ پھل ڈھونڈتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی۔ وہ منارہ و محراب کی بلندیاں اور خوش نمائیاں دیکھتی ہے۔ لیکن زیرِ زمین بُنیادوں کے لیئے نگاہ نہیں رکھتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جب پیدائش و بعثت کے واقعاتِ عظیمہ ترک کر کے ہجرت کا واقعہ انتخاب کیا۔ تو ان کی نظر بھی پیدائش وظہور، فتح واقبال اور جشن و کامرانی پر ہی تھی۔ وہ کچھ ناکامی ونامرادی کے طلب گار نہ تھے، البتہ وہ فتح واقبال کی صُورت اور برگ وبار نہیں دیکھتے تھے۔ حقیقت اور تخم اساس پر نظر رکھتے تھے۔ اُن پر یہ حقیقت کھُل چُکی تھی۔ اسلام کی پیدائش ظہور اور فتح واقبال کی اصلی بُنیاد اُن واقعات میں نہیں جو بظاہر ہوتے ہیں

ہجرتِ مدینہ اور اس کے اعمال و حقائق میں ہے۔ اس لئے جو اہمیت دُنیا کی نگاہیں پیدائش، بعثت، بدر اور فتحِ مکہ کو دیتی تھیں، وہ ان کی نظروں میں ہجرتِ مدینہ کو حاصل تھی۔

ہجرتِ مدینہ کی حقیقت

لیکن واقعۂ ہجرت کیا تھا؟

وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا، بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی حقیقت پر غور کر لینا چاہیئے۔

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے۔ ایک عہدِ مکہ کی زندگی اور اعمال کا۔ دُوسرا مدینہ کے قیام اور اعمال کا۔

پہلا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوتا ہے۔ اور ہجرت پہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتداء غارِ حرا کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غارِ ثور کے انزوا پر۔

دُوسرا ہجرت سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی ابتداء مدینہ کی فتح سے ہوئی۔ اور تکمیل مکہ کی فتح پر۔

دُنیا کی نظروں میں ظہور و اقبال کا اصلی دَور دُوسرا دَور تھا۔ کیونکہ اسی دَور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہُوئی۔ اور ظاہری طاقت و حشمت کا سامان شروع ہُوا۔ بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی فتح تھی۔ مکہ کی فتح عزت کی فتح کا اعلانِ عام تھی۔ لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دَور، دُوسرا نہیں پہلا تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کی ساری قوتوں کی بُنیادیں دُوسرے میں نہیں، پہلے دَور میں استوار ہوئی ہیں۔ بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دُنیا میں اعلان کر دیا۔ لیکن جو ہاتھ ان ہتھیاروں کے قبضوں پہ جمے تھے۔

Marfat.com

ان کی طاقتیں کس میدان میں تیار ہوئی تھیں ؟ بلاشبہ فتح مکہ، عرب کی فیصلہ کن فتح تھی لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی تو مکہ کی فتح کی راہ کیوں کر کھلتی ؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتھیاروں سے فتح ہوا، لیکن مدینہ ہتھیاروں سے نہیں، ہجرت اور اس کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا۔ پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو گیا ہو، لیکن اس کی رُوح پہلے دور میں ڈھونڈنی چاہیئے۔

پہلا دور تخم تھا۔ دوسرا اس کے برگ و بار تھے۔ پہلا دور بنیاد تھی، دوسرا استون و محراب تھا۔ پہلا دور نشو و نما کا عہد تھا، دوسرا ظہور و انفجار کا، پہلا معنی و حقیقت تھا۔ دوسرا صورت و اظہار۔ پہلا رُوح تھا، دوسرا جسم۔ پہلے نے پیدا کیا، دُرست کیا اور مستعد کر دیا، دوسرے نے قدم اُٹھایا، آگے بڑھایا۔ اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا۔ دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو لیکن اوّلین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے۔

دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لیئے ضروری ہے کہ اس میں کارخانہ فیضانِ فطرت سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو۔ اور اس کے استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے، دوسرا بیرونی۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کرے گی، دوسرے دور کی استعداد نہیں پیدا کر سکتی خارج کے نشو و نما کے لیئے داخل کا نشو و نما، بمنزلہ سبب و علت ہے۔ جب تک سبب موجود نہ ہو گا۔ نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے۔ اور یہی خدا کا قانون وجود و زندگی کے ہر گوشے کے لیئے ہے۔ چاہے وہ فرد یا جماعت ہو یا نباتات و حیوانات کی مثالیں۔

٭

Marfat.com

قرآن مجید کی اصطلاح "تزکیہ"

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار ان کے اندر ہی نشو و نما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے۔ اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے۔ جسے قرآنِ حکیم نے اپنی اصطلاح میں "تزکیہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

"تزکیۂ اخلاق و نفس" سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح ذہن و مزاج کی ضرورت ہے وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا کر دیا جائے۔ اور اس اثر و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے۔

— — — — گویا ایک آہنی سانچہ لے کر ہر شخص کا دماغ اس میں ڈھال دیا گیا ہے۔ جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت، بہتر نشو و نما، جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے، یہی اخلاق "جماعت" کی زندگی کی اصلی استعداد ہے۔ اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں۔ اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔ تزکیۂ نفس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے۔ اس کی تولید و تکمیل جماعتوں اور قوموں کی داخلی استعداد ہے۔

داخلی استعداد کا دور

ظہورِ اسلام کا پہلا دور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرت پر ختم ہوا، اور جس کا نقطۂ تکمیل ہجرت کا معاملہ تھا، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا، اور اس لیے ظہورِ اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدا یہی دور تھا، نہ کہ مدنی زندگی کا دوسرا دور۔

بلاشبہ دنیا کی ظاہر بین نگاہوں میں یہ مصیبتوں کا دور اور بے چارگیوں و

درماندگیوں کا تسلسل تھا۔ لیکن یہ باطن امتِ مسلمہ کی ہر آنے والی فتح مندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوونما پا رہی تھی۔ یہی مصیبتیں تھیں جو "جماعت" کے ذہن و اخلاق کے لیے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور تزکیہ نفوس و ارواح کی امتحان گاہ تھیں۔

بدر کے فتح منداسی کے اندر سبق لے رہے تھے۔ فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یرموک و قادسیہ کی پیدائش بھی اسی کی آزمائشوں اور خود فروشیوں میں ہو رہی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس جہاد کو صرف جہاد کہا جو مدنی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا۔ لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و تربیت کا جو جہاد اس سے پہلے دور میں ہو رہا تھا اسے "جہادِ کبیر" سے تعبیر کیا۔ کیونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا۔

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا (فرقان)

بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہے۔ مکی زندگی میں بڑے جہاد کا حکم دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا بلکہ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد تھا۔ اور انہی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصل بنیادیں تھیں۔

تکمیلِ کار کا اعلان

ہجرت کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا۔ اس لیے اس کی برکتوں اور سعادتوں کی بھی آخری تکمیل تھا۔ صحابہ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے اور کیونکر بے خبر ہو سکتے تھے۔ جب کہ ان کی دفاعی تربیت کی اصل روح اسی معاملہ میں مضمر تھی۔ پس جب یہ واقعہ سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا

Marfat.com

کس واقعے سے کی جائے؟ تو انہیں کسی ایسے واقعے کی جستجو ہوئی جو اُمت کے قیام و اقبال کا اصلی سرچشمہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا واقعہ تو یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس کے تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی۔ شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا۔

بعثت کا واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن وہ معاملہ کی ابتداء تھی۔ انتہا و تکمیل نہ تھی۔ بدر کی جنگ اور مکّہ کی فتح عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بُنیاد نہ تھے کسی دُوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے۔ یہ تمام واقعات ان کے سامنے آئے لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں۔

بالآخر ہجرت کا واقعہ سامنے آگیا تو سب کے دِلوں نے قبول کر لیا۔ کیونکہ انہیں یاد آگیا، اسلام کے ظہور و عروج کا مبدائے حقیقی اسی واقعے میں پوشیدہ ہے۔ اور اس لیئے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدا بننا چاہیئے۔

مدینے کی فتح

پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے۔ جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے۔ کہ ظہورِ اسلام کی تمام فتح مندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینے کی فتح تھی۔ اور اس کی تکمیل ہجرت ہی کے واقعے سے ہُوئی تھی، مدینہ کے ساتھ "فتح" کا لفظ سُن کر تعجب ہوا ہوگا۔ کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میدانِ جنگ کی فتح سے بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور رُوحوں کی اقلیموں کی فتح ہے اور اسی فتح سے میدانِ جنگ کی فتح مندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ عین اسوقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہلِ وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا۔ باشندگانِ یثرب کی ایک جماعت

پہنچتی ہے اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہو کر اپنی رُوح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے۔ اس وقت دنیاوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ سیف و سنان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سرتاسر غربتِ اُولیٰ کی بے سرو سامانیاں اور عہدِ مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ یثرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ جو تاریخِ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی۔

دلوں اور رُوحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھ کر بھی کوئی اور فتح ہو سکتی ہے؟ لیکن یہ فتح کیوں کر ہوئی؟ دورِ ہجرت کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا۔ اور ہجرت نے اس فتح کی تکمیل کر دی۔

واقعۂ ہجرت اور فتح و نصرتِ الٰہی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے واقعۂ ہجرت کا ذکر اس طریقے پر کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سرو سامانی و عزیمت کے اس عمل میں فتح و نصرتِ الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوشیدہ ہے۔

" ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ، اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ، لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ (توبہ : ۴۰)

غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا، غم و رنج نہ کرو۔ یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اس کی حکمت و مشیت ہمارے

Marfat.com

لیے فتح و نصرت کی راہ باز کرنے والی ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین طمانیت اس پر اتاری اور فتح و نصرت کے ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنہیں دنیا کی ظاہر بین اور حقیقت ناآشنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔
نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے ہمیشہ کے لیے پست ہوگئی اور کلمۂ حق کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی۔
یہ آیت سورۂ براۃ کی ہے۔ سورۂ براۃ بالاتفاق اس وقت نازل ہوئی جب اسلام کی ظاہری فتح مندیاں تکمیل کو پہنچ چکی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعۂ ہجرت کی معنوی فتح مندی یاد دلائی جائے۔ ؎

سالِ نو مبارک

نئے اسلامی سال کا آغاز ہو تو عرب و عجم، پورب و پچھم، یورپ و امریکہ، اور ایشیا و افریقہ اس عالمِ رنگ و بو میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہوں، انہیں حقیقی معنوں میں ہجری سالِ نو پر ہی خوشی و مسرت ہوتی ہے۔ کیونکہ تاریخِ اسلام کا تمام تر سرمایہ انہی قمری تاریخوں اور ہجری تاریخ سے وابستہ ہے۔ ارکانِ اسلام، حج و روزہ کا حساب اسی اسلامی کیلنڈر سے کیا جاتا ہے۔ اور عید و قربانی جیسے شعائرِ اسلام کا تعلق بھی اسی اسلامی سال کے ساتھ ہے۔
مگر یہ ایک امرِ واقع ہے کہ آج کا مسلمان اپنے ماضی کی شاندار روایات کو نظر انداز کرتا بلکہ بھولتا جا رہا ہے۔ اور اپنے نمایاں اسلامی تشخص کو قائم رکھنے میں ناکام ہو رہا ہے۔ اور اس کی ایک چھوٹی سی مگر واضح جھلک ہمارے اس رویے میں موجود ہے کہ آج ہمارے

؎ : اسلامی سالِ نو اور ماہِ محرم۔ نشریہ از جامعہ محمدیہ، مالی گاؤں۔ انڈیا۔

Marfat.com

سرکاری وغیر سرکاری دفاتر، اور نجی و پبلک اداروں میں انگریزی کیلنڈر کا استعمال اس قدر عام ہو چکا ہے کہ لوگ اپنی اصلی تاریخ سے ناآشنا ہو رہے ہیں۔ آپ کبھی سروے کر کے دیکھیں تو شاید دس فیصد مسلمان بھی ایسے نہ ملیں جنہیں روزِ رواں کی ہجری تاریخ کا پتہ ہو اور ان کو ہجری سال کے بارہ مہینوں کے نام ہی آتے ہوں۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ہمارے اجتماعی کردار کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ انگریزی کیلنڈر کے پہلے مہینے کا آغاز ہو تو ہم "ہیپی نیو ایئر" کہتے ہوئے ایک دوسرے کو ملتے ہیں۔ گریٹنگ کارڈز تقسیم کیے جاتے ہیں۔ تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ عرب اخوان بھی "کل عام و انتم بخیر" یا "کل سنة و انت طیب" کی کئی دن تک رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ اور راس السنة کے عنوان سے خالص انگلش طرز کی محفلیں جمتی ہیں۔ اور ان غیر اخلاقی وغیر اسلامی محفلوں کی تشہیر کے لیے بڑے بڑے ہوٹلوں کی طرف سے روزنامہ اخبارات میں عریانی بردوش اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جب ہمارا اپنا اسلامی سال شروع ہوتا ہے تو "سالِ نو مبارک" "ہیپی نیو ایئر" کہنا تو کجا، یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اپنے سال کا آغاز ہو چکا ہے زیادہ سے زیادہ اس دن کی سرکاری چھٹی تاریخ کے ایک المناک سانحہ وحادثہ "شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ" کی وجہ سے صرف اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ محرم شروع ہو گیا ہے۔

اگر بالفرض اس اجتماعی فقدانِ شعور کو نظر انداز ہی کر دیا جائے تو پھر غور طلب پہلو یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو اس قسم کی محفلیں منعقد کرنے، شراب و شباب سے کھیلنے اور طاؤس و رباب میں مست ہونے کا بھلا کیا حق پہنچتا ہے؟ جبکہ ہمارا قبلۂ اول بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ آئے دن مسجد اقصٰے کے تقدس کو پامال کرنے اور اسے گرانے کی سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ بڑی غیر مسلم حکومتوں کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے "مسئلہ فلسطین" ایک عقدۂ لاینحل بن چکا ہے۔ اور ہزاروں فلسطینی خاندان کھلے آسمان کے

مت کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ بعض کی کیمپوں میں بسر ہو رہی ہے، اور کچھ در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور اور حالات کے رحم و کرم پر نظریں لگائے بیٹھے ہیں۔ ہماری یہ ہنگم چیخ چنگاڑ یا خوشیاں کس طرح برمحل ہو سکتی ہیں؟ جبکہ ہمارے ایک برادر ملک افغانستان میں روسی کمیونسٹ حکومت بے سروسامان افغانی سرفروشوں کے ساتھ آگ اور خون کی ہولی کھیل رہی ہے۔ اور مٹھی بھر مجاہدین دنیا کی اس سپر پاور کی غیرت کو للکار رہے ہیں۔ اور انہیں ناکوں چنے چبوا رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کو سوتے دنوں اور جاگتی راتوں میں یہ رنگ رلیاں منانا کس طرح زیب دیتا ہے، جن کے اپنے برادر اسلامی ملکوں، فلسطین و افغانستان اور عراق و ایران وغیرہ میں لاکھوں بچے شفقتِ پدری کو ترس رہے ہیں۔ لاکھوں بیوائیں سسکیوں اور آہوں سے دو چار اور نالہ و شیون سے ہمکنار ہیں۔

اگر اس سب کے باوجود بھی ہم خوشیاں منانے میں حق بجانب ہیں تو پھر کم از کم ان خوشیوں کو بداخلاقی اور فحاشی کے دائرہ سے نکال کر اپنے اسلامی تشخص کو بحال رکھتے ہوئے عین اسلامی تہواروں کے انداز میں منائیں۔ تاکہ روزِ محشر کہیں مشابہتِ کفار کے جرم میں نہ دھر لیئے جائیں۔

اور پھر اسلامی سالِ نو کا آغاز تو بڑے ہی مہذب و مقدس انداز سے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اسلامی سال کا یہ پہلا مہینہ بڑی فضیلت و عظمت والا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ محرم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے اسے "شہر اللہ" یعنی اللہ کا مہینہ قرار دیا ہے۔[۳۰۸]

اور خود اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کو حرمت والا مہینہ کہا ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ آیت ۳۶ میں ارشادِ ربانی ہے:-

---

۳۰۸۔ مختصر صحیح مسلم للمنذری بتحقیق البانی ۶۱۰، ابن ماجہ ۱۷۴۲، مشکاۃ بتحقیق البانی ۲۰۳۹۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ
یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ۔

"جس دن سے اللہ تعالیٰ نے یہ زمین و آسمان بنائے ہیں، تبھی سے اللہ کی کتاب میں مہینوں کی کل تعداد بارہ ہے۔ اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین کے مطابق اسلامی سال کا یہ پہلا مہینہ محرم انہی چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جبکہ دوسرے تین مہینے رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔ [۳۰۹]

اسلامی سال نو کے ہلالِ محرم کا طلوع ہونا اپنے ساتھ کئی پیغام لاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری عمر کا ایک اور سال مکمل کر دیا ہے۔ یا بالفاظِ دیگر تمہاری کل عمر میں سے ایک سال اور کم ہو گیا ہے۔ اِس لیے ہمیں شاداں و فرحاں ہونے کے ساتھ ساتھ فکرمند بھی ہونا چاہیے، کہ ہماری عمر کا بیلنس کم ہو رہا ہے۔ اور سالِ نو کے آغاز کے موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے یہ دعائیں مانگنا چاہیے کہ اے اللہ! اس نئے سال کو ہمارے لیے انفرادی و اجتماعی مسرتوں اور قومی و ملی خوشیوں کا پیامبر بنا دے۔ اے اللہ! ہمارے اُلجھے ہوئے پیچیدہ ملکی و عالمی مسائل کو سلجھا دے۔ اے اللہ! ہمیں صحت و عافیت اور جانی و مالی خوشی عطا فرما۔ اے اللہ! اس نئے سال میں ہمیں سالِ ماضی کی نسبت کارِ خیر اور نیکی و تقویٰ کی زیادہ توفیق دے۔

اے اللہ! ہمارے جو بھائی فلسطین اور افغانستان، بلغاریہ، اریٹیریا، فلپائن چین، روس اور کسی بھی جگہ پر، سروں پر کفن باندھے جان بکف ہو کر عقیدۂ توحید و ختمِ نبوت، شعائرِ اسلام اور مشاعرِ مقدسہ کے تحفظ کے لیے برسرِ پیکار

---

[۳۰۹] - تفسیر ابن کثیر ۲/۳۹۴، طبع دارالأندلس۔

Marfat.com

ہیں انہیں فتح ونصرت سے سرفراز کرے، اور ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین ۰

سالِ نو کے آغاز پر محاسبۂ نفس اور روزے

اسلامی سالِ نو کے آغاز پر ذکرِ الٰہی کی کثرت اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو چاہیئے کہ اپنی ہمت وفکر کے مطابق اپنے سالِ ماضی کا بھرپور جائزہ لے کہ اُس نے ارکانِ اسلام اور اللہ ورسُولؐ کے احکام میں کہاں کہاں کوتاہی کی ہے۔ اور کن کن نیک کاموں میں حصّہ لیا ہے۔ اس طرح اپنے ماضی کے آئینہ میں جھانک کر مستقبل کے لیئے بہترین پروگرام مرتّب کرے۔ اور تجدیدِ عہد کرے کہ آج سے ہی سابقہ تمام کوتاہیوں کا یکے بعد دیگرے ازالہ کرتا جاؤں گا۔ اور اعمالِ خیر میں پیش از پیش حصّہ لوں گا۔

اللہ والے تو ہر رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں، کہ آج ہم نے کیا کھویا، کیا پایا۔ اور عام دُنیاداری اصُول بھی ہے کہ ہر تاجر اور کاروباری آدمی اپنی آمد وخرچ اور پرافٹ کے روزانہ وماہانہ حساب کے ساتھ ساتھ سالانہ حساب کرکے کلوزاَپ کرتا ہے۔ اس مالی حساب وکتاب کی طرح ہی ہمیں اپنے نفس کا حساب بھی کرنا چاہیئے کہ اس نے نیکیاں کرکے کیا کمایا؟ اور بُرائیوں میں پڑ کر کیا گنوایا ہے؟ اور جس طرح تجارتی ومالی اُمور میں ہر نئے سال کا بجٹ تیار کیا جاتا ہے، اُسی طرح ہی سالِ نو کے آغاز پر ہمیں اپنا رُوحانی وعملی بجٹ تیار کرنا چاہیئے۔

اور ماہِ محترم کے ساتھ ہی ہم چونکہ اپنی عمرِ عزیز کے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں لہٰذا ہمیں اس نئے سال کا پُرجوش اور بھرپور استقبال کرنا چاہیئے۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سالِ نو کا افتتاح روزے رکھ کر کیا جائے۔ جو شکرانِ نعمت بھی ہوں گے، اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے۔

Marfat.com

اور خاص طور پہ ماہِ محرم کے روزوں کے بارے میں صحیح مسلم اور سُنن اربعہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

أَيُّ الصِّيَامِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ ؟

رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افضل روزے کون سے ہیں ؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَهْرُ اللّٰهِ الَّذِي تَدْعُونَهُ الْمُحَرَّمَ۔ [۳۱۰]

اللہ کے اُس مہینے کے روزے جسے تم محرم کہتے ہو۔

اگر زیادہ نہ رکھ سکیں تو کم از کم ایامِ محرم کے سرتاج دن "یوم عاشورہ" کا روزہ تو ضرور ہی رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور مسندِ احمد میں ارشادِ نبوی ہے۔

أَحْتَسِبُ عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ۔ [۳۱۱]

"میں اللہ سے اُمید رکھتا ہوں کہ یوم عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفّارہ ہوگا۔"

اور بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا تو پوچھا،

مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَهُ ؟

تم لوگ اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو ؟

تو انہوں نے بتایا کہ یہی وہ مبارک دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ان کے دشمن (فرعون اور ان کے لشکر) سے نجات

[۳۱۰] :۔ ابن ماجہ ۱۷۴۲۔ [۳۱۱] :۔ مشکاۃ تحقیق الالبانی ۲۰۴۴ ، ابن ماجہ ۱۷۳۷ واللفظ لأحمد

Marfat.com

دلائی تھی۔ اس پر بطورِ شکرانہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے روزہ رکھا تھا۔ لہٰذا ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

"اَنَا اَحَقُّ بِمُوسٰی"

"حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (بحیثیت نبی) میرا حق تم سے زیادہ ہے۔"[۳۱۲]

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا، اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ لیکن یہودیوں کی مشابہت دور کرنے کے لیئے یوم عاشورہ کے روزہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد میں ایک روزہ رکھنا مسنون ہے۔

کیونکہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور مسندِ احمد میں ارشادِ نبوی ہے:۔

لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ الْيَوْمَ التَّاسِعَ۔

اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو میں نو محرّم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔[۳۱۳]

مسلم شریف میں "لَئِنْ بَقِيْتُ" کے بجائے "لَئِنْ عِشْتُ" کے الفاظ ہیں۔ اور مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ البتہ مسلم شریف والی حدیث میں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشادِ گرامی ہے:۔

فَلَمْ يَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

"مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم وفات پا گئے۔"[۳۱۴]

بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش فرمائی تھی، لہٰذا یہ امر مسنون ہے۔ جبکہ مصنف عبدالرزاق اور بیہقی میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ

---

[۳۱۲] ۔ مشکاۃ تحقیق الالبانی (۲۰۶۷)، التجرید الصریح ۱/۱۳۶ و ابن ماجہ ۱۷۳۴، ابوداؤد ۲۴۴۴۔

[۳۱۳] ۔ صحیح مسلم ۱/۷۹۸، تحقیق و ترقیم محمد فواد عبدالباقی طبع دار احیاء التراث العربی۔ بیروت۔
مسند احمد واللفظ لہ ۔ مشکاۃ تحقیق الالبانی ۲۰۴۱۔

[۳۱۴] ۔ صحیح مسلم مع شرحہ للنووی جزء ۸/۱۲ طبع احیاء التراث العربی و ابوداؤد ۲۴۴۵۔

عنہا کا قول بایں الفاظ موجود ہے:۔

صُومُوا التَّاسِعَ وَالعَاشِرَ وخَالِفُوا اليهودَ۔ [۳۱۵]

" نو اور دس (محرّم) کا روزہ رکھو، اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔"

اِن احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ دس محرّم کے ساتھ نو محرّم کا روزہ رکھنا مسنون ہے [۳۱۶] اور صرف دس محرّم کے روزے کا ثواب ایک سال کے گناہوں کا کفّارہ ہے۔

یہاں دو باتیں نہایت قابلِ توجہ ہیں:۔

پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سُورۃ توبہ کی آیت ۳۶۰ میں فرمایا ہے: "کہ جب سے اُس نے زمین و آسمان بنائے ہیں تبھی سے اس کی کتاب میں مہینوں کی کُل تعداد بارہ ہے۔ اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں"۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین کے مطابق متفقہ طور پر محرم بھی ان چار مہینوں میں سے ایک ہے اور صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں مذکور ہے کہ یومِ عاشورہ کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام اور آپ کی قوم کو اس وقت کے ظالم حکمران فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی۔ جس کے شکرانے کے طور پر انہوں نے روزہ رکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماہِ محرّم یا یومِ عاشورہ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعارف نہیں ہوئے۔ بلکہ ماہِ محرّم تخلیق

---

[۳۱۵] مصنف عبدالرزاق ۷۸۳۹ ، البیہقی ۴/۲۸۷

[۳۱۶] مسند احمد اور بیہقی میں بسند ضعیف مروی ہے کہ یومِ عاشورہ کا روزہ رکھو اور یہود (کے طریقہ) کی مخالفت کرو۔ اور وہ اس طرح کہ "صُومُوا قبلهُ يومًا اَوْ بَعْدَهُ يَوْمًا۔ اس دس محرّم سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ (الفتح الربانی ۱۰/۱۸۵) ۔ یعنی یہ حدیث ضعیف ہے۔

Marfat.com

کائنات کے دن سے اور یومِ عاشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی حرمت والے اور معروف ہیں۔

دوسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ یومِ عاشورہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، یہود رکھتے رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روزے کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ خود بھی اس دن کا روزہ رکھ کر اسے مسنون ہونے کا درجہ دیا۔ اور اپنی امت کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

اب اگر اسی دن روزہ رکھنے کی بجائے سبیلیں لگائی جائیں، دودھ، شربت اور ٹھنڈا پانی خود بھی کھلے عام پیا جائے، اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلاتے ہوئے مفت پلایا جائے تو اس فعل کی کونسی عقلی توجیہ ہو سکتی ہے؟ کیا یہ صحیح بخاری و مسلم میں یومِ عاشورہ کے روزے کی ثابت شدہ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی اور کھلی خلاف ورزی نہیں؟

Marfat.com

یادگارِ ہجرتِ نبوی یا مغرب کی نقالی

یومِ بعثت اور خصوصاً سورۂ مدثر کی آیت " وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اور سورۂ حجر کی آیت " فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ " سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توحید و رسالت کی دعوت جاری رکھی۔ اور جب زمانہ نبوت کے تیرہ سال مکمل ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ اور مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔

ہجرتِ نبوی اور متعلقہ مسائل، راہِ ہجرت میں پیش آنے والے معجزات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصول قباء، تعمیر مسجدِ قباء، اسلامی مواخاۃ یا انصار مہاجرین صحابہؓ میں رشتۂ اخوت کا قیام، غیر مسلم اقوام کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے، اور دفاعی مقابلہ کے لیے فنونِ حرب کی تعلیم وغیرہ امور کی قدرے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

البتہ یکم جنوری کو چونکہ عیسوی سالِ نو کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہم صرف اتنی سی بات کا اعادہ کیے دیتے ہیں کہ یہ عیسوی کیلنڈر کا سال نو ہے نہ کہ اسلامی یا ہجری تقویم کا۔ اس لیے جنوری کے آغاز میں مسلمانوں کا گریٹنگ کارڈز تقسیم کرنا، ایک دوسرے کو "ہیپی نیو ایئر" یا "سالِ نو مبارک" کہنا، اور جنوری کے آغاز میں رنگا رنگ پروگرام ترتیب دینا اپنے اسلامی تشخص کو مجروح کرنے کے مترادف ہے، اور سراسر تہذیب مغرب کی نقالی ہے۔ دانستہ یا نادانستہ ان امور پر عمل پیرا ہونا اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ مسلم معاشرہ کے ایسے افراد میں اسلامی شعور کا فقدان ہو چکا ہے۔ انہیں اپنے یا پرائے فرق یاد ہی نہیں رہا۔

Marfat.com

یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ یکم جنوری سے کئی ہفتے قبل ہی اخبارات و رسائل میں نیم عریاں تصویروں سے مزین اشتہارات شائع ہونے شروع ہو جاتے ہیں جن میں درہم و دینار کے غلام اور دولت کے پرستار لچر و گھٹیا اور اخلاق باختہ و حیا سوز میوزک ڈانسنگ پروگراموں کی باقاعدہ تشہیر کرواتے ہیں۔ ع چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہمارا تاریخی اثاثہ کیا ہے؟ اسلامک کلچر یا ہماری تہذیب و ثقافت کیا ہے؟ انہیں کچھ بھی یاد نہیں۔ مغرب پرستوں کی نقالی میں ہم لوگ اس طرح بھگٹٹ چلے جا رہے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلامی تہذیب کے علمبردار، اور مسلم ثقافت کے دعویدار ہونے کا زعم ہے، ان میں بھی بعض ایسے حضرات ہیں کہ روشن خیالی کے زعم میں فرنگی تہذیب کی رو میں بہتے ہوئے اسے نہ صرف اپنائے جا رہے ہیں بلکہ اس کے جواز میں دلائل پیدا کرنے کی ناکام کوشش بھی کیئے جاتے ہیں۔

وہ کون کون سے امور یا افعال ہیں جو دراصل تو غیر مسلم تہذیب کے شاخسانے ہیں، مگر مسلمان بھی ان پر پروانہ وار عمل پیرا ہوئے جا رہے ہیں۔ ان امور کی فہرست قدرے طویل ہے۔ لیکن ہم نے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ ہمارا اسلامی سال اور ہجری کیلنڈر یکم جنوری سے نہیں بلکہ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے۔ ہمیں اپنا قبلہ صحیح کرنا چاہیئے۔ اور اگر ضروری ہی گریٹنگ کارڈز تقسیم کرنے ہیں، "ہیپی نیو ایئر" یا "سالِ نو مبارک کہنا ہے تو یہ مشغلہ یکم جنوری کی بجائے یکم محرم سے شروع کرنا چاہیئے۔ اور تمام اسلامی ملکوں میں حکومتی سطح سے لے کر نجی کاروباری اداروں تک کو چاہیئے کہ وہ ہجری کیلنڈر کو رواج دیں۔ حتٰی کہ غیر مسلم ممالک میں کاروبار کرنے والی تجارہ

Marfat.com

کی کمپنیوں اور فرموں کے لیئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی اسلامی آئیڈنٹی کو متعارف کروانے کے لیئے اسلامک کیلنڈر چھاپیں۔ اور وہی اپنے دفاتر میں استعمال کریں۔ کیونکہ یہ بھی احیائے ثقافت اور اس کی ترویج واشاعت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

اور اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا، کہ عریانی کو کافی حد تک لگام دی جا سکے گی۔ کیونکہ بعض پرائیویٹ اداروں کے ایڈورٹائزنگ کیلنڈر اتنی فحش اور عریاں تصویروں پر مبنی ہوتے ہیں کہ جنہیں دیکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اس سلسلہ میں حکومتِ متحدہ عرب اِمارات کا یہ اقدام انتہائی لائق تحسین وستائش ہے کہ اس نے اپنے سابقہ رویّہ کو ترک کر کے اس سال سے سرکاری کیلنڈر کا آغاز ہجری تقویم کے حساب سے یکم محرّم سے کیا ہے۔ سعودیہ اور بعض دیگر مسلم ممالک میں پہلے ہی یہ مروّج ہے۔

اللہ تعالیٰ بقیہ مسلم حکومتوں اور مسلم کاروباری حضرات کو بھی اسلامی تاریخ کو ایک نیا سنہری موڑ دینے والے اس واقعۂ ہجرت نبویؐ کی یاد تازہ کرانے میں اپنا رول ادا کرنے کی توفیق سے نوازے۔

آمین ثم آمین۔

Marfat.com

مشرکین کی دسیسہ کاریاں اور مسلمانوں کو اذنِ جہاد۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر سب سے پہلے انصار و مہاجرین، اور صحابہ کرامؓ میں مواخاۃ یا اخوتِ اسلامی کا رشتہ عملی طور پر خوب مضبوط کر دیا جس کے نتیجے میں وہاں ایک مسلم معاشرہ قائم ہو گیا۔ اس کے بعد ہجرت کے پہلے ہی سال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نوعِ انسانی کے لیئے امن و سلامتی اور سعادت و خوشحالی کو عام کرنے کے لیئے جملہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ اچھے تعلقات کی بنیاد رکھی۔ اور بین الاقوامی اصول پر عدمِ جارحیت کا معاہدہ کیا۔ تاکہ نسلی و مذہبی اختلاف کے باوجود بھی قومی وحدت قائم رہے۔ اور سب کو ایک دوسرے سے مدد ملتی رہے۔

معتبر سیرت نگار ابن ہشام وغیرہ نے یہودِ بنی عوف کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاہدے کی تفصیلات ذکر کی ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں آباد تمام قبائل و اقوام نے اس معاہدے پر دستخط کر دیئے تو پھر آپؐ نے مدینہ کے گرد و نواح میں آباد قبائل کو بھی اس معاہدے میں شامل کر لیا تاکہ آئے دن کی جارحانہ جنگوں کا انسداد ہو جائے۔ اور قریشِ مکہ ان اقوام و قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ نہ کر سکیں۔[۳۱۶]

مشرکینِ مکہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اہلِ ایمان سے ایسی اندھی دشمنی تھی کہ ان کے تین سو میل دور چلے جانے کے باوجود بھی مکہ والوں کو چین نہ آیا۔ انہوں

[۳۱۶] سیرت ابن ہشام ۱/۱۷۸

نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی اور اوس و خزرج سے اس کے بعض رفقاء کو مسلمانوں کے خلاف اُبھارنا و اُکسانا شروع کر دیا۔ اور یہودِ مدینہ کو بھی خفیہ طور پر اپنے ساتھ مِلا لیا۔ تب انہوں نے مسلمانوں کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم ہم سے بچ کر مدینہ نکل گئے ہو۔ ہم وہاں پہنچ کر بھی تمہارا بُرا حال کر دیں گے۔ ربیع الاول سنہ ۲ھ میں انہوں نے اپنی قوت کا اظہار کرنے کے لیے مختلف شرارتیں شروع کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ ان کی دسیسہ کاریوں کو برداشت کرتے رہے۔ اور تیر و تلوار اٹھانے کا فن اور حوصلہ ہونے کے باوجود بھی انہوں نے مشرکین کا مُنہ توڑ جواب نہ دیا، کیونکہ اسلام کے مزاج کو جنگ سے تو کوئی نسبت ہی نہیں۔

لیکن جب مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم سہتے اور صبر و ہمت سے کام لیتے چودہ ۱۴ سال بیت گئے تو اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی حالت پر رحم آیا، اور سنہ ۲ھ میں انہیں حملہ آور دشمنوں کی مدافعت کرنے یا دفاعی جہاد کے لیئے تلوار اُٹھانے کی اجازت دے دی۔ اس سلسلہ میں آسمان سے جو حکم سب سے پہلے نازل ہوا۔ اُس کی تفصیلات سُورۂ حج آیت ۳۹، ۴۰ اور ۴۱ میں موجود ہیں۔ جن کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

"اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ

الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝

کہ اجازت دے دی گئی ہے، ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔ اور اللہ یقیناً ان کی مدد پہ قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے۔ صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے، تو خانقاہیں، گرجے، معبد اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔ اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے۔ بیشک اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے۔ اور برائی سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

یہ قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں اوّلین آیات ہیں جو نازل ہوئیں۔ یہاں جارحانہ نہیں، صرف مدافعانہ جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔ بعد میں سورۂ بقرہ کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۳ اور ۲۱۶ نازل ہوئیں۔ جن میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا۔ ان احکام میں صرف چند ماہ کا فصل ہے۔ اجازت ذوالحجہ سنہ ۱ھ میں نازل ہوئی۔ اور حکم غزوۂ بدر سے کچھ پہلے ماہ رجب یا شعبان سنہ ۲ھ میں نازل ہوا تھا۔[۳۱۸]

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى یُقَاتِلُوْكُمْ

۳۱۸؎ رحمۃ للعالمین ۱/۱۰۰ تا ۱۰۴، الرحیق ص ۲۲۴ حاشیہ ترجمۂ قرآن مولانا مودودی ص ۸۶۲ طبع دوم سنہ ۱۹۸۰ء۔

Marfat.com

فِيْهِ فَاِنْ قَاتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ، كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۰ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۰

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرو، کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آجائے۔ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اس لیئے کہ قتل اگرچہ بُرا ہے، مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں۔ تم بھی ان سے نہ لڑو۔ مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چوکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ معاف فرمانے والا، اور رحم کرنے والا ہے۔ اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیئے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

اور آیت ۲۱۶ میں فرمایا:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۰

تمہیں قتال وجہاد کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو، اور وہی تمہارے لیئے بہتر ہو، اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو، اور وہی تمہارے لیئے بری ہو۔ اللہ جانتا

Marfat.com

ہے تم نہیں جانتے۔

یہ آیات نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیئے جہاد کا باقاعدہ حکم دے دیا۔ اور جہاد کو مسلمانوں پر فرض قرار دے دیا گیا۔

اور شعبان ۲ھ (الموافق فروری ۶۲۴ء) میں ہی اللہ تعالیٰ نے تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرمایا۔ جس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگیا کہ وہ یہود جو منافقانہ روش پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے تھے وہ کھسک گئے اور مسلمانوں کی صفوف غدّار وخائن لوگوں سے پاک ہوگئیں۔ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو قبلہ قرار دیتے میں مسلمانوں کے لیئے اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ موجود تھا کہ تمہیں اپنے قبلہ کو مشرکین سے آزاد کرانا ہوگا۔[۳۱۹]

ان اُوامر وارشادات کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے دلوں میں جذبۂ جہاد خُوب موجزن ہوگیا۔ اور پھر انہوں نے غزوۂ بدر (۱۷ رمضان ۲ھ) سے لے کر غزوۂ اُحد (۶ شوال ۳ھ)، غزوۂ احزاب یا خندق (شوال یا ذوالقعدہ ۵ھ) غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ)، غزوۂ فتح مکہ (رمضان ۸ھ)، غزوۂ حنین (شوال ۸ھ) غزوۂ طائف (شوال ۸ھ)، غزوۂ تبوک (رجب ۹ھ) وغیرہ میں تائید ونصرتِ الٰہی سے شاندار فتوحات کی لائن لگادی۔ اور مشرکوں کے ہاتھوں سے اپنا قبلہ بھی آزاد کروا لیا۔

---

[۳۱۹]۔ الرحیق المختوم ص ۲۲۵۔

Marfat.com

غزوات و سرایا

ایک جائزہ

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص پہلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا ہیں، جن کے بارے میں معاندینِ اسلام اور دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں بڑی غلط فہمیاں پیدا کر رکھی ہیں۔ وہ لوگ یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی نشر و اشاعت اور لوگوں کو زبردستی دین قبول کروانے کے لیئے نعوذُ باللہ خوب تلوار چلائی۔ اور خونریزی کی تھی۔ ہم اُن کے اسی دعوے کا جائزہ لے کر دیکھتے ہیں کہ اس میں کہاں تک معقولیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی ترویج و اشاعت تلوار سے نہیں بلکہ اپنے اخلاقِ عالیہ اور دعوت و تبلیغ سے کی تھی۔ اور جو جنگیں آپؐ نے لڑی تھیں وہ جنگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلّط کی گئی تھیں۔ اور آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی مدافعانہ جہاد کر کے اپنا فرض ادا کیا تھا۔

صحیح بخاری شریف و مسلم شریف میں مذکور ہے کہ :۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیئے جن مدافعانہ غزوات و سرایا میں بنفسِ نفیس شرکت فرمائی، ان کی مجموعی تعداد اُنیس ہے۔ اور اُن میں سے بھی کُل آٹھ میں قتال کی نوبت آئی۔ [۳۲۰]

اور وہ غزوات و سرایا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو روانہ

---

[۳۲۰] ۔ بخاری کتاب المغازی باب کم غزا النبیؐ ۔ مسلم کتاب الجہاد باب غزوات النبیؐ ۔

فرمایا ان کی مجموعی تعداد بقول ابنِ اسحاق ۳۸ ہے۔ [۳۲۱]
جبکہ ماضی قریب کے محقق سیرت نگار جناب جسٹس علامہ منصور پوری نے ۲ھ سے ۹ھ تک آٹھ سال کے مابین عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا کا بڑی تحقیق دقیق اور عرق ریزی سے ایک نقشہ تیار کیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے واقعات یا غزوات و سرایا کی جملہ تعداد ۸۲ تھی۔ [۳۲۲]
بعض لوگ ۸۲ کا عدد سنتے ہی اچھل پڑتے اور فتوی داغ دیتے ہیں کہ لو ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تلوار چلائی تھی۔ حالانکہ اس عددِ کبیر میں ۴۲ وہ دستے بھی شامل ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے اور راستوں کی نگرانی کرنے کے لیئے روانہ فرمائے تھے۔ پانچ دستے تبلیغی سفر پہ نکلے تھے۔ انہی میں سے پندرہ سریئے یا دستے وہ بھی ہیں جو قتل و ڈکیتی کی وارداتوں اور غداری کے جرم میں ملوث لوگوں کے تعاقب اور گوشمالی کے لیئے روانہ فرمائے تھے۔ چھ دستے بعض غلط فہمیوں کے نتیجہ میں وجود میں آئے۔ جو نہ صرف کفار و مسلمین بلکہ خود مسلمانوں کے مابین بھی وقوع پذیر ہوئے۔ تین دستے بت شکنی کے لیئے نکلے۔ تین دستے دشمن کا تعاقب کرنے کی وجہ سے رونپذیر ہوئے اور پانچ مختلف مقامی یا شخصی واقعات بھی سریئے کہلائے۔
یہ ترسیٹھ ایسے واقعات ہیں کہ جو غزوات و سرایا میں تو شمار کیئے جاتے ہیں مگر ان میں سے کسی میں بھی کفر و اسلام کا مقابلہ نہیں ہوا۔ ایسے ہی کتنے اور واقعات بھی ہیں۔ صرف آٹھ سات غزوات ایسے ہیں جن میں کفر و اسلام کا باقاعدہ مقابلہ ہوا اور ان میں بھی مسلمانوں نے صرف دفاعی مقابلہ کیا، اور کبھی بھی جارحانہ حملے کی ابتدا نہیں کی۔ [۳۲۳]

---

[۳۲۱]:۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسولؐ لابنِ کثیر ص ۴-۲۰۳، ابن ہشام ۲/۹-۲۰۸۔

جہادِ اسلامی کے تقدس کو جنگ اور خونریزی کا نام دینے والے یہ معاندین نہ واقعہ کی علت کو دیکھتے ہیں، اور نہ ہی مسلمانوں کے مدعا کی تلاش کرتے ہیں بلکہ ہر واقعہ کے بارے میں اپنی یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ یہ بھی لوگوں کو زبردستی دینِ اسلام میں داخل کرنے کے لیئے پیش آیا تھا۔ ان عیاروں کی چرب لسانی کے نتیجے میں اللہ کے کچھ سادہ دِل بندے مسلمان بھی یہی سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی وُہ ہر نقل وحرکت جنگ ہی کے لیئے تھی[۳۲۴]

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم جارحیت کے معاہدے اس بات کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تلوار چلانے نہیں، بلکہ امن وآشتی اور صلح وسلامتی قائم کرنے آئے تھے۔

اور اگر انسانی ہمدردی کے ان علمبرداروں کو جائز وناجائز ہر شکل میں بہائے گئے خون کی سُرخی سے ڈر لگتا ہے تو پھر دُوسروں کے مُنہ لگنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر تو لیں جس کا ہر در و دیوار خون سے لت پت ہے۔ عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا میں تو فریقین کے کُل ایک ہزار اٹھارہ آدمی جنگ میں کام آئے۔

اگر بالفرض ان ۸۲ غزوات وسرایا کو جنگیں ہی تسلیم کر لیا جائے تو آپ کُل مقتولین ۱۰۱۸ کو ۸۲ پر تقسیم کریں۔ صرف ساڑھے بارہ مقتول اوسط نکلتی ہے۔ کیا ایسی لڑائیوں کو عقلِ سلیم کی روشنی میں صدہا سالہ مذاہب کے جبراً ترک کرانے اور اسلام قبول کروانے میں کافی مؤثر قرار دیا جا سکتا ہے؟

۳۲۲۔ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۸۵ تا ۲۰۲۔

۳۲۳۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے رحمۃ للعالمین ۲/ ۲۰۶-۷۔

۳۲۴۔ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۸۴-۸۵۔

Marfat.com

ان تمام لڑائیوں میں کفار کے چھ ہزار پانچ سو چونسٹھ[۱۵۶۴] آدمی قیدی بنائے گئے۔ جن میں سے چھ ہزار صرف غزوۂ حنین میں اسیر کیئے گئے۔ باقی جنگوں میں اسیروں کی اوسط صرف سات نکلتی ہے۔ کیا یہ تعداد پورے ملک کو تبدیلیٔ مذہب کے لیئے مجبور ہونے کا سبب قرار دی جا سکتی ہے؟ اور پھر ہمارے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاقی کارنامہ تو دیکھیں کہ صرف دو قیدیوں کو ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا۔ باقی تمام کو رہا کر دیا تھا۔[۳۲۵] سبحان اللہ!

اب ذرا انکی جنگوں کی طرف بھی دیکھیں، انڈیا کے اخبار "ہمدم" نے اپنی ۱۷ اپریل ۱۹۱۹ء کی اشاعت میں اکیلی جنگِ عظیم کے صرف مقتولین کی تعداد کا اندازہ ۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار ذکر کیا تھا۔ اور یہ اس جنگِ عظیم کے مقتولین ہیں جو ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء سے لے کر ۲ مارچ ۱۹۱۷ء تک لڑی گئی تھی۔ زخمیوں، اسیروں اور گم شدگان کی تعداد الگ ہے۔ اور اس جنگ سے انگلستان کا صرف یہ مقصد بتایا گیا ہے کہ چھوٹی سلطنتوں کی آزادی اور حفاظت کو برقرار رکھا جائے۔ صرف اتنے سے مقصد کے لیئے لاکھوں نفوس، اربوں اشرفیوں کو خاک و خون میں ملا دیا گیا۔ سینکڑوں جہاز سمندر میں غرق ہوئے۔ عیش و آرام کے سب سامان تباہ ہوئے۔ اور تجارتِ عالم مخدوش و معطل رہی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

یورپ کی دینی انجمنوں کے ہاتھوں اور مذہبی عدالت کے احکام سے ایک کروڑ بیس لاکھ عیسائی ہلاک کیئے گئے۔ جیسا کہ ایک عیسائی مؤلف "جان ڈیون پورٹ" کا اپنا بیان ہے جسے اس نے اپنی کتاب "اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن" میں ذکر کیا ہے۔[۳۲۶]

---

[۳۲۵] رحمۃ للعالمین ۲/۲۱۳، غزواتِ نبویؐ کے اسباب اور انواع کے لیئے سیرت النبی شبلی ۱/۵۸۷ تا ۶۲۲، اور صفحۂ آخر بھی دیکھیں۔

[۳۲۶] رحمۃ للعالمین ۲/۲۱۴ نقلاً عن اعجاز التنزیل ص ۲۶۱۔

Marfat.com

اور اکیلی سلطنت اسپین نے تین لاکھ چالیس ہزار عیسائیوں کو قتل کیا تھا، جن میں سے بتیس ہزار آدمی آگ میں جلا کر مارے گئے۔ اور جنگ مہابھارت کے مقتولین کی تعداد کروڑوں سے کم نہیں۔[۳۲۷]

معلوم نہیں، ان اعداد و شمار کی موجودگی میں بھی یہ لوگ اپنی پاک دامانی کی حکایت کیوں بڑھاتے چلے جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ انہیں راہِ ہدایت عطا کرے۔

حدیثِ افک۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے تیرہ سالوں میں کفار و مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو ہر ممکن طریقے سے ذہنی و جسمانی تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ مسلمانوں کی جماعت روز بروز بڑھتی گئی۔ متعدد غزوات میں فتح یابی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر اسلام اور مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی تو اب کسی کافر کو کھل کر کھیلنے کی کم ہی جرأت ہوتی تھی۔ البتہ جو لوگ منافق تھے وہ در پردہ اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح اسلام اور نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو زک پہنچائی جائے۔

اُن منافقین میں سے عبداللہ بن اُبَیّ کا کردار سب سے گھناؤنا اور شرمناک تھا اس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کا سکون غارت کرنے کے لیے آپ کی زوجۂ محترمہ، صدیقۂ کائنات، امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں دریدہ دہنی کی، اور اُن پر تہمت لگا دی۔ یہ واقعہ "حدیثِ افک" کے نام سے معروف ہے۔ قرآنِ کریم، کتبِ ستّہ اور دیگر کتبِ حدیث

۳۲۷۔ المرجع السابق۔

Marfat.com

اور تاریخِ اسلام و سیرتِ نبوی ﷺ کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے۔ حافظ ابن قیم ؒ اور دیگر محققین ؒ کے مطابق یہ واقعہ شعبان ۵ھ میں پیش آیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غزوۂ بنی المصطلق[۳۲۸] سے واپس ہوئے تو راستے میں ایک جگہ پر رات کا کچھ حصّہ آرام کیا۔ یہاں سے کُوچ کرنے سے تھوڑا قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں، قضائے حاجت کے لیئے کچھ دُور گئیں۔

۳۲۸۔ حضرت زینب بنت جحش اور جویریہ رضی اللہ عنہما سے نکاح۔

اسی غزوہ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ جو انہیں اسیر بنا کر لائے تھے۔ انہوں نے انہیں مکاتب کر دیا۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے زرِ کتابت ادا کرنے اور شادی کر لینے کا کہا تو وہ بخوشی مان گئیں۔ یہ سیدِ قوم حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ اس شادی کی خبر سنتے ہی صحابہ کرام ؓ نے دوسرے ایک سَو قیدیوں کو بھی یہ کہتے ہوئے رہا کر دیا کہ یہ اب ہمارے نبی ﷺ کے رشتہ دار ہو گئے ہیں۔ حضرت عائشہ ؓ انہیں اپنی قوم کے لیئے باعثِ برکت کہا کرتی تھیں۔ شوال ۵ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی ہُوئی اور چھ سال زوجیت میں رہ کر وفات پائی۔

۵ھ میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنتِ جحش (پھوپھی زاد) سے شادی کی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ و متبنّیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں۔ اور انہوں نے طلاق دے دی۔ قرآن پاک کی سُورۃ احزاب رکوع ۵ میں انہی کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے برابر والی منزلت کی مانتی تھیں۔ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پہلے ہوا تھا۔ چھ برس آپ کی زوجیت میں رہ کر وفات پائی۔

☆

جب وہ واپس قافلے کے پاس پہنچیں تو معلوم ہوا کہ گلے کا ہار کہیں گم ہو گیا ہے، اسے تلاش کرنے کے لیئے واپس وہیں تک گئیں جہاں بیٹھنے کے دوران ہار کے گرنے کا خیال تھا۔ اور واقعی ہار تو وہاں سے مل گیا، مگر جب قافلہ کی جائے قیام پر پہنچیں تو معلوم ہوا کہ قافلہ کوچ کر چکا ہے۔

آپ فرماتی ہیں کہ میں وہیں بیٹھ گئی۔ جہاں قافلہ والوں نے رات بسر کی تھی تاکہ جب قافلہ کہیں رکے اور میں ہودج میں نہ ملوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم آکر مجھے لے جائیں گے۔

حضرت صفوان بن معطّل رضی اللہ عنہ جو کسی ضرورت سے قافلہ کے ساتھ رات کو یہاں نہیں پہنچ سکے تھے، جب وہ اس جگہ پہنچے، اور مجھے کپڑے میں سمٹے ہوئے دیکھا تو "اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ راجعون" پڑھا اور کہا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے ہیں۔ انہوں نے اپنا اونٹ بٹھا کر انہیں (حضرت عائشہؓ کو) سوار کیا، اور قافلے کو جا ملے۔ حضرت عائشہؓ کے اس تاخیر سے پہنچنے کے معمولی واقعہ کو رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ نے ہوا دے کر افسانہ بنا دیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا دی۔ بات عام ہو گئی۔ حتّٰی کہ چند مسلمان بھی عبداللہ بن اُبَیّ کے ہم خیال ہو گئے۔ [۳۲۹]

یہ واقعہ جیسے جیسے عام ہوتا گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے خاندانِ نبوّت کی پریشانی بڑھتی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خاندانِ صدّیق کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور تمام صحابہؓ کا سکون لٹ گیا۔ اور ذاتِ باری تعالیٰ کو نہ معلوم

۳۲۹۔ مسلمانوں میں سے اس تہمت میں ملوّث ہونے والے صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں۔ دوسرے حضرت مسطح بن اثاثہ اور تیسرے حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جنہیں بعد میں تہمت کی سزا (اسّی کوڑے) لگائی گئی تھی۔ رضی اللہ عنہم۔

کیا کیا حکمتیں منظور تھیں کہ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ کوئی وحی بھی نازل نہ ہوئی بے قراری و بے تابی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی کسی بیوی سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں پوچھتے کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کبھی صحابہ کرام سے مشورہ کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کو واقعہ کی خبر نہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدمِ التفات سے بے چین ہو کر اپنے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تامّل اجازت دے دی۔ وہاں کئی دن کے بعد انہیں اپنے بارے میں لگائی گئی تہمت کی خبر لگی تو شدتِ غم سے قریب تھا کہ جگر پاش پاش ہو جائے۔ سخت بخار ہو گیا اور دل کے آبگینے کو غیر متوقع ناگہانی اور سخت چوٹ لگنے کی وجہ سے آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات بہنے لگی وہ اپنے گوہرِ عصمت پر انگلی اٹھائے جانے کے غم میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ اور اصل واقعہ کو ایک ماہ سے بھی زیادہ عرصہ گزر گیا۔ تو ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مائیکے گھر گئے۔ ان کے والد صدیقِ اکبرؓ ان کی والدہ اور ایک انصاری عورت ان کی حالتِ زار پر نڈھال ان کے پاس ہی بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے عائشہ! جو بات لوگ کہہ رہے ہیں وہ تمہیں بھی معلوم ہو گئی ہو گی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور اگر تم نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لو، وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے اپنے ماں باپ کو خاموش دیکھا تو خود ہی فرمایا:

"بخدا! میں اس بات پر توبہ نہیں کروں گی جو آپ نے ذکر کی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس الزام سے بری ہوں۔

فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ ۳۲؎

Marfat.com

براءتِ عائشہ رضی اللہ عنہا
مِنْ فَوْقِ سَبْعَ سَمٰوٰت

جب صدیقہ بنت صدیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس ناکردہ گناہ سے توبہ کرنے سے، "واللہ یعلم انی بریئۃ" کہتے ہوئے انکار کر دیا تو خالق کائنات، مالکِ ارض و سمائے نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے شہادت دے دی کہ عائشہ رض کا دامن پاک ہے۔ اور یہ الزام لگانے والے جھوٹے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ توبہ کا مشورہ دینے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ اور جب حالت نزول کا انقطاع ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اَبْشِری یا عائشۃ قد انزلَ اللہ براءتَکِ۔

"اے عائشہ! تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری براءت نازل فرمادی ہے" میں نے اپنی براءت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوشی خوشی باہر گئے۔ اور لوگوں کو براءتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہونے والی آیات سنائیں۔ [۲۳۱]

۲۳۰؎ واقعۂ تہمت کی تفصیلات دیکھئے، بخاری مع الفتح ۷/۴۳۷-۳۵، مسلم ۸/۱۷۳ تا ۱۷۷، سیرت ہشام ۳/۱۸۷ تا ۱۹۶، الفتح الربانی ۲۱/۷۳ تا ۷۶ و ۲۲/۱۱۶ تا ۱۲۳، البدایہ والنہایہ ۴/۱۶۰ تا ۱۶۴ طبری ۱/۳۱۶ تا ۳۲۲، زاد المعاد ۲/۱۱۲ تا ۱۱۶ طبع قدیم۔

۲۳۱؎ حوالہ جات بالا، وانظر ایضاً، فوائدِ سلفیہ المسمّٰی بہ اشرف الحواشی للاستاذ محمد عبدہٗ الفلاح

Marfat.com

یہ سورۃ نور کی سولہ آیتیں تھیں جو آیت نمبر ۱۱ سے شروع ہو کر ۲۶ تک تھیں اور ان سولہ آیات پر مشتمل پورے دو رکوعوں میں ہی تہمت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت مذکور ہے۔

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۱۱

لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ۝۱۲

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝۱۳

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۱۴

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ۝۱۵

وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ۝۱۶

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱۷

وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۱۸

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی

Marfat.com

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؁۱۹

"جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہے۔ اس طوفان کو اپنے حق میں بُرا مت سمجھو، بلکہ وہ تمہارے لیئے بہتر ہوا۔ اس گروہ میں سے ہر شخص نے جتنا گناہ سمیٹا، اتنی سزا پائے گا۔ اور جس نے اس طوفان کا بیڑا اٹھایا، اس کو سخت عذاب ہوگا۔

(تمہیں مسلمانو کیا ہو گیا ہے؟) جب تم نے یہ بات سُنی تھی تو ایماندار مردوں اور عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے پر نیک گمان کرنا تھا اور یوں کہنا تھا کہ یہ کھلا ہوا طوفان (تہمت) ہے۔

(اگر وہ سچے تھے تو) اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ (جو کہ شرعی حکم ہے) پھر جب گواہ نہ لا سکے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک خود وہی جھوٹے ٹھہرے۔

اگر تم پر دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو اس بات کا کھوج لگانے (یا اس کا چرچا کرنے) میں کوئی بڑا عذاب تم سے چمٹ جاتا۔

جب تم اس (بات) کو زبان در زبان لانے لگے اور بلا تحقیق مُنہ سے کہنے لگے اور تم سمجھے کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ حالانکہ اللہ کے نزدیک تو وہ بہت بڑی بات ہے۔ اور تم نے ایسا کیوں نہیں کیا کہ

جب یہ (جھوٹی) خبر سُنی تھی تو یہ کہہ دینا تھا کہ ہم ایسی (بُری بات) منہ سے نہیں نکال سکتے۔ سبحان اللہ یہ بڑا بھاری بہتان ہے۔

اگر تم میں ایمان ہے تو اللہ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔

اور اللہ کھول کھول کر اپنے حکم تم سے بیان کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) جانتا ہے، حکمت والا۔

Marfat.com

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحش باتیں پھیلیں۔ ان کو دنیا و آخرت
(کے دونوں) میں تکلیف کا عذاب ہوگا۔ اور (چھپی باتیں غیب کی) اللہ جانتا ہے
اور تم نہیں جانتے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٢٠
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَنْ
يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْ
لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ
اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝٢١
وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي
الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْيَعْفُوْا
وَلْيَصْفَحُوْا ۚ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝٢٢
اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٢٣
يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٢٤
يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۝٢٥
اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ
لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۚ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

Marfat.com

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم تم پر نہ ہوتا، اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور رحم والا نہ ہوتا۔ (تو تم تباہ ہو جاتے)

اے ایمان والو! شیطان کے قدم بقدم مت چلو (اس کی پیروی نہ کرو) اور جو کوئی شیطان کی پیروی کرے گا (وہ گمراہ ہوگا) اس لیئے کہ شیطان تو بے حیائی اور بُرے ہی کام کرنے کو اُسے کہے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی (گناہ سے) پاک نہ رہ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔ اور اللہ سب سنتا اور جانتا ہے

اور جو لوگ تم میں بزرگی والے اور مالدار ہیں وہ (اپنے، ناطے والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (خیرات) نہ دینے کی قسم کھا بیٹھیں (یا خیرات دینے میں قصور نہ کریں) بلکہ معاف کریں۔ اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو (تمہاری خطاؤں کو) بخشے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بے شک وُہ لوگ جو پاک دامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، وُہ دُنیا و آخرت میں ملعون ہیں، اور ان کو (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا۔

جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں (خود) ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

اس دن اللہ تعالیٰ اُن کو پُورا واجبی بدلہ دے گا (ان کے اعمال کا) اور وُہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی سچا کھولنے والا ہے۔

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیئے ہیں۔ اور گندے مرد گندی عورتوں

Marfat.com

کے لیئے۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیئے، اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیئے۔ یہ پاک لوگ ہیں ان باتوں سے جو وہ کہتے پھرتے ہیں۔ ان کے لیئے (آخرت میں خدا کی طرف سے) بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

حلِّ مسائل:۔

قارئین کرام! اس واقعہ تہمت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو نتیجتاً کتنے ہی مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ مثلاً:۔

یہ کہ پیغمبری مل جانے کے باوجود بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم بشریّت و انسانیت کے وصف سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ جیسا کہ اس واقعہ کی تفصیلات سے پتہ چلتا ہے۔ اور ایک بات یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ اس وحی کا نزول کسی نبی کے بس میں نہیں ہوتا بلکہ جب اللہ چاہے تو وہ نازل فرماتا ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے واضح ہو رہا ہے[۳۳۲]

اور جب وحی کا نزول کسی نبی کے بس میں نہیں ہوتا تو کشف و کرامات کے دعوے کرنے والوں کے لیئے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ جب چاہیں کرامت دکھا دیں اور اپنے پیر ہونے کا سکہ جمالیں۔

اور دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ جو لوگ یہ عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم عالم الغیب یا غیب دان تھے۔ اس واقعہ سے اُن کے اس غلط عقیدہ کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ غیب دان نہیں تھے بلکہ امورِ غیبیہ میں سے جو کچھ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ تعالیٰ بتا دیتا تھا وہ تو آپ کو معلوم ہو جاتا، اور جو وہ نہیں بتاتا وہ آپ کو معلوم نہیں ہوتا تھا۔

۳۳۲۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے فقہ السیرہ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی ص ۲۲۲ تا ۲۲۵۔

Marfat.com

اس واقعہ پر نظر ثانی کریں اور دیکھیں کہ:۔

۱۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان تھے تو حضرت عائشہ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر قافلے کی طرف آرہی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرما دیتے کہ جاؤ پہلے اپنا ہار اُٹھا کر لاؤ جو فلاں جگہ پر گر گیا ہے۔ یا پھر آپؐ خود جا کر لا دیتے اور اس ماہِ غم کا موقعہ ہی نہ آتا۔

۲۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتہ غیب دان ہوتے تو قافلے کی روانگی کے وقت ہی قافلے والوں کو روک دیتے اور فرما دیتے کہ ابھی رُک جاؤ کیونکہ میری اہلیہ اپنے اونٹ کے ہودج میں موجود نہیں ہیں بلکہ اپنا ہار تلاش کرنے گئی ہیں وہ آلیں، پھر چلتے ہیں۔

۳۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہوتے تو اس تہمت کی نوبت ہی نہ آتی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور پورا خاندانِ نبوت پریشان رہتے۔ نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور خاندانِ صدیق رضی اللہ عنہم کا چین و سکون غارت ہوتا اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک کے لیئے بے چینی لاحق ہوتی۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان ہوتے تو پھر پریشان رہنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حسنِ کردار کے بارے میں شہادتیں لینے اور مشورے کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور صاف فرما دیتے کہ یہ لوگ جھوٹا الزام لگا رہے ہیں۔ میری بیوی میں ایسی کوئی قابلِ مواخذہ بات نہیں پائی جاتی۔

۵۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیب دان تھے تو پھر کیا وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے سب سے محبوب بیوی کے

بارے میں شک کا اظہار فرماتے ہوئے انہیں توبہ کا مشورہ دے دیا۔ کیا کوئی شخص جانتے بوجھتے ہوئے ایسی بات بآسانی کہہ سکتا ہے ؟

۶۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غائب دان تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ میری بیوی سچی ہیں، اس کے باوجود ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک آپ نے

۲۲۔ امہات المؤمنین حضرت حفصہ و زینب و ام سلمہ رضی اللہ عنہن سے نکاح

فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا، حضرت خنیس بن حذافہ رضؓ کے گھر میں تھیں جو غزوہ احد میں زخمی ہو کر آئے اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ شعبان ۳ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں اور ام المؤمنین ہونے کا شرف پایا۔ اور ۴۱ھ ماہ جمادی الاولیٰ میں بعمر ساٹھ سال وفات پائی۔

۳ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المساکین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا پہلے طفیل پھر عبیدہ کے نکاح میں تھیں۔ جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمزاد بھائی یعنی حارث بن عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ ان کا تیسرا نکاح عبداللہ بن جحش سے ہوا۔ جو آپؐ کے پھوپھی زاد اور آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب بنت جحش کے حقیقی بھائی تھے۔ وہ جنگ احد میں شہید ہوئے تو بعد میں یہ آپؐ کے نکاح میں آئیں۔ ماں کی جانب سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ یہ صرف دو یا تین ماہ آپؐ کی زوجیت میں رہیں، اور وفات پاگئیں۔

اور ۴ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ (ہند بنت ابو امیہ) سے شادی کی، جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ابو سلمہ (عبداللہ بن عبدالاسدؓ) کے گھر میں تھیں۔ ابو سلمہ کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہؓ اور حضرت ابو سلمہؓ تینوں رضاعی بھائی بھی تھے۔ وہ غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور جانبر نہ ہو سکے۔ آخر جمادی الاخریٰ ۳ھ میں شہید ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ سات سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں۔ اور پھر وفات پائی۔

Marfat.com

الزام لگانے والوں کا منہ بند کرنے کے احکام جاری کیوں نہ فرما دیئے۔ اور اگر جان بوجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تھا تو غور کر کے دیکھیں کہ بات پھر کہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کون کون سی بدگمانیوں کے پہلو نکلتے ہیں۔

الغرض یہ واقعہ ہی اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ کوئی نبی، صحابی، امام یا ولی اس صفت میں اللہ کا شریک ہرگز نہیں ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ انعام آیت ۵۰ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ

"(اے نبیؐ!) ان سے کہہ دیں میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے پھر ان سے پوچھیں، کیا اندھا اور آنکھوں والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟"

اور سورۃ انعام کی ہی آیت ۵۹ میں ارشادِ ربانی ہے:۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔

"اسی (اللہ) کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔"

اور اسی سورۃ کی آیت ۷۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

Marfat.com

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ٥

"وہ (اللہ ہی) غیب وظاہر ہر چیز کا عالم ہے۔ اور دانا و باخبر ہے۔"

اسی طرح سورۂ اعراف آیت ۱۸۸ میں ارشاد گرامی ہے:۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥

"(اے نبی!) ان سے کہیں کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے، ہوتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سے فائدے حاصل کر لیتا۔ اور مجھے کبھی کوئی تکلیف و نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا، اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔"

اس ارشاد الٰہی پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے سوا کسی کے مختارِ کل ہونے اور عالمِ غیب ہونے کی نفی کر دی ہے۔ اور خاص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہلوایا ہے کہ میں نہ مختارِ نفع و نقصان ہوں، اور نہ ہی عالمِ غیب ہوں۔

اور سورۂ ہود آیت ۳۱ میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی کہلوانے کے لیے ارشاد فرمایا،

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ

"اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔"

Marfat.com

اور سورۂ ہود کی ہی آیت ۴۹ میں حضرت نوحؑ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ۠ ۝

" (اے نبیؐ !) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے، اور نہ ہی تمہاری قوم، پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے۔"

اور سورۂ ہود کی آخری آیت ۱۲۳ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا :-

" وَ لِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَیْهِ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" ۝

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ چھپا ہوا ہے، سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے پس (اے نبیؐ) تو اس کی بندگی کر، اور اسی پر بھروسہ رکھ، اور جو کچھ تم کر رہے ہو، تیرا رب اس سے بے خبر نہیں ہے۔

اور سورۂ نحل آیت ۶۵ میں ارشادِ الٰہی ہے :-

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۝

"ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ اور وہ (معبودانِ باطلہ تو یہ بھی) نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔"

اور سورۂ لقمان کی آخری آیت ۳۴ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے :-

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا ، وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ م بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ہ

"اس (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی بارش برساتا ہے وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا پرورش پا رہا ہے۔ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرنے والا ہے۔ اور نہ کسی شخص کو یہ خبر ہے کہ کس سرزمین میں اس کی موت آنی ہے۔ اللہ ہی سب کچھ جاننے والا باخبر ہے۔"

ان سب ارشاداتِ الٰہی کے بعد کیا اب بھی کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی مختارِ کُل ہے۔ اور نہ ہی عالمِ غیب ؟

Marfat.com

علمِ غیب

شیخ جیلانیؒ کی نظر میں!

"علمِ غیب" کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ثابت کرنا بریلوی مکتبِ فکر کے "نعت گو" قسم کے علماء کا طرہ ہے۔ ورنہ ان کے بانی مبانی مولانا احمد رضا خان بریلوی اور اس مکتبِ فکر کے بعض معروف علماء اس کے حق میں نہیں ہیں۔

اور شیخ جیلانی رحمۃ اللہ نے اہلِ سُنّت کے عقائد کی جو تفصیل اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں ذکر کی ہے، اس کی رو سے "علمِ غیب" علم جمیع ما کان و ما یکون (جو کچھ ہو گیا اور ہونے والا ہے اس سب کچھ کا علم) کسی غیر اللہ کے لیئے ثابت کرنا رافضیوں شیعوں کا عقیدہ ہے۔ اہلِ سنّت کا نہیں۔ اور جو شخص یہ ناپسندیدہ عقیدہ رکھے، وہ اہلِ سُنّت نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ پیر جیلانی رحمہ اللہ موصوف "غنیۃ الطالبین" میں رقمطراز ہیں:۔

ترجمہ:۔ "رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ "امام" کو دُنیا و دین کی ہر چیز کا علم ہوتا ہے۔ جو ہو چکی ہے اور جو ہونے والی ہے۔ یہاں تک کہ کنکروں، بارشوں کے قطرات اور درختوں کے پتّوں کی تعداد و گنتی بھی جانتے ہیں۔"

اور مذکورہ کتاب ہی کے "باب فضائل شب قدر" میں موصوف نے ایک بڑا عجیب نکتہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے جن چیزوں کے متعلق "وَمَا اَدْرٰكَ" فرمایا ہے ان چیزوں کا علم تو اللہ نے آپؐ کو عطا فرمایا۔ اور جن چیزوں کے متعلق

"وَمَا يُدۡرِيكَ" فرمایا ہے۔ ان چیزوں کی اطلاع آپ کو نہیں دی۔
جیسا کہ سورۂ احزاب آیت ۶۳ میں قیامت کے متعلق فرمایا ہے۔
وَمَا يُدۡرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا۔
اور کس چیز نے آپ کو خبردار کیا ہے کہ قیامت کب آئے گی: یعنی آپ ہرگز نہیں جانتے اس کے آنے کا وقت۔[۳۳۴]
معلوم ہوا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب نہیں جانتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک بھی یہ صرف خاصہ ہے اللہ تعالیٰ کا۔

علم غیب۔ بریلوی مکتب فکر کی نظر میں!

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نبی، ولی یا پیر عالم الغیب نہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیبی امور کی بذریعہ وحی خبریں دی ہیں۔ انہیں علم غیب کہنا ہی کبار بریلوی علماء پیر حمزہ شاہ، اور مفتی احمد یار خان کے نزدیک بھی جہالت و گمراہی ہے۔
چنانچہ بریلوی جماعت کے بانی شاہ احمد رضا خان بریلوی کے ملفوظات حصہ اول ص ۴۴ اور ۴۵ پر مسئلہ علم غیب کی تشریح کی ہے جہاں موصوف لکھتے ہیں۔
"میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الٰہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرے کے کروڑویں حصے کو کروڑ سمندر سے ہے۔" (ص ۴۵)
اور فاضل بریلوی ہی اپنی کتاب "خالص الاعتقاد" میں لکھتے ہیں۔
"ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہو گیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم مل کر بھی علم الٰہی سے

---

[۳۳۴] بحوالہ مرشد جیلانی کے ارشادات حقانی ص ۱۵۵، ۱۶۹

Marfat.com

مساوی ہونے کا شبہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ بھی گزرے۔ ہم قاہر دلیلیں قائم کر چکے کہ علم مخلوق کا جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہونا عقل و شرع دونوں کی رُو سے یقیناً محال ہے۔

علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزّوجلّ کے ساتھ خاص ہیں۔ بندوں کے لیے صرف ایک گونہ علم بعطائے الٰہی ہے۔ ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں، اور عطاءِ الٰہی میں سے بھی بعض علم ہی مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔

مزید فرماتے ہیں:۔

"میرا مختصر فتویٰ: اُنبا المصطفےٰ، بمبئی مُراد آباد میں تین بار ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر شائع ہوا۔ ایک نسخہ اس کا رسالہ "الکلمۃ العلیاء" (تالیف مولانا نعیم الدین مُراد آبادی) کے ساتھ مطبوعہ ہوا، مرسلِ خدمت ہے۔ اس سے بڑھ کر جس جس امر (علمِ غیب کلّی) کا اعتقاد میری طرف نسبت کرے، مفتری و کذّاب اور اللہ کے یہاں اس کا حساب ہے۔"[۳۳۵]

اور الدولۃ المکیّۃ" ص ۲۵ پر فاضل بریلوی لکھتے ہیں:۔

فَاِنّا لانَدّعی آنّہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قد احاط لجمیع معلوماتِ اللہِ تعالیٰ و محال للمخلوق۔

"ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علم شریف تمام معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہے۔ کیونکہ یہ تو مخلوق کے لیے محال ہے۔"

اور اسی کے ص ۸۲ پر لکھتے ہیں:۔

وَلَا نثبت لِعطاءِ اللہِ الّا البعض۔

---

۳۳۵ :۔ خالص الاعتقاد شائع کردہ مرکزی حزب الاحناف ہند۔ مطبوعہ ۲۸ رمضان ۱۳۶۱ھ

"اور ہم عطائے الٰہی سے بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں۔ نہ کہ جمیع۔"

اور تمہید ایمان میں فرمایا ہے :۔

"حضورؐ کا علم بھی جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو محیط نہیں۔"

اور اپنی کتاب "الأمن والعلی" مطبع نظامی بدایوں ص ۲۰۲ پر فیصلہ کن انداز سے لکھتے ہیں :۔

"علم بالذات اللہ عزّ وجلّ کے لئے خاص ہے۔ کفار اپنے معبودانِ باطل کے لئے مانتے تھے۔ مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ، اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ کے بتانے سے انہیں امورِ غیب پر اطلاع ہے۔"

اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے دادا مرشد جناب پیر حمزہ شاہ نے "خزینۃ الاولیاء" ص ۱۵ پر فرمایا ہے :۔

"علمِ غیب خاص ربّ العزّت کی صفت ہے۔ جو عالم الغیب والشّہادۃ ہے۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عالم الغیب" کہے، وہ بے دین ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی کے امورِ مخفیہ کا علم ہوا تھا۔ جسے علمِ غیب کہنا ہی گمراہی ہے۔

ورنہ جمیع مخلوقات نعوذ باللہ عالم الغیب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بعطائے الٰہی علم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ امت کو پہنچا دیا۔ مثلاً

پورا قرآن علمِ غیب ہی ہے جو ہمارے سامنے اور علم میں ہے۔"

اور دورِ حاضر کے معروف بریلوی عالم مفتی احمد یار گجراتی اپنی کتاب "جاء الحق" طبع ہفتم کے ص ۳۹ پر لکھتے ہیں :۔

"حضور علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔"

اور ص ۸۸ پر لکھتے ہیں :۔

Marfat.com

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب جاننا، نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ نے مقرر فرمائیں۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا، اس طرح میں اپنی مراد کے واقع کرنے میں قادر ہوتا تو خیر بہت جمع کر لیتا۔"

اور ص ۹۱ پر رقمطراز ہیں :-

"غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا، کل غیب .... کوئی نہیں جانتا۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"علم غیب عطائی کو علم غیب کہنا ہی جہالت ہے۔" ۳۳۶

---

۳۳۶ :- ملخصاً از تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی مؤلفہ مولانا محمد حنیف یزدانی" ص ۴۲، ۴۵۔

ملوک و اُمراء اور سلاطین و حکّام کو تبلیغ

آج جب کبھی اور جہاں کہیں بھی اصلاحِ معاشرہ کے بارے میں کوئی بات ہوتی ہے۔ تو عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ بھئی سب سے پہلے اپنے آپ کو سدھارو، پھر اپنے اہل و عیال اور اعزّہ و اقارب کے اخلاق و کردار کو سنوارو۔ اور اس کے بعد پھر مقامی و شہری اور ملکی و قومی سطح پر معاشرے کی اصلاح کا کام شروع کرو۔"

اگر اس طریقہ کار کو اپنایا جائے تو نہ صرف مقامی و مُلکی بلکہ عالمی سطح پر اصلاح ممکن ہے۔ کیونکہ یہ منہجِ ربّانی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنایا اور آزمایا ہوا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و اصلاح کا سب سے پہلے حکم دیا تھا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ [۳۳۷]

کہ اپنے قرابت داروں کو اللہ سے ڈرائیں۔"

اور اس کے بعد تمام لوگوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ اور بالآخر حکم دے دیا، کہ پوری نوعِ انسانی کی اصلاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمّے ہے۔

جیسا کہ سورۃ سبا میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (الآیۃ ۲۸)

"اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کو تمام ہی انسانوں کے لیئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔"

اور سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷ میں فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

"اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

---

۳۳۷ :۔ سورۃ شعراء، الآیۃ ۲۱۴۔

Marfat.com

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کا مصداق بنتے ہوئے واقعی ثابت کر دکھایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری نوع بشر کے داعی و مبلغ اور مصلح اعظم تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے منہج ربانی پر عمل کرتے ہوئے پہلے اپنے گھر والوں سے اصلاح کا آغاز کیا، پھر اپنے خاندان و قبیلہ کی طرف متوجہ ہوئے اس کے بعد اپنے شہر اور گرد و نواح کے قبائل و اقوام تک دائرہ کار کو بڑھایا۔ اور بالآخر اپنے اس مقدس مشن کو اتنی وسعت دی کہ مصلح عالم کی حیثیت اختیار فرمائی۔ اور پوری دنیا کے لیے اسلام کو دینِ واحد کہہ کر پیش کیا۔

معروف صحابہ کرام حضرت بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی اور عداس نینوائی رضی اللہ عنہم وہ بزرگوار ہیں کہ جو حبشہ، یونان، ایران اور وسطِ ایشیا کی طرف سے ثمرِ اولین بن کر اسلام میں داخل ہوئے۔

اور سنہ ۷ھ کے پہلے ہی مہینے محرم کی پہلی ہی تاریخ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کی وہ کاروائی فرمائی جس کی نظیر دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے بڑے بڑے سلاطین و حکام اور ملوک و امراء کو تبلیغی مکتوبات ارسال فرمائے جن میں انہیں توحید و رسالت اور دینِ اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"اسلام سے انکار کرنے کا وبال نہ صرف اس لیے تم پر پڑے گا کہ تم نے انکار کر دیا، بلکہ تمہارے انکار کی وجہ سے چونکہ تمہاری رعایا بھی ہدایت سے رکے گی۔ لہٰذا ان کی ضلالت و گمراہی کا وبال بھی تمہیں پر پڑے گا۔ کیونکہ اس مکتوب میں تمہیں شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ سربراہِ قوم ہونے کی حیثیت سے مخاطب کیا گیا ہے۔"

جن لوگوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی و دعوتی خطوط ارسال

Marfat.com

فرمائے[۳۲۸] ان میں سے شاہِ قسطنطنیہ یا قیصرِ روم ہرقل، کسرائے فارس یا شاہِ ایران خسرو پرویز، شاہِ مصر و حاکمِ سکندریہ مقوقس، نجاشیٔ حبشہ اصحمہ بن ابجر، حاکمِ بحرین منذر بن ساوی، حاکمِ یمامہ ہوذہ بن علی، دمشق کے حاکم اور شام کے گورنر حارث بن ابی شمر غسانی، عمان کے بادشاہ جیفر جلندی اور اس کے بھائی عبد جلندی کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ان میں سے شاہِ عمان، حاکمِ حبشہ، اور فرمانروائے بحرین ایمان لے آئے۔

اور شاہِ مصر وغیرہ بعض ملوک و حکام ایمان تو نہ لائے مگر قاصدینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل احترام کیا، آپ کے مکتوبِ گرامی کو پورے اعزاز کے ساتھ شاہی خزانے میں رکھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحائف ارسال کیے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

مشہور سفید خچر یا دُلدُل شاہِ مصر نے تحفہ بھیجا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّ الولد حضرت ماریہ قبطیہ بھی مقوقس ہی کا ہدیہ تھا۔

ان میں سے صرف ایک شاہِ ایران خسرو پرویز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبِ گرامی کے ساتھ گستاخی کی، اور اُسے غصے میں پھاڑ ڈالا۔ قاصدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر واقعہ بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَزَّقَ مُلْکَہٗ : "اُس نے اپنی حکومت کا ورقہ پھاڑا ہے۔"

۳۲۸:۔ ان خطوط پر لگانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر بھی بنوائی جس کی تین سطریں اور تین ہی لفظ تھے۔ وہ چاندی کی تھی اور اس کا نقش یوں تھا (اللہ / رسول / محمد) یہ مہر والی انگوٹھی حضرت ابوبکر و عثمان و عمر رضی اللہ عنہم اپنے عہدِ خلافت میں پہنتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد کے آخر میں یہ مدینہ کے ایک کنویں "بئر اریس" میں گر گئی۔ اور تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکی۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور پُر ہیبت جملہ کا اثر دیکھیں کہ چار پانچ ہزار سال سے نصف دُنیا پر حکومت کرنے اور روم و یونان کو نیچا دکھانے والی وُہ قوم زردشت چودہ سَو برس سے تاریخ کے اوراق میں ایسی دفن ہوئی ہے، کہ آج صفحہ ہستی سے اُس کا نام و نشان مِٹ چکا ہے۔ ۳۲۹

حضرت صفیہ اور میمونہ رضی اللہ عنہما سے نکاح :-

(جمادی الاخریٰ ۷ھ میں ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین حضرت صفیہ بنت حُیَیّ سے نکاح کیا جو معرکۂ خیبر میں قیدی ہو کر آئی تھیں۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سیّدہ تھیں۔ وہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد فرما دیا۔ اور نکاح کر لیا) ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے اور دُوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہُوا تھا، جو غزوہ خیبر میں مارا گیا تھا۔ یہ پونے چار سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔ ۵۰ھ میں فوت ہوئیں۔

(اور اسی سال ۷ھ میں ہی ماہ ذوالقعدہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث سے نکاح فرمایا۔ وہ پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ اور پھر حویطب بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں اور بیوہ ہو گئی تھیں۔ ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ان کی ماں کی جانب سے بہن تھیں جن سے ۳ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور صرف تین ماہ ہی بعد وفات پا گئی تھیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے سوا تین سال خدمت نبوی میں رہیں اور ۵۱ھ میں وفات پا

۳۲۹ - مکتوبات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقول اور مضامین کی تفصیل بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث کے علاوہ درج ذیل کتب میں بھی ملاحظ فرمائیں:- الفتح الربانی ۲۲/۶۱-۱۵۷، البدایۃ والنہایۃ ۴/۲۶۳-۲۶۲، زاد المعاد ۳/۶۰-۶۳ طبع قدیم و ۳/۶۸۸ تا ۶۹۷ طبع جدید، طبری ۱/۵۶-۳، رحمۃ للعالمین ۱/۶۱-۱۴۹، و سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شبلی ۱/۲۴-۲۶۲ -

Marfat.com

فتح مکّہ اور رحمۃ للعالمینؐ کی رحم گستری

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکام و سلاطین کو خطوط ارسال فرمانے سے اتنا فائدہ ضرور ہوگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی تعلیمات، اور وحی الٰہی کی بازگشت تمام آباد دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی اور اسلام کا عام تعارف ہوگیا۔

علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ مبلغین و مصلحین صحابہ رضوان اللہ علیہم کی دعوت و تبلیغ کے اثر سے کئی ملکوں اور علاقوں کے حکمران اور والی بھی مسلمان ہو گئے۔ جن میں سے سلطنتِ غسان کے حاکم جبلہ، ملک شام کے گورنر فردہ بن عمر خزاعی دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر، قبائل حمیر کے بادشاہ اور یمن و طائف کے بعض اضلاع کے حاکم ذی الکلاع حمیری کے نام معروف ہیں۔[۳۴۰]

اتنے مختصر سے عرصہ میں اتنے زیادہ سلاطین و حکام کا اسلام لانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا وہ کرشمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا شرف ہے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح غزوات و جہاد اور دعوت و ارشاد جیسے مقدس فرائض کی بھرپور ادائیگی پر مشتمل ماہ و سال گزار رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضؓ کو اللہ تعالیٰ نے وہ دن دیکھنا بھی نصیب فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ جہاں سے یہ مٹھی بھر مسلمان شہر بدر ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔ املاک و جائیداد حتیٰ کہ بعض لوگوں کے اہل و عیال بھی وہیں چھوٹ گئے تھے۔

آخر ۸ھ کے ماہ رمضان المبارک میں قدسی نفوس افراد پر مشتمل مسلمان فوج فاتحانہ

۳۴۰۔ رحمۃ للعالمین ۱/۱۶۰ - ۱۶۱

Marfat.com

شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی۔ انہوں نے اپنے قبلہ کو مشرکوں سے آزاد کر لیا، اور بیت اللہ شریف کو بتوں کی نجاست سے پاک کر ڈالا۔

فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہؓ تھے۔ اس طرح بائبل کے سفر استثناء باب ۳۳ کی پہلے اور دوسرے فقرہ میں دی گئی بشارت بھی پوری ہو گئی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام فرما گئے ہیں:۔

"کہ خداوند سیناء سے آیا، اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔" [۳۴۱]

یہ وہ دن تھا کہ کوئی ہما شما کی طرح ہوتا تو گن گن کر بدلے لیتا۔ اسلام اور نبی اسلام کو زک پہنچانے والوں کو چن چن کر مارتا۔ کیونکہ یہی اہل مکہ وہ گردن زدن و لوگ تھے جنہوں نے نبی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو نہ صرف مکہ کے تکلیفیں دی تھیں بلکہ تین سو میل دور چلے جانے کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑا تھا ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی سلوک کرتے، روا تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا سلوک فرمایا تھا۔ اتنے خون کے پیاسے دشمنوں کو مخاطب ہو فرمایا:۔ اے قریش کے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباء واجدا پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ سب لوگ ہی حضرت آ علیہ السلام کی اولاد ہیں جنہیں مٹی سے بنایا گیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ نے سورۂ حجرات کی یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

[۳۴۱] - رحمۃ للعالمین حاشیہ ۱/۱۱۶

Marfat.com

"اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد و زن سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان و قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک تم میں سے اللہ کے یہاں سب سے زیادہ معزز و مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔"

اور آخر میں فرمایا:-

اِذۡهَبُوۡا فَاَنۡتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ۔

"جاؤ تم آزاد ہو اور آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔"

یہ خطبہ امام طبری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔[۲۴۲]

جبکہ امام قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۱۶۲/۲ طبع قدیم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن مگر حقیقی چچا حارث کے بیٹے ابوسفیان رض[۲۴۳] اور حقیقی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے عبداللہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی،

۲۴۲۔ کما فی رحمۃ للعالمین ۱۲۰/۱۔

۲۴۳۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاحِ نبویؐ۔

اُم المؤمنین حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا انہی ابوسفیان کی بیٹی ہیں۔ اُمِ حبیبہ ان کی کنیت اور رملہ نام تھا۔ ان کا پہلا شوہر عبداللہ بن جحش تھا۔ جو کہ دائم الخمر تھا اور عیسائیوں میں بیٹھ کر عیسائی ہوگیا تھا۔ یہ خود قدیم الاسلام تھیں، اور ماں، باپ، بہن، بھائیوں کو چھوڑ کر صرف شوہر کے سہارے حبشہ میں تھیں۔ ارتداد سے یہ سہارا بھی جاتا رہا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا حال معلوم ہوا تو ایک آدمی بھیج کر پیغام نکاح دیا۔ نجاشی نے مجلس نکاح منعقد کی، خطبہ پڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر دیا۔ اور تمام حاضرین کو کھانا بھی کھلایا۔

جلاء الافہام میں ابن قیمؒ نقل کرتے ہیں کہ "مدینہ میں ابوسفیان آئے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے تو حضرت اُمِ حبیبہؓ نے چارپائی سے بستر اُٹھالیا۔ اور کہا کہ یہ بستر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کوئی مشرک اس پر نہیں بیٹھ سکتا۔ یہ ابوسفیانؓ فتح مکہ سے ایک دو دن پہلے مسلمان ہوئے، اور غزوۂ حنین، طائف اور یرموک میں مسلم مجاہد کی حیثیت سے خوب استقامت دکھائی تھی ــــ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا (نکاح)

Marfat.com

ترکیب کے مطابق برادرانِ یوسف علیہ السلام کے الفاظ میں معافی مانگتے ہوئے یہ آیت پڑھی :-

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝ (سورۂ یوسف: الآیہ)

"بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت بخشی اور واقعی ہم خطاکار تھے۔"

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ دُہراتے ہوئے سورۂ یوسف کی آیت ۹۲ تلاوت فرمائی۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا" خون آشام دشمنوں کے ساتھ یہ رویّہ ؟ یہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے مظاہر ہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

(بقیہ) نکاح سنہ ۶ھ میں ہوا۔ اور چھ برس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہیں۔ اور سنہ ۶۴ھ میں وفات پا

دوسری عورتیں اور کنیزیں :-

دو عورتیں ایسی بھی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح تو کیا۔ مگر جماع کی نوبت نہ آئی۔ میں سے ایک بنی کلاب اور دوسری بنی کندہ سے تھی۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو کنیزیں تھیں جن میں سے ایک تو آپ کی اُمّ ولد ہو گئی۔ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جن کے بطن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ تھا۔ جو ۲۸ یا ۲۹ شوال سنہ ۱۰ھ الموافق ۲۷ جنوری سنہ ۶۳۲ء کو فوت ہوئے ۔ دوسری ریحانہ بنت زید تھیں۔ یہ ابن قیم کی تحقیق ہے جبکہ بعض نے ریحانہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے شادی کر لی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ ابو عبیدہ نے دو اور کنیزیں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک کا نام جمیلہ تھا، اور دوسری وہ تھی جو حضرت زینب بنت جحش نے آپ کو ہبہ کی تھی۔ (زاد المعاد ۱/۲۹)

Marfat.com

حجۃ الوداع اور تکمیلِ اسلام کی بشارت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی و دعوتی کوششوں اور مساعی مشکورہ کا اندازہ کرنے کے لیئے صرف اتنی سی بات کافی ہے کہ حج بیت اللہ تو تب سے ہوتا آ رہا ہے جب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا ہے۔ لیکن چشمِ فلک نے اتنا بڑا جمِ غفیر اور انسانوں کا بحرِ بیکراں کبھی حج کرتے نہیں دیکھا تھا۔ جتنا کہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔

۹ھ میں حج کی فرضیت نازل ہوئی، تو اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحجاج بنا کر بھیجا تاکہ وہ سب کو حج کرائیں، اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کہ وہ سورۃ براءت یا توبہ کا اعلان کر دیں۔ انہوں نے اس سورت کی پہلی چالیس آیات اور ان میں مذکور احکام پڑھ کر سنائے۔ اور لوگوں کو بتایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔

اگلے سال ۱۰ھ میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا۔ فرضیتِ حج کے نزول کے بعد یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور یہی آخری حج تھا۔ جو حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔ اس سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدانِ عرفات میں ایک لاکھ چوالیس ہزار صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کا مجمع احکامِ الٰہی کی تعمیل کے لیئے موجود تھا۔ آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر حجۃ الوداع کا وہ مشہور خطبہ ارشاد فرمایا جسے بجا طور پر "انسانی حقوق کا منشور" کہا جا سکتا ہے۔ اس تاریخی خطبے کے مضامین کی تفصیلات بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث کے باب

Marfat.com

حجۃ الوداع یا حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور بخاری شریف میں ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اسی جگہ سورۂ مائدہ کی تیسری یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

"آج میں نے تمہارے لیئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے۔ اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے۔ اور میں نے تمہارے لیئے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے"

اس طرح ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدگانِ الٰہی کے جلوہ میں حج کے اعمال سے فارغ ہو کر اپنی محنتوں کے عظیم الشان ثمر کو دیکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاداں و فرحاں مدینہ طیبہ کو روانہ ہوئے۔

اب کے جو ماہِ محرم آیا تو اس کے ساتھ ہی ۱۱ھ کا آغاز ہو گیا۔ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر شریف کے آخری رمضان المبارک (۱۰ھ) میں بیس دن اعتکاف فرمایا حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال دس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اس طوالتِ اعتکاف کی وجہ بیان کی کہ مجھے اپنی موت قریب معلوم ہوتی ہے۔ (بخاری عن عائشہ وفاطمہ رضی اللہ عنہما)

اور اس بات کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں بھی اشارہ فرما دیا تھا کہ:

"اے لوگو! شاید میں اور تم آئندہ کبھی اس مقام پر اکٹھے نہ ہو سکیں"۔ اور رحلت سے چھ ماہ قبل سورۂ نصر نازل ہو چکی تھی جس میں ارشادِ الٰہی ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ

اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۔[۳۴۴]
اس سورت کے نزول سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے تھے کہ اس میں کوچ کی طرف اشارہ ہے۔[۳۴۵]

اور آغازِ صفر ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرمادی۔ ایک دن میدانِ اُحد کو تشریف لے گئے اور شہداءِ اُحد کے لیے دُعا کی اور واپس آکر لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا:-

"لوگو! میں تم سے آگے جانے والا ہوں، اور تمہاری شہادت دینے والا ہوں، واللہ میں اپنے حوض کو یہاں سے دیکھ رہا ہوں۔"

(بخاری عن عقبہ بن عامر، کتاب المغازی)

پھر ایک رات کی نیم شبی میں جنت البقیع تشریف لے گئے اور آسودگانِ بقیع کے لیے دُعا فرمائی۔[۳۴۶]

اور علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں نقل کیا ہے کہ:

"ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ارشاد فرمایا، مرحباً مسلمانو اللہ تم کو اپنی رحمت میں رکھے، تمہاری شکستہ دلی کو دور فرمائے، تمہیں رزق دے اور تمہاری مدد فرمائے۔ تمہیں باامن وامان رکھے، میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔"

---

[۳۴۴] :- ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کی نصرت آجائے اور (حق وصداقت کو) فتح نصیب ہو جائے۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھیں گے کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کی حمد کے ساتھ ساتھ تسبیح کریں اور اس سے مغفرت مانگیں۔ یقیناً وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

[۳۴۵] :- طبرانی عن جابر، رحمۃ للعالمین ۱/۲۴۴

[۳۴۶] :- بخاری عن ابی موہیبہ مولی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

Marfat.com

اور اس خطبہ کے آخر میں فرمایا۔

"سلام تم سب پر اور اُن لوگوں پر جو بذریعہ اسلام میری بیعت میں داخل ہوں گے" [۳۳]

مرض الموت اور وصیتیں

۲۹ صفر ۱۱ھ بروز پیر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ پڑھا کر واپس تشریف رہے تھے کہ راستے میں دردِ سر شروع ہو گیا اور پھر شدید بخار آ گیا۔ یہ مرض تیرہ یا چودہ دن مسلسل رہا۔ اور بالآخر یہی بیماری "مرض الموت" ثابت ہوئی۔ اس بیماری کے پہلے گیارہ دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کے باوجود مسجد میں تشریف لا کر خود نماز پڑھاتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا آخری ہفتہ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی اجازت سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پورا کیا۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوتے تو یہ دُعا پڑھا کرتے۔ اور اپنے ہاتھوں کو جسمِ اطہر پر پھیر لیا کرتے۔

اذهبِ البأسَ ربَّ النّاسِ واشفِ أنتَ الشافی، لا شفاءَ الّا شفاءُكَ شفاءً لا یغادرُ سقماً۔

"اے نسلِ انسان کے پالنے والے، خطر کو دُور فرما دے۔ اور صحت عطا کر، شفاء دینے والا صرف تو ہی تو ہے۔ اور صرف اسی شفاء کا نام شفاء ہے جو تو عنایت کرتا ہے۔ ایسی صحت عطا فرما کہ کوئی تکلیف باقی نہ چھوڑے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت کے دنوں میں میں نے یہ دُعا پڑھی، اور اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں پر دَم کر کے چاہا کہ وہ آپ کے جسمِ اطہر

Marfat.com

پر پھیر دوں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ ہٹا لیے اور فرمایا:-

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَ الْحِقْنِی بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی -

(بخاری عن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود)

"اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔"

رحلت سے صرف پانچ دن قبل، بدھ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے کچھ افاقہ ہوا، اور آپؐ نے جب طبیعت ذرا ہلکی محسوس کی تو مسجد میں تشریف لائے اور اپنے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے فرمایا:-

"تم سے پہلے ایک قوم گزری ہے جو انبیاءؑ اور نیک لوگوں کی قبروں پر سجدے کرتی تھی، تم ایسا نہ کرنا۔"

اور فرمایا:-

یہودیوں اور نصرانیوں پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے انبیاءؑ (علیہم السلام) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔[۳۴۸]

اور فرمایا:-

میرے بعد میری قبر کو ایسا نہ بنا دینا کہ اس کی پرستش ہوا کرے۔[۳۴۹]

اور فرمایا:-

اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے جس نے قبورِ انبیاءؑ کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تمہیں منع کرتا ہوں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ اور اپنے منبر پر جلوہ افروز ہوئے۔

۳۴۸: صحیحین عن عائشہؓ بخاری ۱/۶۲ ، ۳۴۹:- مؤطا عن عطاء بن ابی یسار ص ۶۵

Marfat.com

علامہ زرقانی نے شرح المواہب (جلد ہشتم) میں نقل کیا ہے کہ منبر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری جلوہ تھا، اور اُس وقت آپؐ نے جو مختصر خطبہ ارشاد فرمایا اس میں انصارِ مدینہ کے حق میں وصیتیں فرمائیں۔ اور ان کی عزت و قدر کرنے کا حکم دیا۔

اور بخاری و مسلم شریف سے ہے کہ اُس خطبہ میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ عَبْدًا عُرِضَتْ عَلَیْہِ الدُّنیا وَزِیْنَتُھَا فَاخْتَارَ الْاٰخِرَۃَ۔

ایک بندہ کے سامنے دُنیا و مافیہا کو پیش کیا گیا، مگر اُس نے آخرت ہی کو اختیار کیا۔

(یہ اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذاتِ گرامی کی طرف ہی تھا مگر) اس امر کو صرف ابوبکرؓ ہی سمجھے۔ انہوں نے کہا، ہمارے ماں باپ، ہماری جانیں اور ہمارے مال و زر آپؐ پر نثار ہوں۔[۳۵۰]

اور رحلت سے صرف چار دن قبل بروز جمعرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لکھ کر دینے کا ارادہ فرمایا، جو پُورا نہ ہو سکا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"کہ ایک دن جب شدتِ مرض بڑھ گئی تو گھر میں اہلِ خاندان کے کئی لوگ موجود تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ھلموا اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ

"لاؤ تمہیں کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ۔"

حاضرین میں سے بعض نے کہا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدتِ درد

---

[۳۵۰]۔ الفتح الربانی ۲۱/۲۲۲

غالب ہے اور قرآن کریم تمہارے پاس موجود ہے۔ اور ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے اس پر آپس میں اختلاف ہوا۔ کوئی کہتا تھا کہ سامان کتابت لے آؤ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نوشتہ لکھ دیں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔ اور کوئی کچھ اور کہتا۔ جب یہ شور و شغب اور اختلاف رائے بڑھ گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ سب لوگ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔

اس طرح وہ نوشتہ نہ لکھا جا سکا جس میں نہ جانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لکھنا چاہتے تھے۔ اور اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین وصیتیں فرمائیں۔

۱۔ یہودیوں کو ملک عرب سے باہر نکال دیا جائے۔

۲۔ وفود کی عزت و میزبانی معمولِ نبوی کے مطابق بحال رہے۔ (بخاری عن سلیمان الاحول)

۳۔ اور قرآن کریم کے متعلق بھی وصیت فرمائی۔ (بخاری عن عبداللہ بن ابی اوفی)

اس روز مغرب تک کی چاروں نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھائیں۔ عشاء کے لیے تین مرتبہ عزم فرمایا۔ ہر دفعہ وضو کے لیے بیٹھے تو بے ہوشی طاری ہو جاتی، آخر حکم فرمایا، جسے تین مرتبہ دہرایا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائے۔[۳۵۱] اس حدیث کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ پاک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ اور نہ صرف ایک بلکہ سترہ نمازوں کی امامت کروائی۔[۳۵۲]

قارئین کرام! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحلت سے پہلے کے ہفتہ، اور بالتحدید رحلت سے صرف پانچ دن پہلے بدھ کے روز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے مخاطب ہو کر پوری امتِ مسلمہ کے افراد کو چند نصیحتیں فرمائیں۔ انہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۳۵۱:۔ بخاری ۱/۹۹ و مسلم۔

۳۵۲:۔ رحمۃ للعالمینؐ ۱/۲۴۸، امتاع الاسماع للمقریزی ۱/۵۴۸، سیرت النبی ۲/۱۷۵۔

Marfat.com

تم سے پہلے ایک قوم گزری ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتی تھی، مگر تم ایسا ہرگز نہ کرنا۔"

اس کے بعد فرمایا کہ،

"یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے انبیاء کرامؑ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔"

آگے فرمایا:۔

"میرے بعد میری قبر کو ایسا نہ بنا دیجیو کہ اس کی پرستش ہوا کرے۔"

اور آخر میں فرمایا:۔

"اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہے جس نے قبورِ انبیاءؑ کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تمہیں اس فعل سے منع کرتا رہا ہوں۔ دیکھو میں تبلیغ کر چکا ہوں۔ الٰہی تو اس بات پر گواہ رہنا۔ الٰہی تو اس بات پر گواہ رہنا۔"

اِن آخری نصیحتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا بار بار اعادہ کیا، جسے بار بار دہرایا، وہ یہ تھی کہ انبیاءؑ اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اللہ کی لعنت اور اس بات کی سخت تاکید فرمائی کہ تم نیک لوگوں اور اولیاء اللہ کی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنا ان کی پوجا نہ کرنے لگنا۔

یہ وہ باتیں ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر دہراتے رہے۔ ساری زندگی قبر پرستی جیسے شرک سے بچنے کی تاکیدیں کرتے رہے۔ قبروں کو پکا بنانے۔ ان پر عمارتیں تعمیر کر ان پر دیئے جلانے، اور ان پر مجاور بن کر بیٹھنے سے روکتے رہے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ کی اُمّت کے افراد اس شرک میں مبتلا نہ ہونے پائیں۔ اور حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں پھر بطورِ خاص قبر پرستی کے شرک سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

مگر افسوس کہ آج حُبِ مصطفےٰؐ کے دعوے کرنے اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے لگانے والے بیشمار مسلمان اس شرک میں مبتلا ہیں۔ پکی قبریں بنانے کو سعادت سمجھ

ہیں، ان پر دیئے جلانے کو واجب بنائے بیٹھے ہیں۔ ان پر مجاور بن بیٹھنے کو درجہ ولایت قرار دیتے ہیں۔ آپ حضرات خود اپنی ایمانداری سے فیصلہ کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نافرمانی کرنے والے ایسے لوگوں کو حبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرے اور دعوے بھلا کہاں تک زیب دیتے ہیں؟ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

آخری وصیتیں اور نصیحتیں

سلھ کا ماہِ ربیع الاول شروع ہوا۔ وہی ماہ ربیع جس میں ترسیٹھ برس پہلے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی وجہ سے اس جہانِ رنگ و بو میں بہار آئی تھی۔ مگر اب کے ماہِ ربیع الاول مژدۂ بہار نہیں، بلکہ پیغامِ خزاں لے کر آیا تھا۔ اس کے شروع ہونے سے پہلے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے۔ وس یا گیارہ ربیع الاول تک آتے آتے نقاہت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سے چل بھی نہیں سکتے تھے۔ ہفتہ یا اتوار کا دن تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں نمازِ ظہر کی جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔

بخاری و مسلم شریف میں یہ واقعہ موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اپنے چچیرے بھائی و داماد حضرت علی رضی اللہ عنہم کے کندھوں کا سہارا لیے مسجد میں تشریف لے آئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو بلکہ نماز پڑھاتے رہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک جانب بیٹھ کر نماز میں شامل ہو گئے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے تھے۔ اور باقی سب لوگوں نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی تکبیروں پر

Marfat.com

نماز ادا کی۔ [۳۵۳]

رحلت سے صرف ایک دن پہلے اتوار کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام غلام آزاد فرما دیئے۔ جن کی تعداد چالیس اور بعض روایات کے مطابق تریسٹھ تھی۔ گھر میں نقد صرف سات دینار موجود تھے۔ وہ غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیئے اور آلاتِ حرب مسلمانوں کو ہبہ فرمائے۔ (بخاری عن عمرو اخی جویریہ)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی مالی حالت یہ تھی، اُس دن کی شام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چراغ کے لیئے تیل پڑوسن سے عاریتاً منگوایا۔

اور بخاری شریف میں مذکور ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ (ذرع) وفات کے وقت بھی ایک یہودی کے پاس گروی پڑی تھی جس کے عوض گھر والوں کے لیئے تیس صاع جو لیئے تھے۔ رات گزر گئی۔ ۱۲ ربیع الاول بروز پیر کی نماز فجر کا وقت آیا۔ مسجد نبوی میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں جماعت کھڑی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پردہ اُٹھایا جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ اور مسجد میں حدِ فاصل تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے باجماعت نماز پڑھنے کا منظر ملاحظہ فرماتے رہے۔ جس سے رُخِ انور پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

اس وقت بھی جمالِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک "ورقِ قرآن" معلوم ہوتا تھا۔ [۳۵۴] - [۳۵۵]

۳۵۳:۔ صحیحین، بخاری ۱/ ۹۸-۹۹ و مسلم۔ ۳۵۴:۔ بخاری و مسلم، الفتح الربانی ۲۱/ ۲۳۱-۴۲

۳۵۵:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو ورقِ قرآن قرار دینا کس قدر تعجب انگیز اور پاکیزہ و مقدس تشبیہ ہے ورق قرآن پر طلائی کام ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رُخ زیبا اور چہرۂ تابان پر زردی مرض چھائی ہوئی (باقی)

Marfat.com

جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا شوقِ دیدار اور فرحت کی بیتابی سے یہ حال ہوگیا کہ جیسے رُخِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوجائیں گے۔ حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں آنے کا ارادہ ہے۔ وہ جا نمازِ امام سے پیچھے ہٹنے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اشارہ فرمایا کہ پیچھے مت ہٹو بلکہ نماز پڑھاتے رہو۔ یہی اشارہ تمام صحابہؓ کی تسکین کا موجب بنا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپؐ نے پردہ گرا دیا۔ اور یہ نماز بھی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے مکمل فرمائی۔ [۳۵۶]

اور اس کے بعد رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی دوسری نماز کا وقت ہی نہیں آیا۔

صحیح بخاری و مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

"جب دن چڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ اور ان کے کان میں سرگوشی کی تو وہ رونے لگیں۔ اور جلد ہی بعد پھر ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے لگیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"میں نے حضرتِ زہراء رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے رازداری کے ساتھ کیا فرمایا تھا؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ راز فاش نہیں کرنا چاہتی (اس طرح وقتی طور پر یہ بات آئی گئی ہوگئی) پھر رحلتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن سرگوشیوں میں کیا راز تھا کہ پہلے آپ روئیں، اور پھر ہنسیں؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، لیجئے اب

(باقی) لہٰذا تابانی و رنگِ مرض کو طِلاء سے اور تقدس کو قرآن سے تشبیہ دے کر چہرۂ انور کو "ورقِ قرآن" گردانا ہے۔

[۳۵۶] ۔ صحیحین بخاری ۱/۹۸، ۹۹ و مسلم۔

Marfat.com

میں وہ بھید آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ سرگوشی کے انداز میں مجھے بتایا تھا کہ میرا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا اور صبر سے کام لینا۔ فراق و وفات کی یہ باتیں سُن کر میں رونے لگی۔ اور دُوسری مرتبہ مجھے سیدہ نساء اہل الجنۃ یا سیدہ نساء المؤمنین، اور مسلم شریف کی ایک حدیث کے مطابق سیدۃ نساء ھٰذہ الامۃ یعنی خاتونِ جنّت ہونے کی بشارت دی۔

اور بخاری کی ہی ایک حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی تکلیف کے دَوران میری رُوح قبض کرلی جائے گی، تو میں رو دی۔ اور جب دُوسری مرتبہ فرمایا۔

إِنِّی اَوّل اھل بیتہٖ أتبعُہٗ فضحکتُ۔ [۳۵۷]

"کہ میں اہل بیت میں سے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گی تو میں ہنسنے لگی۔"

اور اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کو "سیدۃ نساء العالمین" ہونے کی بشارت بھی دی۔ [۳۵۸]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ:

"اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، دونوں کو پیار سے چوما، اور پھر ان کے احترام کی وصیت فرمائی۔"

اور علامہ زرقانی نے ابن سعد کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ان کے بعد آپ صلی اللہ

---

[۳۵۷] تفصیل کے لیئے دیکھئے مشکوٰۃ شریف تحقیق الالبانی ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، شرح السنۃ بغوی تحقیق الارناؤد ۱۰/۱۶۰، ۱۶۱، الفتح الربانی ۲۲/۹۲، ۹۳، رحمۃ اللعالمین ۱/۱۲۹۔

[۳۵۸] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو اور بشارت آخری دن نہیں، بلکہ آخری ہفتے کا واقعہ ہے۔ (رحمۃ اللعالمین ۱/۱۲۹ حاشیہ)

Marfat.com

علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو بُلایا اور انہیں نصیحتیں فرمائیں۔[۲۵۹]

آخری لمحات اور سانحہ ارتحال

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے "رفیقِ اعلیٰ" کی طرف انتقال سے تھوڑا قبل جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی۔

الصلاۃ، الصلاۃ، وما ملکت ایمانکم۔[۲۶۰]

"نماز کا خاص خیال رکھنا، نماز کا خاص خیال رکھنا، اور ان لوگوں کا بھی خیال رکھنا جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وصیت کو کئی بار دہرایا۔ اور اس کے بعد ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع کی حالت طاری ہو گئی۔ اس وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دیتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پسِ پشت اس طرح بیٹھی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ اقدس ان کے سینے پر تھا۔

بخاری شریف میں ہے کہ:۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے ان آخری لمحات میں حضرت صدیق رضی اللہ

۲۵۹:۔ زرقانی جلد ہشتم میں یہ بھی مذکور ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا، ان کا سر اپنی گود میں لے لیا۔ اور ان کو بھی نصیحت فرمائی (رحمۃ للعالمین ۲۵۰/۱)
اس روایت کی سند میں دو راوی واقدی اور حزام بن عثمان ہیں جو کہ دونوں ہی متروک ہیں۔
اس طرح اس روایت کی اسنادی حیثیت مخدوش ہو گئی۔

۲۶۰:۔ بخاری ۶۳۷/۲۔

Marfat.com

عنہ کے بیٹے اور حضرت صدیقہ رض کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہم) آگئے ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک پر نظر ڈالی۔ حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں، میں سمجھ گئی کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثبات میں سرِ اقدس کو ہلایا۔ میں نے عبدالرحمٰن رض سے مسواک لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ مگر نقاہت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چبائی نہیں جا رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔ اگر ارشاد ہو اور پسند فرمائیں تو میں نرم کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے اشارے سے ہاں فرمایا تو میں نے (اپنے دانتوں سے) مسواک چبائی اور نرم کر کے دی تو آپ نے اچھی طرح مسواک کی اس وقت پانی کا پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں ہاتھ ڈبوتے اور اپنے چہرۂ انور پر پھیر لیتے۔ ان آخری لمحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک کبھی سُرخ ہو جاتا، اور کبھی زرد پڑ جاتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان مبارک سے بار بار یہ فرماتے۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ۔ [۳۶۱]

"اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے۔ بیشک یہ سکرات الموت (سب کے لیئے) ہیں۔"

نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری وقت قریب آگیا۔ جب آپ مسواک فرما چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک کو اُٹھا کر انگشتِ شہادت سے آسمان کی طرف اشارہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں اُوپر کو جم گئیں۔ اور ہونٹ ہلنے لگے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض نے کان لگا کر سُنا تو آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے آخری کلمات یہ تھے۔

---

۳۶۱ ۔ بخاری ، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/۶۴۰۔

مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین و الشھداء والصالحین ۔ اللھم اغفرلی وارحمنی۔

(اے اللہ) ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔ اے اللہ مجھے بخش دے۔ اور مجھ پر رحم فرما۔

اور آخر میں تین مرتبہ فرمایا ۔

والحقنی بالرفیق الاعلیٰ، اللھم الرفیق الاعلیٰ۔[۳۶۲]

اے اللہ مجھے رفیق اعلیٰ کے ساتھ ملا دے۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھایا ہوا دستِ مبارک گر گیا اور جسم اطہر سے روحِ انور پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

وَلَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخَالِدُوْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ نے سچ ہی فرمایا ہے کہ اے نبیؐ! ہم نے آپ سے پہلے (بھی) کسی فرد بشر کو دائمی زندگی نہیں عطا کی۔ اگر آپؐ فوت ہو گئے تو کیا دوسرے ہمیشہ رہیں گے؟

عظیم مفسر و مورخ امام طبری و ابن کثیر اور مقریزی و ابن سعد اور ماضی قریب کے محقق سیرت نگار علامہ منصور پوری رحمہم اللہ جیسے علماء کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ربیع الاول ۱۱ھ الموافق مئی ۶۳۲ء (اور صحیح بخاری شریف کے مطابق) بروز پیر کو چاشت کے وقت رحلت فرمائی۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف قمری یا ہجری کیلنڈر کے حساب سے تریسٹھ سال اور چار دن تھی۔[۳۶۳]

---

[۳۶۲] ۔ بخاری، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۲/ ۶۴۰، باب آخر ما تکلم النبیؐ ۲/ ۶۳۸-۳۹ ۔

[۳۶۳] ۔ طبری ۱/ ۵۴۴، الفصول فی اختصار سیرت الرسول لابن کثیر ص ۱۹۶، امتاع الاسماع للمقریزی ۱/ ۵۴۸، طبقات ابن سعد ۱/ ۵۲۴، رحمۃ للعالمین ۱/ ۲۵۱ ۔

Marfat.com

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دل فگار و جگر پاش واقعہ کا اثر اہلِ بیتِ رسولؐ کے علاوہ عام صحابہ کرام رضؓ پر بھی بڑا گہرا پڑا۔ جو صرف ایک ہی مثال سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

ابن ہشام (۲۲۴/۴) نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ (جیسے شیر دل اور صاحبِ جلال شخص) کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، بلکہ سراسیمگی کے عالم میں فرمانے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح چالیس دن کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس گئے ہیں۔ جیسے وہ تورات لینے کے لیے طورِ سینا پر گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آجائیں گے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں، اُن کی گردنیں مار دیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمے کا اثر دیکھیں کہ فاروقِ اعظم جیسا مدبّر انسان ہوش کھو بیٹھا ہے۔

بخاری شریف میں مذکور ہے کہ :۔ اتنے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا، جبینِ اقدس کو بوسہ دیا، آنسو بہائے اور فرمایا:۔

بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ، لَا يجمع الله عليكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا المَوْتَةُ الَّتِيْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مِتَّهَا۔ [۳۶۴]

"میرے ماں، باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فدا ہوں، اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو موتیں وارد نہیں کرے گا۔ یہی ایک موت تھی جو آپؐ پر لکھی ہوئی تھی۔ اور آ گئی ہے۔"

نبی مکرم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانکاہ حادثۂ وفات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

۳۶۴:۔ بخاری عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، الفتح الربانی ۲۱/۲۵۰۔

کی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کہا :-

یا اَبَتَاہُ اَجاب ربّاً دعاہ۔ پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول فرمالیا۔

یا اَبَتَاہُ اِلیٰ جنّۃِ الفِردوس مأواہ۔ والدِ گرامی نے فردوسِ بریں میں نزول فرمالیا۔

یا اَبَتَاہُ الی الجبریلَ ننعاہ : ہم اپنے والدِ گرامی کی تعزیت جبرائیل سے کریں گے۔

آگے فرمایا :-

یا الٰہی روحِ فاطمہؓ کو روحِ محمد کے پاس پہنچا دے (صلی اللہ علیہ وسلم)

یا الٰہی مجھے دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مسرور کردے۔

یا الٰہی اس مصیبت کے ثواب سے تو مجھے بے نصیب نہ رکھ اور روزِ محشر مجھے شفاعتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محروم نہ فرما۔

زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دلفگار موقع پر کہا۔

صد افسوس ! وہ نبیؐ جس نے فقر کو غنا پر، اور مسکینی کو تونگری پر ترجیح دی۔

صد افسوس ! وہ نبیؐ دین پرور، جو امت کی فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا۔

جس نے ہمیشہ استقامت و استقلال سے نفس کے ساتھ محاربہ و مقابلہ کیا۔

جس نے منہیات کو لمحہ بھر بھی نگاہِ التفات سے نہ دیکھا۔

جس نے بر و احسان کے دروازے اربابِ فقر و احتیاج پر کبھی بھی بند نہ کیے۔

جس کے ضمیرِ منیر کے دامن پر دشمنوں کی تکلیفوں اور ایذاؤں کا ذرہ بھر بھی غبار نہ بیٹھا۔

صد حیف ! وہ کہ جس کے موتیوں جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے۔

جس کے رخِ انور کو زخمی کیا گیا۔ آج وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔[۳۶۵]

---

[۳۶۵] مدارج النبوۃ بحوالہ رحمۃ اللعالمین ۲۵۱/۱

وفاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

غسل اور تکفین و تدفین

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمہ کی وجہ سے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سراسیمگی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین نہ آنے کا واقعہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اِسی کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں سنیں، اُن کی حالت دیکھی، تو فرمایا:۔

"عمرؓ! بیٹھ جاؤ، مگر وہ غم و کرب سے اس قدر مغلوب تھے کہ بیٹھنے سے انکار کر دیا! حضرت صدیقؓ کو اپنے سامنے پاکر صحابہ کرامؓ اُن کی طرف لپک آئے۔ تب انہوں (صدیقؓ) نے وفاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ جو بخاری شریف میں یوں مذکور ہے۔ حمد و ثناء کے بعد فرمایا:۔

مَن کان منکم یعبدُ محمدًا فاِنَّ محمدًا قد ماتَ ومن کان منکم یعبدُ اللّٰہَ فانَّ اللّٰہ حیٌّ لا یموت۔

"تم میں جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا (وہ سمجھ لے) وہ تو وفات پا گئے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ زندہ ہے اُسے ہرگز موت نہیں آئے گی۔"

اور اس کے بعد سورۂ آلِ عمران کی یہ آیت (۱۴۴) تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ

Marfat.com

فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا وَ سَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ ۝

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تو ایک رسول ہیں۔ اُن سے پہلے بھی کتنے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو کوئی اُلٹا پھرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ البتہ جو اللہ کے شکر گزار بن کر رہیں گے، انہیں وہ اِس کی جزاء دے گا۔"

بخاری شریف میں ہی حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:-

"بخدا جب میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے سُنا تو میری ٹانگوں میں سکت نہ رہی، میرے پاؤں میرا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہو گئے اور مجھے یقین آگیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔"[۳۶۶]

الغرض بارہ ربیع الاوّل کو خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اشکبار ہیں۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سراسیمہ و پریشان بلکہ سرگرداں ہیں۔ اہلِ بیت پر مصیبتوں کا پہاڑ آگرا۔ ازواجِ مطہرات بحرِ غم میں ڈوبی ہوئی ہیں۔ صحابۂ رسول کا یہ عالم ہے کہ مدینے کی گلیوں میں کہرام مچا ہوا۔ ایک وہ لوگ تھے، اور ان کی یہ حالت!

اور آج کا عاشقِ رسول و فدائے مصطفےٰ ہے کہ اسی بارہ ربیع الاوّل یا بارہ وفات کو جشن مناتا ہے۔ خدارا کچھ تو عقل و فکر سے کام لیں۔

اور یاد رہے کہ اُمّتِ اسلامیہ میں سب سے پہلا اختلاف یہی رُونما ہوا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں یا زندہ ہیں؟ اور قرآن پاک سے استدلال کرتے ہوئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح کر دیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں جیسے حضرت

۳۶۶:- بخاری ۲/ ۶۴۰-۶۴۱ ۔

عمرؓ رضی اللہ عنہ سمیت صحابہ کرامؓ رضی اللہ عنہم نے تسلیم بھی کر لیا تھا۔ اس طرح سب سے پہلے تمام صحابہ کرامؓ کا جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق ہوا وہ یہی تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔

اس اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے باوجود اگر کوئی شخص آج یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو ایسا شخص گویا قرآن کی آیات کا انکار کرتا ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی قرآن فہمی بلکہ اُن کی عقل و دانش پر بدظنی کا ارتکاب کرتا ہے۔

الغرض پیر کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کا کام اگلے دن منگل کو شروع ہوا۔ اس تاخیر کی متعدد وجوہات ہیں۔ مثلاً:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ناگزیر واقعہ پر عدم یقین۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا خطاب۔ اور حضرت فاروق رضؓ سمیت تمام صحابہؓ کا اس امرِ حق پر یقین۔

ثقیفہ بنی ساعدہ میں امرِ خلافت کا واقعہ، اور

خلیفۂ بلافصل حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت عام، اور غروبِ آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین کے لیے وقت کا ناکافی ہونا وغیرہ

لہٰذا منگل کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔ حضرت فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے پردہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے غسل دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موقعہ پر موجود تھے۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بھی پردہ کیا۔ غسل دینے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سوتی کپڑے کی چادروں میں کفن دیا گیا۔

بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔[۳۶۷]

غسل اور کفن سے فارغ ہوئے تو سوال پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کہاں کیا جائے۔ تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے:۔ لن یُقبر نبیٌّ الاحیث یموت [۳۶۸]

"کوئی نبی جہاں بھی فوت ہوا سے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔"

لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مرگ کے مقام پر ہی قبر کھودنا تجویز ہوا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے لحد والی قبر کھودی۔ جنازہ تیار ہو گیا۔ جو حجرہ کے اندر ہی رکھا تھا۔ لہٰذا پہلے گھر والوں اور اہل خاندان نے، اور پھر مہاجرین و انصار مردوں، عورتوں اور بچوں نے نماز جنازہ ادا کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ میں امام کوئی نہ تھا۔ حجرہ کی تنگ دامانی کی وجہ سے دس دس شخص اندر جاتے اور نماز پڑھ کر نکل آتے۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا۔ اس لیئے تدفین مبارک منگل اور بدھ کی درمیانی رات کو یعنی رحلت سے تقریباً بتیس گھنٹے بعد عمل میں آئی۔ [۳۶۹]

ابوداؤد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے قبر شریف میں اتارا تھا۔ [۳۷۰]

اللّٰھم صل وسلم و بارك علٰی عبدك ورسولك رحمۃ للعالمین وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین ٥

---

[۳۶۷]۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سید سلیمان ندوی رح ۲/۱۸۵

[۳۶۸]۔ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مسند ابی یعلٰی اور البدایۃ والنہایۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ تفصیل کے لیئے دیکھیئے الفتح الربانی مع بلوغ الامانی ۲۱/ ۲۵۵-۵۶

[۳۶۹]۔ رحمۃ اللعالمین ۱/۲۵۳

[۳۷۰]۔ مرض الموت، امر خلافت، غسل اور تکفین و تدفین مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلات کے لیئے (باقی

Marfat.com

قارئین کرام: رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا یہ ایک انتہائی مختصر ساخاکہ تھا جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے، وَرنہ بقول شاعر ؎

وَرق تمام ہُوا ، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لیئے

(باقی والا) بخاری ومسلم باب مرض النبیؐ اور وفات النبیؐ وغیرہ ۔ اور البدایۃ والنہایۃ ۲۲/۲۲۳ – ۲۷۲ ، طبری ۱/۵۱۵ تا آخرکتاب (جزء اوّل ص ۵۴۴ ، طبقات ابنِ سعد ۱/۳ – ۲۳ الفتح الربانی ۲۱/۲۲۲ تا ۲۶۰ ، ابن ہشام ۴/ ۳۶ – ۲۱۲ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حصّہ دوم

تذکارِ صحابہ و مناقبِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم

کسی شخصیت کی سیرت کے صحیح خدوخال جاننے میں مدد دینے والی ایک چیز یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے دوست واحباب اور اہلِ خشا کے حالات بھی معلوم ہوں ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس اعتبار سے بھی نہایت بلند معیار والی ہے جس کا معمولی سا ثبوت عنوانِ بالا کے تحت آنے والے خلفاء و صحابہ اور اہلِ بیتِ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مختصر تذکار اور فضائل ومناقب سے ہی مل جائے گا۔

Marfat.com

مقامِ صحابیت و شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اور سب و شتم پر وعیدِ شدید

جس ہجرت نے تاریخِ اسلام کا دھارا موڑ کر رکھ دیا، اس موقعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا قربانیاں دیں؟ ان کی تفصیلات بڑی ہی ایمان افروز ہیں۔ مگر کس کس کا کیا ذکر کریں۔ اُن انسانی فرشتوں نے جب "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پڑھا۔ پھر اپنی دولت اور احباب و اولاد تو کیا، اپنی جانیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کر دیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتے تھے۔ وُہ اپنی قربانی یادِ الٰہی میں شب بیداریوں اطاعتِ الٰہی اور اتباع و حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت ہی بلند درجات پر فائز ہوئے۔

ہم مجموعی طور پر مقامِ صحابیت اور شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ آیات احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہر وُہ شخص جس نے ایمان حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا۔ اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ بھی ہوا۔ ایسے سعادت انسان کو "صحابی" کہا جاتا ہے۔ یہ شرفِ صحابیت اتنا بلند مقام ہے کہ قرآن و سنت میں بس بہت ہی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ سورۃ توبہ آیت ۱۰۰ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

• مہاجرین و انصار (صحابہؓ) میں سے سب سے پہلے (اسلام کی طرف) سبقت

کرنے والے، اور وُہ لوگ جو خلوص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ اور وُہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ اور (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیۓ ایسی جنّتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔"

اور سُورۂ فتح کا کثیر حصّہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے۔ پہلی اور دُوسری آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں ارشادِ الٰہی ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

"ہم نے آپؐ کو فتحِ مُبین عطا فرمائی تاکہ اللہ (تعالیٰ) آپؐ کے پہلے اور پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے۔ اور آپؐ پر اپنی نعمت کو مکمل کر دے۔ اور صراطِ مستقیم کی ہدایت سے نوازے۔"

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اور مسندِ احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پر اس آیت کا نزول ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، آج رات مجھ پر وُہ آیت نازل ہُوئی ہے جو میرے لیۓ رُوئے زمین کی تمام دولت سے بھی زیادہ محبُوب و عزیز ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ الخ) صحابہؓ کو سُنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کو انہوں نے مُبارکیں دیں۔ اور ساتھ ہی پُوچھا کہ یہ تو آپؐ کے لیۓ ہے، ہمارے لیۓ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت ۵ نازل کر کے فرمایا:۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُکَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ ؎۳۷۱

"تاکہ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے گناہوں کو ختم کرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم کامیابی ہے۔"

اور جب ذوالقعدہ سنہ ۶ھ میں مقام حدیبیہ پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ قریشِ مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے تو ان کے خون کا بدلہ لینے کے لیئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ آنے والے چودہ سو صحابہؓ سے بیعت لی۔ اس بیعت میں شرکت کرنے والے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح کی آیۃ ۱۸ میں فرمایا:۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

"اللہ تعالیٰ ان ایمان والے (صحابہؓ) سے راضی ہوگیا جو (ببول کے) درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔" ؎۳۷۲

اور اسی بیعتِ رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہؓ کے بارے میں صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور مسند احمد میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

لَا یَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ بَایَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ؎۳۷۳

"ان صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کوئی ایک شخص بھی نارِ جہنم میں (ہرگز) داخل نہ ہوگا، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔"

اور سورۃ فتح کی آخری آیت میں صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا

Marfat.com

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ٥

• اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہؓ کفار کے لیئے سخت اور آپس میں بڑے نرم اور مہربان ہیں۔ آپ انہیں رکوع و سجود کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ جس کے ذریعے وہ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں، (سجدوں کی) نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں۔ ان کے یہ اوصاف تورات اور انجیل میں مذکور ہیں۔ ان کی مثال اُس کھیتی کی طرح ہے جس نے پہلے انگوری نکالی پھر مضبوط ہوئی۔ اور اپنی بالیوں پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ جو کسان کو تو بھلی لگتی ہے، مگر کفار اس کی وجہ سے جلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔[۳]

اگر صرف انہی آیات پر غور کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اتنے بلند مرتبہ کے سعادتمند اولیاء اللہ۔ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض و کینہ رکھنا۔ انہیں برا بھلا کہنا، اور لعن وطعن کرنا، کم از کم کسی مسلمان سے تو نہیں ہو سکتا جبکہ مزید برآں صحیح بخاری شریف کی ایک حدیثِ قدسی میں ارشادِ الٰہی ہے۔

۳۱۔ مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی ۴/۲۹، سورہ فتح کی آیت ۳، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور آیت ۴، صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔

۳۲۔ آیت ۱۸ مکمل، اور ۱۹، ۲۰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکرِ جمیل ہے۔

۳۳۔ الفتح الربانی ۲۱/۱۰۸

Marfat.com

مَنْ عَادَلِیْ وَلِیّاً فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ (عن ابی ھریرۃ مرفوعًا)

"جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، اس کے لیے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔"

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے بڑا ولی اور کون ہو سکتا ہے؟

صحیح بخاری و مسلم شریف میں ارشادِ نبوی ہے:۔

لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْاَنْفَقَ اَحَدُکُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَانَصِیْفَہٗ ۔ [۳۷۴]

"میرے صحابہؓ کو گالیاں مت دو۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی راہِ اللہ خرچ کرے تو صحابہؓ کے ایک مٹھی دانے صدقہ کرنے بلکہ اس سے آدھے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔"

اور طبرانی میں ارشادِ نبوی ہے:۔

مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ، فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ [۳۷۵]

"جس (شخص) نے میرے صحابہؓ کو گالیاں دیں، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔"

ایک اور حدیث میں ہے:۔

مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَقَدْ سَبَّنِیْ، وَمَنْ سَبَّنِیْ فَقَدْ سَبَّ اللّٰہَ ۔ [۳۷۶]

---

[۳۷۴]۔ رواہ الشیخان والاربعہ واحمد فی مسندہ، الفتح الربانی ۲۲/۱۶۹-۷۰، مشکاۃ ۳/۱۶۹۴

[۳۷۵]۔ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ، البانی طبع المکتب الاسلامی (۱۶۸۵)

[۳۷۶] آگے

Marfat.com

"جس نے میرے صحابہؓ کو گالیاں دیں، اُس نے مجھے گالیاں دیں۔ اور جس نے مجھے گالیاں دیں، اس نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں"۔ [۳۷۷]

مذکورۃ الصدر آیاتِ قرآنیہ اور ان احادیثِ نبویہؐ کے پیشِ نظر اہلِ علم نے صحابہ کرامؓ کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا کفر قرار دیا ہے۔

(باقی) [۳۷۶]۔ عن انس مرفوعاً کما فی تطہیر الجتمعات ص ۲۷۴ طبع قطر

[۳۷۷]۔ ترمذی شریف و مسند احمد کی ضعیف حدیث میں ہے۔

اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِی اَصْحَابِیْ، لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِن بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ۔

"اللہ سے ڈرو اور میرے صحابہؓ کو میرے بعد (لعن وطعن کا) نشانہ مت بناؤ" (اور فرمایا) جس نے ان کے ساتھ محبت رکھی، اُس نے میرے ساتھ محبت رکھی۔ اور جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اُس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا۔"

تو گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض یا محبت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض و محبت کی علامت ہے۔

اور ارشاد فرمایا:۔

مَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ، وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ اَوْشَكَ اَنْ یَّاْخُذَہٗ۔

"جس نے میرے صحابہؓ (کو) اذیت پہنچائی، اُس نے مجھے اذیت پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اُس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی، تو اللہ اُسے ضرور پکڑے گا" (الفتح الربانی ۲۲/۱۶۹، والترمذی) مگر یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ شروع میں ہی ذکر گزرا ہے۔

Marfat.com

شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے الصارم المسلول میں نقل کیا ہے کہ :-

"فقہاءِ کوفہ نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالی دینے والے کو قتل کرنے اور رافضہ کو کافر قرار دینے کا قطعی فتویٰ دیا ہے۔

محمد بن یوسف فریابی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا : " وہ کافر ہے ، اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ نہ ہاتھ لگایا جائے گا۔ بلکہ اسے کسی لکڑی کے ذریعے گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا جائے

قاضی ابویعلی نے کہا ہے :-

فقہاء کے نزدیک جو شخص حلال سمجھ کر صحابہؓ کو گالی دے ، وہ کافر ہے ، اور جو حلال تو نہ سمجھے مگر گالی دے وہ فاسق ہے۔

اور اپنا فیصلہ دیتے ہوئے امام ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں :-

"جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا یا نبی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام غلطی سے وحی و رسالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گئے تھے ، اور صحابہؓ کو گالی دے وہ کافر ہے۔ اور اسے کافر کہنے میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم کو ناقص قرار دے یا باطنی تاویلات کا زعم رکھے ، جیسا کہ قرامطہ ، باطنیہ اور تناسخیہ کا خیال ہے تو وہ بھی کافر ہے۔ جو شخص صحابہؓ پر بخل بزدلی ، کم علمی اور عدمِ زہد کا الزام لگائے وہ کافر تو قرار نہیں دیا جائے گا۔ مگر وہ سزاوارِ تعزیر ہے۔ مطلق لعن طعن کرنے والوں میں سے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دس پندرہ صحابہؓ کے سوا باقی سب مرتد یا فاسق ہو گئے تھے تو وہ بھی کافر ہے۔ اور ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ الغرض گالی دینے والوں میں سے کچھ صاف کافر ہیں۔ بعض کے کفر میں تردد کیا گیا ہے ، اور بعض پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔" [۳۷۸]

[۳۷۸] : الصارم المسلول بحوالہ تطہیر الجنجمات ص ۲۰۴ - ۲۰۵ ، مختصراً۔

Marfat.com

مقامِ صحابہؓ

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیئے یہی شرف کیا کم ہے کہ انہوں نے حالتِ ایمان واسلام میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انوار کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ وُہ چہرۂ انور و رخ زیبا کہ جس کا ایمان کی حالت میں دیکھ لینا اُخروی فوز و فلاح اور نارِ جہنم سے نجات کا ضامن ہے بلکہ اس چہرہ مُبارک کی زیارت کا اثر تو یہاں تک ہے کہ جو شخص کسی صحابی کا چہرہ دیکھ لے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور بحالتِ ایمان دیکھا ہو) اس کی بھی آگ سے نجات ہوگئی۔

جیسا کہ ترمذی شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

لَا تَمَسَّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِیْ اَوْرَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ۔ [۳۷۹]

"اس مُسلمان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا۔ یا اُسے دیکھا، جس نے مجھے دیکھا۔"

اور بخاری و مسلم میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ:۔

"لوگوں پہ وُہ زمانہ بھی آئے گا جب مسلمانوں کی ایک جماعت (کسی قوم پر) حملہ آور ہوگی۔ وُہ کہیں گے کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو؟ وُہ کہیں گے ہاں! تو انہیں صرف اتنی سی بات پر فتح حاصل ہوگی۔ پھر وُہ دَور آئے گا کہ غازی جماعت سے پُوچھا جائے گا۔ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے کسی صحابی رسُولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو؟ وُہ کہیں گے ہاں: تو انہیں بھی فتح حاصل ہو جائے گی۔ اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ غازیوں سے پوچھا جائے گا۔ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے کسی تابعی (جس نے کسی صحابیؓ" کو دیکھا ہو) کو دیکھا ہو؟ جب وُہ کہیں گے ہاں تو انہیں بھی فتح مل جائے گی۔ [۳۸۰]

---

[۳۷۹]:۔ بحوالہ مشکاۃ ۳/ ۱۲۹۵-۹۶، ونقل الالبانی تحسینہٗ۔ [۳۸۰]:۔ مشکاۃ شریف ۳/ ۱۲۹۴۔

Marfat.com

اور مسلم شریف میں تو یہاں تک ہے کہ:۔

"چوتھی جماعت سے پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے تبع تابعین (جنہوں نے تابعین کو دیکھا ہو) میں سے کسی کو دیکھا ہو تو اس جماعت میں ایسا ایک آدمی مل جائے گا، اور انہیں اس آدمی کی وجہ سے فتح حاصل ہو جائے گی"۔ [۳۸۱]

اور قدسی نفوس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ؐ

خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ۔ [۳۸۲]

"میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (یعنی تابعین) ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (یعنی تبع تابعین) ہیں"۔

نسائی و مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اسی مفہوم کی ایک حدیث ہے جس کے ابتدائی میں ارشادِ نبوی ؐ ہے:۔

اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَظْھَرُ الْکِذْبُ۔ [۳۸۳]

"میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کا احترام و اکرام کیا کرو۔ کیونکہ وہ تم سب سے بہتر لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (تابعین) ہیں۔ اور پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (تبع تابعین) ہیں۔ ان کے بعد پھر جھوٹ عام ہو جائے گا"۔

---

[۳۸۱]۔ مشکاۃ شریف ۳/۱۶۹۵

[۳۸۲]۔ متفق علیہ مشکاۃ ۳/۱۶۹۵

[۳۸۳]۔ مشکاۃ ایضاً وصححہ الالبانی۔

Marfat.com

مقام و مرتبہ شہادت اور بین و نوحہ خوانی

اسلامی سالِ نو اپنے ساتھ جو یادیں لاتا ہے، انہیں میں سے تاریخِ اسلام کا ایک انتہائی اندوہناک سانحہ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ اس مناسبت سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں شہادت کے مقام و مرتبہ کی وضاحت قرآن و سنت کی روشنی میں کر دی جائے۔

چنانچہ قرآن کریم کے ایک دو نہیں بکثرت مقامات پر جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت اور مقام و مرتبۂ شہادت کی رفعت و منزلت بیان ہوئی ہے۔ آپ مترجم قرآن پاک اٹھائیں۔ اور زیادہ نہیں تو کم از کم سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۴، ۱۹۰، ۲۱۸۔ سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۵۷، ۱۶۹ تا ۱۷۷۔ سورۂ نساء کی آیات ۷۴ تا ۹۵۔ سورۂ انفال کی آیت ۷۴، سورۂ توبہ کی آیات ۲۰، ۴۱، ۱۱۱۔ اور سورۂ حج کی آیت ۵۸ کی تلاوت کریں۔ اور ان کا ترجمہ دیکھیں، کہیں فرمایا ہے: "فی سبیل اللہ شہادت پانے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں اس زندگی کا شعور نہیں۔"

کہیں "انہیں رحمتِ الٰہی کے امیدوار فرمایا۔" اور کہیں "رحمت و بخشش کو ان کا مقدر بتایا ہے۔" اور کہیں فرمایا ہے کہ "انہیں اللہ کی طرف سے رزق دیا جائے گا۔ وہ اللہ کے فضل و احسان اور نعمت و کرم پر خوش ہوں گے انہیں کوئی غم یا خوف نہیں ہو گا ان کے لیے اجرِ عظیم اور بلند درجات ہیں۔ انہیں ہمیشہ کے لیے رضائے الٰہی اور دائمی جنت کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔"

ان قرآنی آیات کے علاوہ بے شمار احادیث میں بھی جہاد و مجاہدین، اور شہادت و شہداء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔

Marfat.com

يارسُولَ اللهِ اَیُّ العملِ اَفضل ؟

"اے اللہ کے رسُول، سب سے افضل عمل کونسا ہے ؟"

تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

الایمان باللہ والجهاد فی سبیلہ۔

"اللہ پر غیر متزلزل ایمان لانا، اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔"

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبویؐ ہے،

ان فی الجنة مائة درجةٍ أعدها الله للمجاهدین فی سبیلِ اللهِ۔

"جنت میں ایک سو درجات رفیعہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیئے تیار کر رکھے ہیں۔"

اور مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ارشادِ رسالت مآبؐ ہے

یَغفِرُاللهُ لِلشَّهِیدِ کُلَّ شیئٍ الا الدَّین۔

"اللہ تعالیٰ قرضے کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔"

بخاری شریف میں ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران شہادت پانے والے ایک صحابی حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا کہ میرا بیٹا حارثہؓ غزوۂ بدر کے دوران شہید ہوا تھا۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اسے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّ ابنک اصاب الفردوس۔ (عن انسؓ)

"تیرا بیٹا جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام کو پا گیا ہے۔"

اور بخاری شریف میں ایک طویل حدیث میں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ مجھے دو آدمی اپنے ساتھ لے کر اُوپر چڑھ گئے، اور

اور ایک ایسے گھر میں داخل کر دیا کہ (لم أرقط أحسن منه) میں نے اس سے بڑھ کر خوبصورت کوئی گھر دیکھا ہی نہیں۔ اور انہوں نے مجھے بتایا؛

اما هذه الدار فدار الشهداء (عن سمرۃؓ)

کہ یہ گھر شہداء کے لیے تیار کیا گیا ہے۔"

شہداء کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلند مقام اور قربِ خاص سے نوازے گا۔ اور پوچھے گا کیا تمہیں کسی اور نعمت کی تمنا ہے؟ وہ کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں جو نعمتیں میسر ہیں ان سے بڑھ کر اور کیا طلب کریں؛ ہاں اگر ممکن ہو تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید ہوں۔ (بخاری و مسلم عن انسؓ)

شہید کے سوا ایسی تمنا دوسرا کوئی جنتی نہیں کرے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ ان کی یہ تمنا صرف اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے بوقتِ شہادت جو حلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اکرام و شرف پایا ہوگا، اسی کے پیشِ نظر وہ دوبارہ شہادت کی خواہش کریں گے۔

اور بخاری و مسلم میں ارشادِ نبویؐ ہے:۔

مَا مِنْ مَكْلُومٍ يُكْلَمُ فى سبيل الله الاجاءَ يَوْمَ القيامةِ وكلمهُ يَدْمىٰ اللون لون الدمِ والريح ريح المسك۔

(متفق علیہ عن ابی ہریرۃؓ)

"جہاد فی سبیل اللہ میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے زخموں سے ایک ایسا رنگین مادہ بہہ رہا ہوگا جس کا رنگ خون کا، اور خوشبو کستوری کی ہوگی۔"

یہ تو شہید کا مقام و مرتبہ ہے جبکہ موت شہید کی ہو یا عام مرگ، موت بہرحال موت ہی ہے جو پسماندگان اور عزیز و اقارب کے لیے صدمہ اور دکھ کا باعث بنتی ہے۔

Marfat.com

اور کون نہیں جانتا کہ یہ زندگی خوشی و غم اور شادی و مرگ سے عبارت ہے۔ موت و حیات کا نظام کائنات کا ایک جزء ہے۔ اور ہر ذی روح کی موت کا وقت مقرر ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ برگزیدگانِ خدا، پیغمبر ہوں، ان کے صحابہ یا دیگر اولیاء اللہ ہوں، موت کا جام ہر کسی کے لیئے مقرر ہے۔ دشمنانِ دین ہوں اپنے آپ کو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہلوانے والے ہوں صاحبِ جبروت و سطوت ہوں شاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا فقیر، موت بہر حال سب کا مقدر ہے۔

کیونکہ سورۂ آلِ عمران آیت ۱۸۵، سورۂ انبیاء آیت ۳۵، اور سورۂ عنکبوت آیت ۵۷ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔

"ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے"

اسی قانونِ الٰہی کے تحت جب کسی کو موت آجائے تو ایسے موقعہ پر فطرتی امر ہے کہ پسماندگان کو دکھ اور صدمہ تو پہنچے گا، مگر اس کے اظہار کی کہاں تک اور کس طرح گنجائش ہے۔ اس سلسلہ میں بھی شریعتِ اسلامیہ میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے موقعہ پر صبر و ہمت سے کام لینے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ٥ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ٥ [۳۸۴]

"اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں جو مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے لیئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ

[۳۸۴] ۔ سورۃ البقرۃ الآیۃ ۱۵۷۔

Marfat.com

لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہے۔ اور یہی لوگ (آخرت میں) کامیابی پانے والے ہیں۔"

مصیبت آجائے۔ دل دکھوں سے بھر جائے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑے تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیئے رونا اور آنسو بہانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ایسے کئی مواقع پر خود نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا آنسو بہانا ثابت ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پر۔

بخاری و مسلم اور نسائی میں اپنی بیٹی کے ایک لختِ جگر امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا پر، اور بخاری و مسلم اور ابو داؤد میں خود اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر آنسو بہانا ثابت ہے۔ [۳۸۵]

بشرطیکہ رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ زبان نہ چلائی جائے۔ مرنے والی کی صفات اور اس کی موت کی وجہ سے پیش آنے والے مصائب کا ذکر نہ چھیڑا جائے۔

کیونکہ بخاری و مسلم میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا أَوْ يَرْحَمُ (وَأَشَارَ إِلَى لِسَانِهِ)۔ [۳۸۶]

"اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو بہانے اور دل کے حزن و غم پر عذاب نہیں کرے گا۔ البتہ اس کے عذاب دینے یا رحم فرمانے کا تعلق اس سے ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔"

✣

[۳۸۵] للتفصیل ریاض الصالحین مراجع الأرناؤوط ص ۳۸۸، ۳۸۹۔

[۳۸۶] نفس المرجع۔

Marfat.com

نوحہ خوانی اور سوگ و ماتم

اسلام میں مقام و مرتبۂ شہادت اور شہادت یا طبعی موت مرنے والوں کے پسماندگان کے صبر و ہمت اور ایسے مواقع پر آنسو بہانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور آنسو بہانے کے اس شرط کا ذکر بھی ہو چکا ہے کہ اس کے ساتھ زبان سے بین، نوحہ خوانی، واویلا، اور واہی تباہی جائز نہیں۔ کیونکہ نوحہ خوانی آگے جانے والے کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ نادانستہ دشمنی کے مترادف ہے۔

کیونکہ صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی میں ارشادِ نبوی ہے:-

المیّت یعذّب فی قبرہٖ بما نیح علیہ۔ [۳۸۷]

"میت کو اپنے پسماندگان کی نوحہ خوانی کے سبب قبر میں عذاب ہوتا ہے۔"

اس حدیث شریف کا مفہوم بظاہر سورۂ انعام کی آیت ۱۶۴، سورۂ اسراء آیت ۱۵، سورۂ فاطر آیت ۱۸، سورۂ زمر آیت ۷، اور سورۂ نجم کی آیت ۳۸ کے معارض ہے جس میں ارشادِ الٰہی ہے:-

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔

"کہ کسی کے گناہ کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا۔"

اور اہل علم نے اس تعارض کو دور کرنے کے لیے کئی آراء ذکر کی ہیں۔ جن میں سے یہ بھی ہے کہ آگے جانے والا اگر پسماندگان کو بین و نوحہ کرنے کی وصیت کر کے جائے۔ اور وہ اس پر عمل کر گزریں تو اسے ان کے نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ اور بعض نے اس حدیث میں مذکور لفظ "عذاب" کا مفہوم احساسِ اَلم بیان کیا ہے۔ جبکہ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ہم تو یہ کہتے ہیں کہ صحیح

[۳۸۷] :- بحوالہ ریاض الصالحین ص ۶۳۳۔

Marfat.com

احادیث میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ پسماندگان کے بین کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ "فسمعنا واطعنا" پس ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا اور اطاعت کی۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں کہتے۔ [۳۸۸]

بعض لوگ اور خصوصاً خواتین غم کے موقعوں پر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہیں۔ اور جائز رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ ساتھ ہی نوحہ خوانی بھی شروع کر دیتی ہیں۔ کہ رونے کے ساتھ مرنے والے کی صفات اور اس کی موت سے پیش آمدہ مصائب کی گنتی شروع ہو جاتی ہے۔ اور ایک راگ کے ساتھ بین کیئے جاتے ہیں۔ اس نوحہ خوانی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا ہے۔

چنانچہ بخاری و مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے،

اخذ علینا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عند البیعۃِ أن لا ننوحَ۔ [۳۸۹]

"ہم سے بیعت لیتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ خوانی نہیں کریں گی۔"

اور صحیح مسلم میں ارشادِ نبویؐ ہے:

اِثنَتَانِ فی النَّاسِ هُمَا بِهِم کُفرٌ الطعنُ فِی النَّسبِ والنِّیاحة علیَ المیّت۔ [۳۹۰]

"لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جن کا ارتکاب کفر ہے۔ کسی کے نسب میں طعن کرنا۔ اور میت پر نوحہ خوانی کرنا۔"

۳۸۸۔ للتفصیل الفتح الربانی ۷/ ۱۲۶-۱۲۹

۳۸۹۔ ریاض الصالحین ص ۶۳۴۔

۳۹۰۔ ریاض الصالحین ص ۶۲۶

اور جو لوگ کسی مرگ پر جوشِ غم میں ہوش کھو دیتے ہیں۔ اور بین و نوحہ کے ساتھ ساتھ سر کے بالوں کو بکھیرنا اور نوچنا، رخساروں کو پیٹنا، سینہ کوبی و ماتم کرنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے افعال کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی میں ارشادِ نبوی ہے:۔

لیس منا من ضرب الخدود و شق الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیہ۔[۳۹۱]

"جو اپنے رخساروں کو پیٹے، کپڑے پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح نوحہ خوانی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

بخاری و مسلم اور ابو داؤد و نسائی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریٔ من الصالقۃ والحالقۃ والشاقۃ۔[۳۹۲]

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بین کرنے، سر کے بال بکھیرنے، اور مونڈنے اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے براءت کا اظہار فرمایا ہے۔"

اور ابو داؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عہد لیا تھا:۔

اَنْ لَا نَخْمُشَ وجھًا وَلَا ندعوا ویلاً وَلَا نشق جیباً ولا ننشر شعرًا۔[۳۹۳]

"دکھ، مصیبت میں نہ ہم منہ نوچیں گی، نہ واویلا کریں گی۔ نہ کپڑے پھاڑیں گی۔ اور نہ بال بکھیریں گی۔"

---

[۳۹۱] ۔ بخاری ۲/۱۳۲، مسلم ۲-۱۰۳ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ و ریاض الصالحین ص ۶۳۳

[۳۹۲] ۔ بخاری ۲/۱۳۱-۱۳۲ تعلیقاً مسلم فی کتاب الایمان ۱۰۴ عن ابی بردۃ و ریاض الصالحین۔

[۳۹۳] ۔ ریاض الصالحین ص ۶۳۵۔

Marfat.com

عورتیں چونکہ مردوں کی نسبت کمزور طبع ہوتی ہیں اور ان میں ایسے امور کا صدور ممکن ہونے کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ نے ان سے یہ عہد لیئے۔ اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی عورت فرمانِ نبویؐ کی نافرمانی کرے تو ایسی عورت کے بارے میں صحیح مسلم ابن ماجہ، مسندِ احمد اور بیہقی میں ارشادِ نبویؐ ہے:۔

النائحة إذا لم تتب قبل موتها تقام يوم القيامة وعليها سربال من قطران و درع من جرب۔[۲۹۴]

نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کیئے بغیر مر گئی تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں اٹھائی جائے گی کہ آتش گیر مادے (چقماق) کی قمیض پہنے ہوگی، اور اسے خارش کی ذِرع پہنائی جائے گی۔[۲۹۵]

اور مسند احمد میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

ثُمَّ يُعلىٰ عليها دِرعٌ من لهبِ النّار۔[۲۹۶]

(کہ) پھر اس آتشگیر مادے کے اوپر آگ کے شعلے کی ذِرع ہوگی۔"

شریعتِ اسلامیہ ہر معاملہ میں چونکہ اعتدال پسند ہے، اس میں نہ خوشی کے مواقع پر حدِ اعتدال پھلانگنا جائز ہے اور نہ ہی مرگ کا سوگ منانے پر حدود اور پابندیاں

---

[۲۹۴]۔ ریاض الصالحین ص ۶۳۵۔

[۲۹۵]۔ صرف بین و نوحہ خوانی ہی ناجائز نہیں بلکہ اس کا (خوشی سے) سننا بھی درست نہیں ہے کیونکہ ابو داؤد، مسند احمد بیہقی، بزار اور طبرانی میں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔ لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم النائحة والمستمعة (الفتح الربانی ۱۱۲/۷-۱۳) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ خوانی کرنے، اور نوحہ سننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے تخریج صلاۃ الرسول رقم ۶۳۰۔

[۲۹۶]۔ ریاض الصالحین ص ۶۳۵ ، الفتح الربانی ۱۱۴/۷ ، ۱۱۵

Marfat.com

توڑنا روا ہے۔ ایسے مواقع پر عورت کی طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے اس کے لیے شوہر کے سوا ہر عزیز کی مرگ کا صرف تین دن سوگ منانا جائز رکھا ہے۔ البتہ اگر کسی کے شوہر کی مرگ ہو جائے تو اس عورت کو چار ماہ اور دس دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔ ان ایام میں وہ نہ زیب و زینت کرے، نہ زیورات اور ریشمی کپڑے پہنے، اور نہ ہی خوشبو، مہندی اور سرمہ وغیرہ لگائے۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ہے:۔

لَا تحِدُّ المرأۃ فوقَ ثلاثٍ اِلّا علٰی زوجٍ اربعۃ اشھرٍ وعشرًا وَلَا تلبس ثوبًا مصبوغًا الا ثوب عصبٍ، ولا تکتحل ولَا تمس طِیبًا اِلّا اِذا طَھُرَت نُبذۃً مِن قسطٍ اَو اَظفار۔ [۲۹۷]

کوئی عورت تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے سوائے شوہر کی وفات کے اس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منا سکتی ہے۔ وہ رنگین کپڑے نہ پہنے سوائے یمنی چادروں کے، نہ وہ سرمہ لگائے اور نہ ہی خوشبو استعمال کرے، سوائے اس دن کے جس دن وہ غسل حیض سے فارغ ہو تو عود وغیرہ کے بخور (یعنی دھوئیں) کا استعمال کر سکتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کے بقول یہ بھی کوئی خوشبو کی غرض سے نہیں بلکہ محض خون جاری رہنے سے پیدا ہونے والی بو کو زائل کرنے کی غرض سے جائز ہے۔

ابو داؤد و نسائی میں یہ الفاظ بھی ہیں،

وَلَا تختضب ، اور وہ مہندی و خضاب بھی نہ لگائے۔

اور نسائی میں ارشادِ نبوی کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:۔

وَلَا تمتشِطُ ، اور وہ کنگھی بھی نہ کرے۔

۲۹۷۔ بخاری و مسلم و مسندِ احمد بحوالہ الفتح الربانی ۷/۱۵۰

Marfat.com

یہ احکام صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔ اور وہ بھی عام عزیزوں کی نسبت صرف تین
، اور شوہر کے لیئے چار ماہ دس دن تک۔ اور مردوں کے لیئے ان امور میں سے کوئی ایک بھی
دن کے لیئے جائز نہیں۔ سوائے دل کے غم اور آنکھوں کے آنسوؤں کے۔
اس ارشادِ نبوی کے پیشِ نظر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو چودہ سو سال
لے کی موت شہادت پر سوگ مناتے ہیں وہ تعلیماتِ اسلام کے سراسر منافی فعل کا ارتکاب
تے ہیں جس کا کسی بھی طرح کوئی جواز نہیں۔

خلاصۃ الکلام

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو ایک نہیں، بیسیوں مقامات پر جہاد فی سبیل اللہ
کی عظمت و فضیلت اور مقامِ شہادت کی رفعت و منزلت بیان فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا:
"کہ راہِ خدا میں جان دینے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر ان کی اس زندگانی
کا تمہیں شعور نہیں"
کہیں انہیں رحمتِ الٰہی کے امیدوار اور کہیں رحمت و بخشش کو ان کا مقدر بتایا ہے:۔
"انہیں اللہ کی طرف سے رزق دیا جائے گا۔ وہ اللہ کے فضل و احسان اور نعمت
و کرم پر خوش ہوں گے، انہیں کوئی غم یا خوف نہیں ہوگا۔ ان کے لیئے اجرِ عظیم اور
بلند درجات ہیں۔ انہیں ہمیشہ کے لیئے رضائے الٰہی اور دائمی جنت کی نعمتیں
حاصل ہوں گی۔"
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشمار احادیث میں جہاد و مجاہدین اور شہادت و شہدا
کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک روایت گزر چکی ہے۔ جس میں ہے کہ حضرت
ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
یَا رَسُولَ اللہِ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَل۔ "اے اللہ کے رسول سب

Marfat.com

سے افضل عمل کونسا ہے ؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل ایمان لانا ، اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔"

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

"جنت میں ایک سو درجات رفیعہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لیئے تیار کیئے ہیں۔"

اور مسلم شریف میں ہے کہ :۔

"اللہ تعالیٰ قرضے کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔"

اور بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں ہے :۔

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے دو آدمی اپنے ساتھ لے کر اوپر کو چڑھ گئے۔ اور ایک ایسے گھر میں داخل کر دیا کہ میں نے اس سے خوبصورت کوئی گھر نہیں دیکھا۔ اور انہوں (فرشتوں) نے مجھے بتایا

"اَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَآءِ کہ یہ گھر شہداء کے لیئے تیار کیا گیا ہے۔"

الغرض شہدآء کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلند درجات اور قربِ خاص سے نوازے گا سوال کرے گا کہ کیا تمہیں کسی اور نعمت کی تمنا ہے؟ وہ کہیں گے کہ اے اللہ جو نعمتیں ہمیں میسر ہیں، ان سے بڑھ کر اور کیا طلب کریں۔ ہاں ، اگر ممکن ہو تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج ہم دوبارہ ، سہ بارہ تیری راہ میں شہید ہوں۔

شہید کے سوا ایسی تمنا دوسرا کوئی جنتی نہیں کرے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ :

"یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ انہوں نے جو حلاوت بوقتِ شہادت ، اور جو اکرام و شرف اللہ تعالیٰ کے ہاں پایا ہوگا ، اس کے پیشِ نظر وہ دوبارہ شہادت کی تمنا

Marfat.com

کریں گے۔"

ان مذکورہ آیات و احادیث کو سامنے رکھ کر مقام شہادت کی تعیین بالکل واضح ہو گئی اب چاہر شخص کا فرض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شہداء کو اتنا بلند مقام عطا کیا ہے تو ہم شہداء سال ماتم و نوحہ خوانی کی مجالس منعقد کر کے کیا خیر خواہی کرتے ہیں۔ جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی ثابت ہے کہ یہ بین اور نوحہ و ماتم ان کے لیے تکلیف دہ ہیں۔ اس کے باوجود کالا لباس پہن کر ہر نئے اسلامی سال کے آغاز پر شہداء کی یاد تازہ کرنا اور ممنوع افعال کا ب کرنا عقل و نقل کسی بھی اعتبار سے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ راہ راست کی ہدایت فرمائے۔

فضیلتِ ابوبکر و عمر، بزبانِ علی

رضی اللہ عنہم اجمعین

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار سے متجاوز ہے اور ان ب میں سے مقام و مرتبہ اور عظمت و رفعت کے اعتبار سے کس کا درجہ کونسا ہے؟ اس سلسلہ یں صحیح بخاری شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لختِ جگر حضرت محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد گرامی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے پوچھا۔

اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم؟

قال: ابوبکر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ۔

میں نے پوچھا، ان کے بعد کون؟ تو انہوں نے فرمایا، عمر رضی اللہ عنہ۔

حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں، پھر میں ڈرا کہ میرے والد کہیں (میرے سوال پر حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے لیں۔ لہٰذا میں نے خود ہی کہہ دیا۔

Marfat.com

ثُمَّ أَنْتَ : کہ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہیں۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا أَنَا إِلَّا رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔ ۳۹۸

میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں:

سبحان اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور چچازاد بھائی، جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار، اور حسنین رضی اللہ عنہم کے والد ذی شعار نے حقیقت پسندی و صداقت شعاری اور تواضع و انکساری کی بہترین مثال قائم کی۔

ایسے ہی مسند احمد میں حبیب بن ابو ثابت، عبد خیر ہمدانی کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برسر منبر یہ فرماتے ہوئے سنا:

الَا اُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"کیا میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے بہترین شخص کے بارے میں خبر نہ دوں؟"

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ پھر فرمایا:

الَا اُخْبِرُكُمْ بِالثَّانِيْ ؟

"کیا میں تمہیں دوسرے درجہ پر آنے والے شخص کی خبر نہ دوں؟"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ پھر فرمایا: اگر میں چاہوں تو تمہیں تیسرے شخص کی خبر بھی دے سکتا ہوں، لیکن پھر آپ خاموش ہو گئے۔ ۳۹۹

اور مسند احمد میں ہی حضرت شعبی سے مروی ہے کہ مجھے ابو جحیفہ نے حدیث بیان کی

۳۹۸ ۔ بخاری بحوالہ مشکاۃ ۳/۱۶۹۸

۳۹۹ ۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۸۰

Marfat.com

نام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہب الخیر رکھا تھا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

اَلَا اُخبِرُكَ بِاَفضَلِ هٰذهِ الاُمَّةِ بعدَ نَبِيِّهَا ؟

"کیا میں تجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے افضل ترین شخص کے بارے میں خبر نہ دوں ؟"

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، ضرور خبر دیں جبکہ میں ان کے سوا کسی کو افضل امت نہیں سمجھتا تھا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

اَفضَلُ هٰذهِ الاُمَّةِ بعدَ نَبِيِّهَا ابوبكر و بعد ابی بكرٍ عُمَر، بعدَهُمَا اٰخَرُ ثالث و لَمْ يُسَمِّه۔ [۱]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت کا افضل ترین شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا ہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تیسرا نام نہیں لیا۔

اور زوائد مسند میں حضرت شعبیؒ سے ہی وہب السوائی کے واسطہ سے بسندِ صحیح ایک روایت میں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ مزید تعریفی کلمات بھی مذکور ہیں۔ [۲]

اور مسند احمد و طبرانی اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:۔

سَبَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم وصَلّٰی ابوبکر و ثَلَّثَ عُمَر ثُمَّ خَبَطَتْنَا اَوْ اَصَابَتْنَا فِتْنَةٌ۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم (فضلِ اکبر اور سیرتِ حمیدہ کی رُو سے) سبقت لے گئے۔ اور ابوبکرؓ نے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی) لوگوں کو نماز کی امامت کرائی۔ ان دونوں کے بعد تیسرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر ہم فتنہ میں مبتلا

Marfat.com

(ان الفاظ میں شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ اور جنگِ جمل و جنگ صفین کی طرف اشا
اور آخر میں فرمایا۔
یَغْفِرُ اللہُ عَمَّنْ یَشَاءُ۔[۴۰۲] "اللہ جسے چاہے معاف کرتا ہے۔"
اور زوائد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چند قریبی عسکری ساتھیوں میں سے حذ
جحیفہ (وہب الخیر) سے مروی ایک جید سند کی روایت میں بھی ہے کہ:۔
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کے بہترین لو
میں سے پہلے حضرت ابوبکر، اور عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔"[۴۰۳]
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات سے جو ترتیب سامنے آتی ہے اسی کی
صحیح بخاری و مسلم میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی ملتی ہے۔ چنانچہ
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت بخاری شریف میں مروی ہے۔
كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَ
أَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَ
اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ۔[۴۰۴]
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہم ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا ہم پلہ
ہمسر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے بعد عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) اور پھر عثمان غ
(رضی اللہ عنہ) کو درجہ دیتے تھے۔ (ان تینوں کے بعد) پھر ہم اصحاب نبی صلی اللہ

---

[۴۰۰] الفتح الربانی ۲۲/۱۸۱

[۴۰۱] الفتح الربانی ۲۲/۱۸۱

[۴۰۲] نفس المرجع

[۴۰۳] ایضاً

[۴۰۴] صحیح بخاری بحوالہ مشکاۃ، تحقیق البانی ۳/۱۶۹۸

Marfat.com

علیہ وسلم میں کسی کو کسی سے افضل ترین قرار نہیں دیا کرتے تھے۔"

یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، جبکہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔

كُنَّا نقول و رسول الله صلى الله عليه وسلم حَيٌّ، أفضل أمة النبي صلى الله عليه وسلم بعده ابوبكر ثم عمر، ثم عثمان رضي الله عنهم۔ [405]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت کے افضل ترین شخص ابوبکر صدیق، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی رضی اللہ عنہم ہیں۔"

اس حدیثِ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ میں ابوبکرؓ وعمرؓ کے ساتھ ہی تیسرا نام حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا بھی مذکور ہے۔ رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ چہارم ہونے پر اہلِ سنت کے تمام مکاتبِ فکر کا اجماع ہے۔ اور یہی صحیح ومسنون ترتیب ہے۔ [406]

فضائل ومناقبِ صدیق رضی اللہ عنہ

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر اور جلیل القدر صحابی و پہلے خلیفۂ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن عثمان ابوقحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ تیمی تھا۔ ابوبکر کنیت اور صدیق وعتیق لقب تھا۔ [407]

---

[405] ابوداؤد بحوالہ مشکاۃ ۳/۱۶۹۸

[406] تفصیل کے لیے تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۰۱-۲۰۳ ملاحظہ فرمائیں۔ (طبع مدینہ)

[407] ایک ضعیف روایت میں ہے۔ انت عتيق الله من النار. فيومئذ سمي عتيقا۔ مشکاۃ ۳/۱۷۰۰

عام الفیل کے دو سال اور چند دن کم چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ اور مردوں میں سے پہلے م
تھے۔ آپ کے والدین، خود آپ، آپ کی اولاد اور پوتے، مسلسل چار پشتیں صحابی رسول
ہوئیں۔ اور شرف میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

اکیس، بائیس جمادی الثانی کی درمیانی منگل کی رات سنہ ۱۳ھ کو مغرب و عشاء کے مابین
طیبہ میں وفات پائی، جبکہ عمر تریسٹھ سال مسنون تھی۔ ان کی اپنی وصیت پر ان کی بیوی اسماء
عمیس رضی اللہ عنہا نے انہیں غسل دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ کا دورِ خلافت دو سال چار ماہ تھا۔ آپ ایک سو بیالیس ۱۴۲ حدیثوں کے راوی ہیں
جن میں چھ متفق علیہ ہیں۔ گیارہ صرف بخاری شریف میں اور ایک صرف مسلم شریف میں اور
باقی دیگر کتبِ حدیث میں ہیں۔ اور قلتِ روایتِ حدیث کا سبب آپ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد قلیل مدت زندہ رہنا ہے۔

آپ تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ بلکہ عہدِ جاہلیت اور
دورِ اسلام میں آپ کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نہیں ٹوٹی۔[۴۰۸]

فضائل و مناقب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب اور سیرت و سوانح پر اہلِ علم
مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جبکہ صرف تاریخِ اسلام میں ان کا تذکرہ سو پچاس صفحات پر نہیں، بلکہ
ڈیڑھ جلد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل ہے۔ لیکن ہم یہاں ان کے فضائل
مناقب کے بارے میں صحیح سند سے ثابت چند احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ذکر کرتے
ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ارشادِ نبوی ہے۔

۴۰۸:۔ تحفۃ الاحوذی ۱۰/۳۸-۱۳۷، المرعاۃ شرح المشکاۃ ۲/۵۳۴ طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل۔

Marfat.com

إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ (رواہ البخاری ابابکر)

"تمام لوگوں میں سے صحبت اور مال خرچ کرنے کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ابوبکرؓ کے ہیں۔"

اور فرمایا:-

لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةَ أَبِي بَكْرٍ۔

"مسجد نبویؐ میں کھلنے والے تمام دروازوں میں سے کوئی دروازہ باقی نہ رہنے دیا جائے، سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے۔"

اور فرمایا:-

لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا [۴۰۹]

"اگر میں نے اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بنانا ہوتا، تو میں ابوبکرؓ کو ہی خلیل بناتا۔"

اور بخاری و مسلم میں ہی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملہ میں گفتگو کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم فرمایا کہ آئندہ بوقتِ ضرورت، پھر آپ کی طرف رجوع کرے۔ اس عورت نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ! اگر کبھی میں آؤں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم، کو نہ پاؤں تو؟ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کی طرف وہ اشارہ کر رہی تھی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

فَإِنْ لَمْ تَجِدِينِي، فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ۔ [۴۱۰]

"اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس چلی آنا۔"

---

[۴۰۹] مشکاۃ، بتحقیق الالبانی ۳/۱۶۹۶،

[۴۱۰] مشکاۃ شریف ۳/۱۶۹۷-۹۸،

Marfat.com

یہ دونوں حدیثیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک خلافت کے سب سے پہلے مستحق حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ جبکہ صحیح مسلم شریف میں تو اس کی صراحت بھی موجود ہے۔ اُس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الموت میں مجھے فرمایا کہ اپنے باپ ابوبکر اور بھائی (عبدالرحمٰن) کو بلاؤ، تاکہ میں (خلافت کے بارے میں) وصیت نامہ لکھ دوں۔

فانّی أخاف ان یتمنّٰی متمنٍّ ویقولُ قائلٌ: اَنا ولا (وفی بعض نسخ صحیح مسلم وکتاب الحمیدی۔ اَنا اولٰی) ویأبَی اللّٰہُ والمؤمنون الّا أبا بکر۔ [۱]

"مجھے ڈر ہے کہ کوئی تمنّا کرنے والا، تمنّا کرے گا، اور کہنے والا کہے گا کہ میں ہی مستحق خلافت ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوگا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اور تمام مومن ابوبکر کے سوا کسی اور کو اس کا اہل نہیں سمجھتے۔"

اور بخاری و مسلم میں ہی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے انہیں غزوہ ذات السلاسل کے لیئے فوج کا سالار بنا کر بھیجا (جانے سے قبل) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اور پوچھا۔

اَیُّ النّاسِ اَحبُّ الیك؟ "آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟"

تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "عائشہ (رضی اللہ عنہا)

میں نے پوچھا، مَردوں میں سے کون؟ تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا،

"اُس کا باپ (یعنی ابوبکرؓ)۔ میں نے پوچھا، ان کے بعد؟ تو فرمایا: "عمرؓ"

تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے کئی نام گنوائے۔ تب میں اس ڈر سے خاموش ہوگیا کہ مجھے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کہیں سب سے آخر میں نہ کر دیں۔ [۲]

---

[۱]۔ مشکاۃ شریف ۳/۱۶۹۷؛ [۲]۔ مشکاۃ ۳/۱۶۹۸

صحیح بخاری و مسلم کی ان احادیث میں یہ ارشادات نبویؐ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اور اب آئیے ذرا دیکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا تأثرات ہیں۔ اس سلسلہ میں ترمذی شریف میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :-

ابوبکر سیدنا، وخیرنا و أحبّنا إلی رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۴۱۳]

"ابوبکرؓ ہمارے آقا و سردار، ہم سب سے بہتر اور ہم سب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے۔"

ایسے ہی ابوداؤد و ترمذی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمیں صدقہ کرنے کا حکم فرمایا، اور یہ حکم ایسے موقعہ پر فرمایا: کہ میرے پاس بھی مال موجود تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں کبھی ابوبکرؓ سے سبقت لے سکتا ہوں تو وہ موقع صرف آج ہی ہاتھ آسکتا ہے۔ لہٰذا میں اپنے کُل مال کا آدھا حصّہ بطور صدقہ لے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا :

مَا اَبقیتَ لاَھلك ؟ "اپنے گھر والوں کے لیئے کیا چھوڑ آئے ہو؟"

میں نے عرض کیا جتنا لایا ہوں، اتنا ہی چھوڑ آیا ہوں۔ جبکہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنے گھر سے سارا مال ہی لے آئے تھے۔ جب ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

یا ابا بکر ما ابقیت لاھلِكَ: "اے ابوبکرؓ تم اپنے گھر والوں کے لیئے کیا چھوڑ آئے ہو؟"

تو انہوں نے کہا :- ابقیت لھمُ اللہ ورسُولہ

"میں اپنے گھر والوں کے لیئے صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ (کی محبت) کو چھوڑ آیا ہوں۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے دل میں) کہا :-

---

[۴۱۳] :- ترمذی وقال: حدیث حسن صحیح، وقال الالبانی، سندہٗ جید مشکاۃ ۱۶۹۶/۳

Marfat.com

لَا اَسْبِقُهٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَدًا۔ [۴۱۴]

"میں کبھی کسی بھی معاملہ میں ابوبکرؓ سے سبقت نہیں لے جا سکتا ہوں"۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

کُنَّا فِی زَمَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لا نعدل بِأَبِی بَکْرٍ أَحَدًا، ثم عمر، ثم عثمان ثم نترک اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نفاضل بینهم احدا۔ [۴۱۵]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگ ابوبکرؓ کا ہم پلّہ کسی دوسرے صحابی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمرؓ اور عثمانؓ کو درجہ دیتے تھے۔ اور اس کے بعد دیگر اصحابِ رسولؐ میں سے ہم کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے"۔

اور ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم حَیٌّ أَفْضَلُ أُمَّۃِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم بعدہ ابوبکر، ثم عمر، ثم عثمان رضی اللہ عنهم"۔ [۴۱۶]

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں یہ کہا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل صحابی ابوبکرؓ پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ ہیں۔ (رضی اللہ عنہم وارضاہم)۔

---

[۴۱۴] :- ابوداؤد و ترمذی وقال، حدیث حسن صحیح وقال الالبانی، اسنادہ حسن کما فی المشکاۃ ۳/۱۷۰۰۔

[۴۱۵] :- مشکاۃ، بتحقیق الالبانی ۳/۱۶۹۸۔

[۴۱۶] :- نفس المرجع۔

Marfat.com

فضائل ومناقب حضرت عُمر فاروق

رضی اللہ عنہ

نام ونسب وحالاتِ زندگی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر، جلیل القدر صحابی اور دوسرے خلیفۂ راشد کا اسمِ گرامی عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی العدوی القرشی المدنی تھا۔

اور زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نام کی مناسبت سے ان کی کنیت ابوحفص تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نسب نامہ کعب بن لوی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ فقہاء صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔

سب سے پہلے "امیرالمؤمنین" کے نام سے آپ ہی پکارے گئے۔ ۵ھ یا ۶ھ میں اُس وقت اسلام لائے جبکہ چالیس مرد اور گیارہ عورتیں مسلمان ہوچکی تھیں، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمان کا عدد چالیس آپ کے ساتھ ہی پورا ہوا تھا۔ آپ کے مسلمان ہوجانے سے اسلام کو بڑی قوت ملی تھی۔ اور آپ کو فاروق کا لقب عنایت ہوا۔

بدر اور تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کیا۔ آپ پانچ سو اُنتالیس احادیثِ رسولؐ کے راوی ہیں۔ جن میں سے دس متفق علیہ ہیں۔ نو صرف بخاری شریف میں اور پندرہ صرف مسلم شریف میں ہیں اور باقی دیگر کتبِ احادیث میں ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ کے عیسائی غلام ابولؤلؤ نے بروز بدھ ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کی نمازِ فجر کے دوران آپ کو خنجر مارا جس کے نتیجے میں آپ شہید ہوئے۔ جبکہ عمر شریف تریسٹھ سال (مسنون) تھی۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور یکم محرم ۲۴ھ بروز اتوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ سے

ابوبکر سمیت عشرہ مبشرہ اور صحابہ و تابعین میں سے خلق کثیر نے روایت کی ہے۔[۴۱۷]
آپ کے دورِ خلافت میں پانچ سو قلعے فتح ہوئے۔ پانچ لاکھ کافر مسلمان ہوئے۔
اور پچیس لاکھ مربع میل تک دینِ مبین پہنچا۔ آپ کی حکومت شمال میں اناطولیہ جنوب میں ہندوکش، مشرق میں چین اور مغرب میں درّہ دانیال تک تھی۔ آپ نے قرآن کے دو لاکھ قلمی نسخے تقسیم کیے۔[۴۱۸]

فضائل و مناقب:-

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت و سوانح ساڑھے دس سال عہدِ خلافت فتوحات اور ترویج و اشاعتِ دین کے سلسلہ میں ان کی خدمات کی تاریخ بھی طویل ہے۔
اور ان کے فضائل و مناقب کے بارے میں کتبِ حدیث میں بکثرت ارشاداتِ نبوی ہیں، جیساکہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:-
میں جنت میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابوطلحہ کی بیوی رمیضاء میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے کوئی آہٹ سنی تو پوچھا، یہ کون ہے؟ تو (حضرت جبرائیل نے) بتایا کہ یہ بلال (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ پھر میں نے ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک لڑکی تھی، میں نے پوچھا، کہ یہ محل کس کا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہ عمر بن خطابؓ کا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ اس محل میں داخل ہو کر اسے دیکھوں، مگر مجھے تیری غیرت یاد آگئی، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غیرت کھا سکتا ہوں؟[۴۱۹]

---

۴۱۷ - المرقاۃ ۱/ ۳۲ - ۴۱۸ - بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور، جمعہ ایڈیشن ۴ محرم ۴۰۸ھ بمطابق ۲۸ اگست ۱۹۸۷ء ۴۱۹ - متفق علیہ، مشکاۃ ۳/ ۱۷۰۲، ۱۷۰۳

Marfat.com

اسی طرح بخاری و مسلم میں ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دیانتداری کی شہادت دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

میں سویا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا، لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ وہ قمیص پہنے ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کی قمیصیں صرف چھاتیوں تک پہنچتی ہیں اور بعض کی اس سے بھی چھوٹی ہیں۔ اور جب میرے سامنے عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا تو وہ اتنی بڑی قمیص پہنے ہوئے تھے کہ وہ اسے گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ صحابہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسولؐ! اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دین۔ [۴۲۰]

اس تعبیر نبویؐ کی رُو سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرتاپا مجسمۂ و پیکرِ دین تھے۔

اور بخاری و مسلم میں ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کی گواہی بزبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے:۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں سویا ہوا تھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا۔ میں نے خوب جی بھر کر پیا۔ پھر اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ صحابہ نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ! اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم۔ [۴۲۱]

اور یہاں شاید یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ انبیآء کرام علیہم السلام کے خواب محض خواب و خیال نہیں بلکہ وحی و برحق ہوتے ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ جب انہیں دفن کیا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

[۴۲۰] ۔ مشکاۃ ۳/۱۷۰۳

[۴۲۱] ۔ نفس المرجع

Marfat.com

ذھب الیوم بتسعۃ اعشار العلم [۴۲۲]

آج علم کے دس حصوں میں سے نو حصے (ہم سے) رخصت ہو گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے صاحب جلال و جمال تھے۔ ان کی جلالت کا اندازہ صرف اس بات سے ہی کیا جا سکتا ہے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ہے:۔

اِیہٍ یا ابنَ الخطاب، والذی نفسی بیدہٖ مَا لَقِیَکَ الشیطان سالکاً فجّاً قطّ، اِلّا سلک غیرَ فَجِّکَ۔ [۴۲۳]

"اے ابن خطاب مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جب کسی راستے پر آتے ہوئے تجھے شیطان دیکھ لے تو وہ بھی تیرا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ لیتا ہے۔"

ان کی جلالت اور رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ شیطان لعین جیسی غیر مرئی چیز بھی ان کا سامنا کرنے کی تاب نہیں رکھتی تھی اور وہ انہیں دیکھتے ہی بھاگ جاتا تھا۔

اور ترمذی شریف میں ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ہے:۔

ان الشیطان لیخاف منک یا عمر۔ [۴۲۴]

"اے عمر! بے شک شیطان تم سے ڈرتا ہے۔"

اور ترمذی کے ایک واقعہ کے ضمن میں ارشادِ نبوی ہے۔

اِنّی لَاَنظُرُ اِلٰی شیاطین الجنّ والانس قد فرّوا من عمر۔

(وقال الترمذی: حسن صحیح غریب وقال الالبانی۔ اسنادہ حسن)

"میں دیکھ رہا ہوں کہ شیاطین جنّ و انس عمرؓ کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں۔"

۴۲۲:۔ المرعاۃ ۱/۳۲

۴۲۳:۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ ۳/۱۷۰۲

۴۲۴:۔ مشکاۃ ۳/۱۷۰۵ وقال الترمذی حسن صحیح غریب ووافقہ الالبانی۔

Marfat.com

اور ترمذی و مسند احمد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی۔

اللھم اعز الإسلام بابی جھل بن ھشام او بعمر ابن الخطاب

"اے اللہ! ابن ہشام کے بیٹے ابوجہل یا عُمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو مُسلمان کرکے (اس کے ذریعے) اسلام کی عزت کو دوبالا کردے۔"

راوی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"کہ صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد برآئی۔ دُعا قبول ہوگئی۔ اور عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مُسلمان ہوگئے۔ اور اس دن سے مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) میں کھلے عام نماز پڑھنا شروع کردی۔ جبکہ اس سے پہلے سب مُسلمان چھُپ چھُپ کر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔" [۴۲۵]

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے یہی مقام و مرتبہ اور شرف کیا کم ہے کہ ترمذی شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

لو کان بعدی نبیٌّ لکان عمر ابن الخطاب۔ [۴۲۶]

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے۔"

رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

بُخاری و مسلم میں ہے:۔

لقد کان فیما قبلکم من الأمم محدثون فان یك فی امتی احدٌ فانہ عمر۔ [۴۲۷]

"پہلی امتوں میں کچھ لوگ "محدث" یا "مُلہَم" ہوتے تھے (جنہیں الہام ہوتا ہو) اگر میری امت کا کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہے۔"

---

[۴۲۵]۔ وقال الترمذی: حسن صحیح غریب، ووافقہ الالبانی فی المشکاۃ ۳/۱۷۰۴۔

[۴۲۶]۔ مشکاۃ ۳/۱۷۰۴۔۱۷۰۵ وحسنہ الالبانی۔ [۴۲۷]۔ مشکاۃ ۳/۱۷۰۲۔

Marfat.com

اور ترمذی شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

اِنَّ اللہ جعل الحق علےٰ لسانِ عُمر وَ قلبہ (مشکاۃ ۳/۱۷۰۴ وحسنہ

"اللہ تعالیٰ نے عمر (رضی اللہ عنہ) کی زبان وقلب پر حق کو آشکارا کر دیا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مَا کنّا نُبْعِدُ انّ السّکینۃ تنطق علےٰ لِسانِ عُمر [۴۲۸]

"ہم اس بات کو بعید خیال نہیں کرتے تھے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر وقار و سکون بولتا ہے۔"

بخاری شریف میں اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ما رأیتُ احدًا قطّ بعد رسولِ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلّم من حین قُبِضَ کان اجدَ واجود حتی انتھیٰ من عمر (مشکاۃ ۳/۱۷۰

"میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نشر و اشاعتِ دین میں کوشاں اور بکثرت صدقہ کرنے والا عمرؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے خالقِ حقیقی کو جا ملے۔"

اور بخاری و مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وافقتُ ربّی فی ثلاث فی مقام ابراھیم و فی الحجاب و فی اساریٰ بدر۔

"تین امور میں میری رائے میرے رب کے ارشاد کے موافق ثابت ہوئی مقامِ ابراہیم کے بارے میں، اور پردے کے بارے میں اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں۔"

اور اس کی مزید وضاحت بخاری و مسلم کی ہی ایک دوسری حدیث سے

[۴۲۸] ۔ دلائل النبوۃ بیہقی و زوائد مسند احمد کما فی مشکوٰۃ ۳/۱۷۰۳، والفتح الربانی ۲۲/ ۸۱

Marfat.com

ہوتی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :-

تین امور میں میری رائے میرے رب کے ارشاد کے موافق ثابت ہوئی۔

۱۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مقام ابراہیم کو جانماز بنایا جائے تو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۵) وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى نازل ہوئی۔

۲۔ اور میں نے عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے پاس آنے والے لوگوں میں سے نیک و بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ انہیں پردے کا حکم فرما دیں۔ تو سورۂ احزاب کی آیت ۵۳) آیۂ حجاب { وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ } نازل ہو گئی۔

۳۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ایک مرتبہ غیرت میں آکر اکھٹی ہو گئیں تو میں نے سوچا: عَسَىٰ رَبُّهُ إِن طَلَّقَكُنَّ أَن يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنكُنَّ (التحریم: ۵) تو بعینہٖ اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرما دی۔ [۴۲۹]

اور بدر کے قیدیوں کے بارے میں ان کی رائے کے مطابق جو آیت نازل ہوئی تھی وہ سورۂ انفال کی آیت ۶۸ ہے۔ جس میں ارشادِ الٰہی ہے :-

{ لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ }

اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے مشرک قیدیوں کے قتل کی رائے رکھتے تھے۔ مگر بعض دیگر صحابہؓ کی رائے پر انہیں فدیہ لے کر زندہ چھوڑ دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ ڈانٹ پلائی۔

اور بخاری مسلم کی ان دونوں حدیثوں میں چار مقامات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر قرآن کریم کی آیات نازل ہونے کا تذکرہ آگیا ہے جو کہ ایک بہت بڑی سعادت ہے۔

۴۲۹:۔ مشکوٰۃ شریف ۱۴۰۶/۳

Marfat.com

اور بخاری ومسلم کی ایک صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک خواب کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا دیکھتا ہوں۔

کہ میں ایک کنوئیں پر ہوں جس پر ایک ڈول لٹک رہا ہے۔ پہلے میں نے اس سے جتنا اللہ نے چاہا پانی نکالا۔ پھر ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے وہ ڈول پکڑا، اور ایک یا دو ڈول نکالے۔ اور ڈول نکالنے میں کمزوری نمایاں تھی۔ اللہ انہیں ان کی کمزوری معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بہت ہی بڑا ہو گیا، اور اسے ابن خطاب (حضرت فاروق رضی اللہ عنہ) نے پکڑ لیا۔ اور میں کبھی کسی قوی آدمی کو اتنی آسانی سے ڈول نکالتے نہیں دیکھا، جتنی آسانی سے عمر نکال رہے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں کو پیٹ بھر بھر کر پانی پلایا، اور اونٹوں کے بٹھانے کی جگہیں بنالیں۔ [۴۳۰]

اس حدیث میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کی یکے بعد دیگرے خلافت، حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی قلیل المدتی (دو اڈھائی سال) اور خلافتِ عمرؓ کا طول (ساڑھے دس سال)، اور خلافتِ صدیق میں فتنۂ ارتداد وغیرہ کی وجہ سے کمزوری اور عہدِ فاروقی میں قوت شوکتِ اسلام کے واضح ارشادات موجود ہیں۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مرتے دم تک کمالِ ایمان واستقامت اور امیر المؤمنین ہونے کی شہادت خاندانِ نبوت کے افراد میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دی ہے۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فراشِ مرگ پر تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اے امیر المؤمنین! آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔ اور حقِ صحبت انتہائی خوبی سے ادا کیا، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (وفات پا جانے سے)

۴۳۰۔ مشکاۃ شریف ۳/۱۷۰۳،

آپ سے جُدا ہوئے تو وہ اس وقت آپ سے راضی تھے۔ پھر آپ نے مسلمانوں کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا (یعنی بارِ خلافت اُٹھایا) تو اس صحبت و ذمہ داری کو بھی بخیر و خوبی نبھایا۔ اور اگر آپ ان کا ساتھ چھوڑ کر عازم سفرِ آخرت ہو گئے، تو آپ یقیناً ان سے ایسے حال میں جُدا ہوں گے کہ تمام مسلمان آپ سے راضی ہیں۔[۴۳۱]

یہ ابو لؤلؤ کے خنجر مارنے اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے شہادت پانے کے درمیانی کل دو، چار دِنوں کے مابین دی گئی گواہی ہے۔

صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے چند مشترکہ فضائل و مناقب

عمر بھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ صحبت میں رہنے والے اور مرنے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیے جانے والے حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے الگ الگ فضائل و مناقب کے بارے میں ارشاداتِ نبوی اور آثارِ صحابہؓ آپ نے پڑھ لیے جبکہ کتبِ حدیث میں بعض احادیث ایسی بھی ہیں جن میں ان دونوں جلیل القدر صحابہؓ کے ایمان و عمل صالح اور بہترین جزائے اخروی کی شہادات مذکور ہیں۔ کسی کے ایمان کی صداقت و رفعت اور نبیٔ امت کے اُن پر اعتمادِ کامل کا ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ وہ خود تو حاضرِ مجلس نہ ہوں، مگر نبیٔ امت یہ شہادت دے دیں کہ اس بظاہر ناقابلِ یقین چیز پر بھی میں اور فلاں فلاں شخص ایمان رکھتے ہیں۔ یہ شرف حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو نصیب ہوا، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور مسندِ احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں ایک نماز پڑھائی پھر جب ہماری طرف رُخِ انور کو پھیرا تو۔ مسندِ احمد) فرمایا، کوئی شخص گائے لیئے جا رہا تھا جب وہ تھک

---

[۴۳۱] بخاری شریف بحوالہ مشکوٰۃ ۳/۱۷۰۷،

Marfat.com

گیا تو اُس گائے پر سوار ہوگیا۔ اس گائے نے کہا۔ ہم اس سواری کے لیئے نہیں بلکہ کھیتی باڑی کے لیئے پیدا کیئے گئے ہیں۔ لوگوں نے کہا، سبحان اللہ! گائے بھی بولتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (بظاہر ناقابلِ یقین واقعہ) پر میرا اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کا ایمان ہے کہ اللہ کے لیئے یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ گائے کو بولنے کی قوت عطا فرمائے۔"

یہ راوی کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اس مجلس میں موجود نہ تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی شخص بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک بکری پکڑ لی۔ چرواہا بروقت پہنچا اور بکری چھڑالی تو اس سے مخاطب ہو کر اس بھیڑیئے نے کہا، اُس دن اِس بکری کا کیا بنے گا جب لوگ اپنے مال مویشی سے بے خبر انہیں درندوں کے حوالے کر دیں گے۔ اور اس کا رکھوالی کرنے والا میرے سوا کوئی نہ ہوگا۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا بھی بولتا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس پر بھی میں اور ابوبکر و عمرؓ ایمان رکھتے ہیں۔ جبکہ یہ دونوں وہاں موجود نہ تھے۔" [۴۳۲]

یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے کمالِ ایمان اور قلبی اطمینان اور بلندیٔ ادراک کی عظیم شہادت ہے۔ [۴۳۳]

اسی طرح بخاری و مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ خاندان نبوت کے عظیم فرد، ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:۔

---

۴۳۲ : مشکاۃ تحقیق الالبانی ، رقم الحدیث ۶۰۴۷ والفتح الربانی ۱۸۳/۲۲

۴۳۳ : انظر ایضاً ترمذی مع التحفہ ۱۰/ ۱۸۴ ، ۱۸۵

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ جام شہادت نوش کر گئے۔ تدفین کے لیئے چارپائی پر لٹائے جا چکے تھے۔ میں بھی وہاں کھڑا تھا کہ لوگوں نے عمر فاروقؓ کے لیئے دعائیں کرنا شروع کیں۔ اچانک ایک شخص میرے پیچھے سے آیا، اور میرے کندھے پر کہنی رکھ کر کہنے لگا (اے عمرؓ) اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیرے (پہلے جانیوالے) دونوں ساتھیوں (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقؓ) کے ساتھ ہی ملا دیگا۔ کیونکہ میں نے بے شمار دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ فلاں جگہ میں تھا اور ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ فلاں کام میں نے کیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ نے کیا۔ فلاں طرف میں چلا اور ابوبکرؓ و عمرؓ چلے۔ فلاں جگہ میں داخل ہوا، اور ابوبکرؓ و عمرؓ داخل ہوئے۔ اور فلاں جگہ سے میں نکلا، اور ابوبکرؓ و عمرؓ نکلے (گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی گہری رفاقت و صحبت اور مسلسل و غیر منقطع معیت کے واقعات کی بنا پر فرمایا: اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ تجھے تیرے ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ ہی ملا دے گا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سب باتیں سننے کے بعد جب میں کہنے والے کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(مشکاۃ شریف ۲/۱۷۰۸)

ترمذی شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے:۔

اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْبَکْرٍؓ وَعُمَرُؓ۔ [۴۳۴]

میں نہیں جانتا کہ کب تک تمہارے درمیان موجود رہوں۔ تم لوگ میرے بعد ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی اقتداء اور اطاعت کرنا۔

---

[۴۳۴] مشکاۃ ۲/۱۷۰۹، حسنہ الترمذی والالبانی ایضاً، ابن ماجہ، مستدرک و مسند احمد، الفتح الربانی ۲۲/۱۸۲

Marfat.com

یہ روایت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی یکے بعد دیگرے خلافت کے استحقاق و اہلیت کی روشن دلیل ہے۔ ایسے ہی ابو داؤد و ترمذی میں ہے کہ "کسی صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ آسمان سے ایک ترازو اترا، اس میں (پہلے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو ابوبکرؓ کا پلڑا بھاری نکلا۔ پھر عمر و عثمان رضی اللہ عنہم دونوں پلڑوں میں ڈالے گئے، تو عمرؓ والا پلڑا بھاری نکلا۔ پھر وہ ترازو اٹھا لیا گیا۔"[۴۳۵]

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کی دلیل موجود ہے۔ بلکہ اس حدیث کے آخری الفاظ میں ارشادِ نبویؐ ہے:

خلافة نبوة، ثم يؤتي الله الملك من يشآء۔

"یہ خلافت نبوت ہے اور پھر اللہ جسے چاہے گا حکومت دے گا۔"

گویا یہ حدیث خلافت پر نصِ صریح ہے۔

فضائل و مناقب کی ان شہادات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ صدق ترجمان سے صادر ہونے والی ان گواہیوں سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے۔ اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے لیے یہی شرف کیا کم ہے کہ ترمذی شریف کی ایک صحیح سند والی حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے:

ابوبكر و عمر، سيدا كهول اهل الجنة من الاولين و الآخرين، الا النبيين والمرسلين۔[۴۳۶]

"ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما، صرف انبیاء و رسل علیہم السلام کو چھوڑ کر، پختہ عمر میں

---

[۴۳۵] الحدیث مشکوٰۃ ۳/۱۷۱۰، وقال الترمذی حسن صحیح وقال الالبانی سندہ جید ان کان الحسن۔ وھو البصری، سمعہ من ابی بکرہ، الفتح الربانی ۲۳/ ۱۳ - ۲۲/۱۸۷۔

[۴۳۶] مشکاۃ رقم الحدیث ۶۰۵۰ وصححہ الالبانی، الفتح الربانی ۲۲/۱۸۴

Marfat.com

فوت ہوکر) جنت میں جانے والے پہلے، پچھلے تمام انسانوں کے سردار ہوں گے[۴۲۷]
کسی شخص کے لیے صرف جنتی ہو جانے کی خوش خبری ہی دنیا جہان کی تمام سعادتوں اور دولتوں سے بڑھ کر ہے۔ جبکہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف جنتی ہونے بلکہ اہل جنت کے سردار ہونے کی بشارت عطا فرمائی ہے۔ رضی اللہ عنہما وارضاہما۔

ایک روایت میں ہے کہ:۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں مسجد میں تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف ابوبکرؓ، اور بائیں طرف عمرؓ رضی اللہ عنہما تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں ان کے ہاتھ تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ھکذا نُبعثُ یوم القیامۃ[۴۲۸]

"ہم قیامت کے دن بھی اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔"

اور زوائد مسند احمد میں صحیح (جید) سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قُبِضَ رسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم واستخلف ابوبکر رضی اللہ عنہ فعمل بعملہ وسار بسیرتہ حتّٰی قبضہ اللہ عزّو جلّ علیٰ ذٰلک، ثُمّ استخلف عمر رضی اللہ عنہ علی ذلک فعمل بعملہما وسار بسیر تہما حتّٰی قبضہ اللہُ عزوجلّ علی ذلک۔[۴۲۹]

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار و عمل کو اپنایا، اور تاحیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج و طریقہ (سیرت) پر چلتے رہے۔ (اور ان کی وفات کے بعد) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بھی ان دونوں کے کردار و عمل کو اپنایا، اور تاحیات ان دونوں کے منہج و طریقہ پہ چلتے رہے۔"

فضائل ومناقب حضرت عثمان ذوالنورین

رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور مختصر حالاتِ زندگی۔

تیسرے خلیفہ راشد کا اسمِ گرامی عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبد شمس اموی قرشی مدنی تھا، اور ابو عبداللہ و ابو عمرو کنیت تھی۔ جبکہ امیرالمومنین، ذوالنورین، مجہز جیش العسرہ اور مشتری بئر رومہ آپ کے القاب تھے۔

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ

"آپ کی کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ ساری رات ایک ہی رکعت میں گزار دیا کرتے تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی تدفین کے تین دن بعد یکم محرم ۲۴ھ کو ان کی خلافت پر بیعت لی گئی۔ اور ۳۵ھ میں بیاسی سال کی عمر میں ظلماً شہید کر دیئے گئے۔ آپ چند دن کم بارہ سال خلیفہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے لوگوں نے اپنے نفسوں پر ایسے فتنے کا دروازہ کھول لیا جو قیامت تک بند ہونے والا نہیں۔

آپ ایک سو چھیالیس حدیثوں کے راوی ہیں جن میں سے تین متفق علیہ، آٹھ صرف

---

۴۳۷ ؎۔ ترمذی شریف میں یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند ضعیف ہے۔ اس کے آخر میں ہے: "یا علی لا تخبرهما" اے علیؓ! اس بشارت کی خبر انہیں مت دو۔ ابن ماجہ میں یہ الفاظ ہیں: "ما داما حیین" جب تک وہ زندہ ہیں (بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی)

۴۳۸ ؎۔ مشکاۃ ۳/ ۱۷۰۹-۱۷۱۰، العلم ان الترمذی قد قال، و سعید بن مسلمہ (احد رواتہ) لیس عندھم بالقوی، و وافقہ الالبانی۔

۴۳۹ ؎۔ الفتح الربانی ۲۲/ ۱۸۴

Marfat.com

بخاری شریف میں اور پانچ صرف مسلم شریف میں ہیں۔ اور باقی دیگر کتبِ حدیث میں مذکور ہیں۔ [۴۴]

فضائل و مناقب:-

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ وام کلثوم رضی اللہ عنہما کے یکے بعد دیگرے شوہر، اور اسی عظیم سعادت کی مناسبت سے ذوالنورین کا لقب پانے والے، ایک یہودی سے منہ مانگی قیمت بیس ہزار دینار دے کر بئرِ رومہ نامی کنوآں خرید کر، بعد میں بئرِ عثمانؓ کے نام سے معروف ہوا، وہ کنوآں مسلمانوں کے لیئے وقف کرنے والے، گرمی کی شدت، پانی، زادِ راہ اور سواریوں کی قلت اور سخت قحط کے موقع پر پیش آنے والے جیش العسرۃ یعنی غزوۂ تبوک کے مجاہدین کو زرِ کثیر خرچ کر کے تیار کرنے والے اور بیعتِ رضوان کے موجب، قاصدِ رسول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی، اور چند دن کم بارہ سالہ عہدِ خلافت کی تاریخ پر کثیر مورخین اور اہلِ علم نے بہت کچھ لکھا ہے۔

خصوصاً تاریخ دمشق میں تو ان کی سیرت کا کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف زبانِ رسالت سے نکلنے والے چند صحیح اسناد سے مروی ارشادات کی روشنی میں ان کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ،

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں لیٹے ہوتے تھے، آپؐ کی دونوں رانیں یا پنڈلیاں ننگی تھیں کہ باہر سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی، اور خود اسی حالت میں یعنی کھلی پنڈلیوں سے ہی لیٹے مصروفِ گفتگو رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو انہیں بھی اجازت دی اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی

---

[۴۴] المرعاۃ ۱/۱۰۶، تحفۃ الأحوذی ۱۰/۸۷-۱۸۶ و ۱۹۰۔

Marfat.com

طرح مصروفِ گفتگو رہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑوں کو اچھی طرح درست کر لیا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باہر نکل گئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (اے اللہ کے رسولؐ) جب ابوبکرؓ داخل ہوئے تو آپؐ ان کے لیئے اپنی جگہ سے نہیں ہلے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیئے (درستیٔ پوشاک کی) کوئی پرواہ کی، پھر جب عمرؓ داخل ہوئے تب بھی آپؐ ان کے لیئے نہیں اُٹھے، اور نہ ہی (درستیٔ پوشاک کی) کوئی پرواہ کی، پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور اپنے کپڑوں کو درست فرما لیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَلَا أَسْتَحِي مِنْ رَجُلٍ، تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ

کیا میں اُس آدمی سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں؟

اور صحیح مسلم کی ہی حدیث میں اس واقعہ کے بعد ارشادِ نبویؐ ہے:۔

اِنَّ عثمانَ رجلٌ حييٌّ، وانّي خشيتُ ان اَذنتُ له على تلك الحالةِ ان لّا يبلغَ اليَّ في حاجتِه۔ [۴۴۱]

"عثمانؓ بڑے حیادار آدمی ہیں، اور میں ڈر گیا کہ اگر میں نے انہیں اسی حالت میں رہتے ہوئے اندر آنے کی اجازت دے دی تو وہ اپنی ضرورت پیش کرنے کے لیئے (مارے شرم کے) مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

اندازہ فرمائیں کہ بخاری و مسلم میں جس صفتِ حیاء کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

الحياء شعبة من الايمان [۴۴۲] "کہ حیاء ایمان کا حصہ ہے"

[۴۴۱]:۔ مشکاۃ ۳/ ۱۲/ ۱۷۱۲،

[۴۴۲]:۔ متفق علیہ مشکاۃ ۳/ ۱۴۰۷،

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سراپا حیاء قرار دے رہے ہیں، کہ جن سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں۔ اللہ اکبر، نہ ہے نصیب۔

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان کے موقعہ پر جبکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا ہوا تھا تو اُنہیں اس بیعت کے شرکاء میں شامل کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں دستِ مبارک کو (ہوا میں لہراتے ہوئے) فرمایا

ھٰذہٖ ید عثمان "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے"

پھر اسے اپنے دُوسرے دستِ مُبارک پر مار کر فرمایا:۔

ھٰذہٖ لعثمان [۴۴۳] "یہ عثمانؓ کی طرف سے بیعت ہے۔"

سُبحان اللہ! کیا نرالی شان ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں دست مبارک کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نائب و قائمقام قرار دیا، اور خُود ان کی طرف سے بیعت کی شرط ادا فرمائی۔ اور بخاری شریف کی اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ:

غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آنے والی (پہلی) دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری پر مامور کرتے ہوئے فرمایا:۔

انّ لک اجر رجلٍ مِمّن شھد بدرًا وسھمہٗ [۴۴۴]

"تمہیں بدری صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کے برابر اَجر و ثواب اور مالِ غنیمت کا حصّہ ملے گا۔"

---

[۴۴۳] مشکاۃ شریف ۳/۱۷۱۶،

[۴۴۴] مشکاۃ، تحقیق الالبانی ۳/۱۷۱۵،

Marfat.com

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیئے یہی شرف کیا کم ہے کہ ترمذی و مسندِ احمد
میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ :۔
جیش العسرہ (المعروف بہ تبوک کے مجاہدین) کی تیاری کے موقعہ پر (اس زمانے کی خطیر رقم) ایک ہزار دینار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام دینار اپنی جھولی میں بکھیر لیئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم يقلبها في حجره ويقول: ما ضرّ عثمان ما عمل بعد اليوم [۴۲۵]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ان دیناروں کو الٹ پلٹ رہے تھے، اور زبان مبارک سے فرما رہے تھے آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ان الفاظ کی وضاحت یوں لکھی ہے کہ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کوئی گناہ بھی کرے تو اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بلکہ وہ اس عظیم قربانی کی بدولت بخش دیا جائے گا۔ (تحفۃ الاحوذی ۱۰/۹۳)
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ دو مرتبہ دہرائے۔
ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشادِ نبوی ہے :۔
يا عثمان انه لعل الله يقمصك قميصا فان أرادوك (ولفظ ابن ماجه فاراداك المنافقون) على خلعه فلا تخلع لهم۔ [۴۲۶]

---

[۴۲۵] ۔ مشکاۃ ۳/۱۷۱۳ وحسنہ الالبانی ، ترمذی مع التحفۃ ۱۰/۹۳ طبع مدنی

[۴۲۶] ۔ مشکاۃ ۳/۱۷۱۵ وصححہ الالبانی ،
ترمذی مع التحفۃ ۱۰/۲۰۰

Marfat.com

اے عثمان! ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں (خلعتِ خلافت کی) قمیص پہنائے،
بس اگر منافقوں نے تمہیں معزول کرنا چاہا تو تم معزول نہ ہونا۔

اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے برحق ہونے اور مخالفین کے لمعًا باطل پر ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی و ابن ماجہ میں مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عنقریب واقع ہونے والے فتنوں کا ذکر کرتے سنا۔ اسی دوران قریب سے ایک شخص منہ پر کپڑا لپیٹے گزرا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس (بلوائیوں کے فتنہ کے) دن یہ حق و ہدایت پر ہوگا۔ میں اٹھا اور جاکر دیکھا، کہ وہ شخص عثمان ہیں۔ میں نے ان کا چہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر کر پوچھا کہ یہ شخص؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں۔ [۳۴۷]

---

[۳۴۷] ترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۱۹۸-۱۹۹، مشکاۃ ۳/ ۱۷۱۴ وصححہ الالبانی۔

فضائل ومناقب صدیق وفاروق وغنی
رضی اللہ عنہم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشاداتِ گرامی ایسے بھی ہیں جن میں حضرت ابوبکر صد
حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم تینوں کے فضائل ومناقب یکجا ملتے ہیں، ج
صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤد وترمذی اور نسائی ومسند احمد میں ملتے جلتے الفاظ کی ایک حد
ہے اور ان میں بخاری شریف کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
فرماتے ہیں:۔ اَنَّ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم

صَعِدَ اُحُدًا، والوبکر وعمر وعثمان فرجف بھم۔ فضربہ
برجلہٖ فقال اثبت اُحُد۔ فانّما علیک نبیٌّ وصدیق وشہیدان[۴۲۸]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم جبلِ اُحد پر چڑھے، ان
(چاروں حضرات) کو اپنے اوپر پاکر جبلِ اُحد لہرانے لگا (شارحین حدیث لکھتے ہیں،
کہ جبلِ اُحد کا یہ لہرانا یا ہلنا ان چاروں حضرات کو اپنے اوپر یکجا پانے کی خوشی وفرطِ
مسرت کا اظہار تھا) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قدم مبارک سے پہاڑ پر ضرب
لگائی۔ اور فرمایا: اے اُحد! اپنی جگہ پر جم جا، اس وقت تجھ پر ایک نبی ہے، ایک
صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے مذکور ہیں۔ پہلا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا پہاڑ کو حکم فرمانا، کہ حرکت مت کر، اس پر اس کا اپنی جگہ پر ہی جم جانا۔ اور دوسرا معجزہ حضرت
فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے جامِ شہادت نوش کرنے کی پیش گوئی، جو من وعن پوری
ہوئی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو (مغیرہ بن شعبہ کے) ایک عیسائی غلام ابولؤلؤہ نے نماز

[۴۲۸]۔ ترمذی مع التحفہ ۱۰/۱۸۵-۱۸۶، الفتح الربانی ۲۲/۱۶۶، مشکاۃ ۳/۱۷۱۷۔

Marfat.com

کے دَوران خنجر مارا، جو ان کی شہادت کا باعث ہُوا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے شہید کر دیا۔ اور ان معجزات کے علاوہ اس حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مُبارک سے حضرت صدیق کی صداقت اور عُمر فارُوق و غنی رضی اللہ عنہما کی موتِ شہادت کی گواہی بھی مل گئی۔

اس طرح بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث جو صحیحین کے علاوہ ابُوداؤد و نسائی، مسندِ احمد و طبرانی اوسط میں بھی ہے۔ بخاری و مسلم اور نسائی میں اس کے راوی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ جبکہ دیگر کتب میں یہ حضرت نافع بن عبدالحارث رضی اللہ عنہ سے مَروی ہے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باغاتِ مدینہ میں سے کسی باغ میں تھا کہ باہر سے کسی آدمی نے آکر دَروازہ بجایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا:-

اِفْتَحْ لَہٗ وَبَشِّرْہُ بِالْجَنَّۃِ۔ اس کے لیئے دروازہ کھول دو اور اس آنے والے کو جنّت کی خوشخبری دے دو۔

میں نے جاکر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وُہ آنے والے شخص ابوبکر تھے۔ میں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہُوئی جنّت کی بشارت دی تو انہوں نے (اس سعادت پر) اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی۔ الحمد للہ وغیرہ کہا۔ پھر کوئی دُوسرا آیا، اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا:-

افتح لہ وبشرہٗ بالجنّۃ: اس کے لیئے بھی دروازہ کھول دو، اور اسے بھی جنّت کی خوشخبری دے دو۔

میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ حضرت فارُوق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے اُنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمُودہ (بشارت جنّت کی) خبر دی تو انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر کسی اور شخص نے بھی دَروازہ کھٹکھٹایا تو مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے

Marfat.com

حکم فرمایا۔

اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ۔

اس کے لیئے بھی دروازہ کھول دو اور جنّت کی بشارت بھی دے دو، مگر انہیں (حصولِ جنّت کے لئے) ایک بلوے کا شکار ہونا پڑے گا۔

(میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ) وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی فرمائی ہوئی (جنّت اور بلوے کی) خبر دی تو انہوں نے (پہلے جنّت کی بشارت پر) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ [۴۲۹] (بلوے یا دیگر مصائب میں) اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔

شارح مسلم امام نووی رحمہ اللہ نے (شرح مسلم میں اس حدیث کے تحت) لکھا ہے کہ اس ان تینوں حضرات کی فضیلت مذکور ہے۔ اور یہ کہ تینوں اہل جنت میں سے ہیں۔ اور یہ کہ تینوں حضرات ہی تا دمِ آخر ایمان و ہدایت پر رہیں گے۔ اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ بھی ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے پہلے ہی فرما دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا جائے گا۔ اور اس بلوہ میں وہ مظلوم شہید کر دیئے جائیں گے۔

(تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ۱۰/ ۲۰۷-۲۰۸)

اور اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشادِ نبوی کی تصدیق کرنا کتنا ایمان افروز اور حیرت ناک ہے کہ بلوہ کی پیش گوئی سن کر یہ نہیں کہا کہ اے اللہ مجھے اس آزمائش سے دو چار ہی نہ کرنا بلکہ فرمایا۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

اور مسندِ احمد وغیرہ کی روایت میں اَللّٰهُمَّ صَبْرًا کے الفاظ بھی ہیں کہ اے اللہ تیرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو پیش گوئی کی ہے وہ تو یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔ تو میری مدد کرنا۔ اور اس آزمائش میں مجھے صبر و ہمت عطا کرنا۔

---

[۴۲۹] الفتح الربانی ۲۲/ ۱۸۴-۱۸۵، مشکاۃ ۳/ ۱۷۱۷، ترمذی مع التحفہ ۱۰/ ۲۰۷-۲۰۸

Marfat.com

یہ دونوں حدیثیں جو دیگر کتب کے علاوہ خاص مسلم و بخاری جیسی بلند پایہ اور مسلمہ صحت
ب میں موجود ہیں، یہ اصحاب ثلاثہ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان
النورین رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کی ایسی شہادتیں ہیں کہ اگر انہیں دوسری کوئی بھی
فضیلت میسر نہ آتی تو ان کے لیے یہی کچھ بھی کیا کم تھا؟ مگر ان بزرگوں کے اوصاف حمیدہ
ر فضائل سدیدہ سے تو کتابیں بھری پڑی ہیں۔ رضی اللہ عنہم و ارضاہم۔

فضائل و مناقب حضرت علی

رضی اللہ عنہ

نام و نسب اور حالات زندگی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفہ راشد کا اسم گرامی علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ہاشمی قرشی تھا۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ابوتراب کی کنیت عطا فرمائی۔ راجح روایت کی رو سے دس برس کی عمر کے تھے کہ اسلام قبول کیا۔ اور بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے کا شرف پایا، اور ابوتراب کنیت پانے کا واقعہ صحیح بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے دن بروز جمعہ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ ہوئے۔ چار سال نو ماہ اور چند دن خلافت رہی، اور ایک شقی القلب خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی کے ہاتھوں تیرہ رمضان ۴۰ھ کو کوفہ میں ترسیٹھ برس کی عمر مسنون میں شہادت پائی اور شہادت کے دن وہ تمام زندہ بنی آدم میں سب سے افضل انسان تھے۔ آپ چھیاسی حدیثوں کے راوی ہیں، جن میں سے بیس متفق علیہ، نو صرف بخاری میں، پندرہ صرف مسلم میں اور باقی دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ [۴۵۰]

Marfat.com

فضائل ومناقب۔

کم سن مسلمانوں میں سب سے پہلے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے والے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ
کے داماد اور چچازاد، جگر گوشہ رسولؐ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار، حسنین کے والد
اور فاتح خیبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب، سیرت وسوانح اور وقائع حیات کی
فہرست بھی بڑی طویل ہے۔ اور کتبِ تاریخ وسیرت کی روایات وحکایات سے قطع نظر اگر
صحیح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھا جائے تو ان کا مقام بلند اور مرتبہ عالی معلوم ہوتا
ہے۔ اور ان کے مقام ومرتبہ کا اندازہ تو صحیح مسلم اور ترمذی شریف میں مذکور اس ارشادِ نبوی
سے لگایا جا سکتا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حبِّ علی رضی اللہ عنہ کو ایمان کی علامت اور
بغضِ علی رضی اللہ عنہ کو نفاق کی نشانی قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم وترمذی میں خود حضرت علی رضی اللہ
عنہ فرماتے ہیں کہ

"مجھے قسم ہے اس ذاتِ الٰہی کی جس نے دانے کو چیر کر انگوری نکالی اور نسلِ انسانی کی تخلیق فرمائی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری نسبت وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لَا یُحِبُّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ۔ [۴۵۱]

میرے ساتھ محبت کرنے والا مومن اور مجھ سے نفرت کرنے والا منافق ہوگا۔"

شارحین نے اس ارشادِ نبوی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

یہاں افراط وتفریط اور غلو سے پاک شرعی محبت مراد ہے جو حقیقت اور واقع کے مطابق
ہو۔ اس طرح نصیری وخارجی جو حبِّ علی رضی اللہ عنہ میں افراط وتفریط کا شکار ہوئے
وہ محبانِ علی رضی اللہ عنہ سے خارج ہو گئے۔ ایسے ہی جو شخص حبِ علیؓ رضی اللہ عنہ کے
دعویٰ کے پہلو بہ پہلو بغضِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما (اور بعض صحابہؓ) میں مبتلا ہو۔ اس

۴۵۰۔ تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۰۹-۲۱۰ ، المرعاۃ ۱/ ۱۶۸-۱۶۹

۴۵۱۔ مشکاۃ ۳/ ۱۷۱۹ ، ترمذی مع التحفہ ۱۰/ ۲۳۹-۲۴۰ واللفظ لمسلم۔

کی حبِ علی رضی اللہ عنہ بھی حبِ مشروع شمار نہیں کی گئی۔ اور وہ شخص جو دعوائے مسلمانی کے باوجود بغض علی رضی اللہ عنہ کا شکار ہو، وہ اس ارشادِ نبوی کی رو سے حقیقی یا حکمی، منافق ہوگا۔" [۴۵۲]

کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حبیبِ خدا اور حبیبِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

"غزوۂ خیبر پر روانگی کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل یہ جھنڈا میں اس آدمی کو عطا کروں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح دے گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والا ہوگا۔ اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ہر صحابی کی خواہش تھی کہ یہ جھنڈا اسے ہی ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: علی بن ابی طالب کہاں ہے؟ صحابہ نے بتایا، اے اللہ کے رسول ان کی آنکھیں خراب ہیں۔ فرمایا: اسے پیغام بھیجو۔ بعض صحابہؓ جا کر انہیں لے آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن یعنی تھوک لگایا جس سے ان کی آنکھوں کی تکلیف ایسے غائب ہو گئی کہ گویا کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر انہیں وہ جھنڈا عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جھنڈا ہاتھ میں لے کر) فرمایا: اے اللہ کے رسول میں ان (اہلِ خیبر یہود) سے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا، جب تک وہ بھی ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں۔ آرام و سکون سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاؤ، اور جب ان (اہلِ خیبر کے علاقے میں پہنچ جاؤ تو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا، اور بتانا کہ ان پر اسلام کی رو سے کیا کیا حقوق اللہ واجب ہیں۔ اور آگے فرمایا:۔

فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ

---

[۴۵۲] :۔ تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۳۹-۲۴۰

Marfat.com

اَنْ یَکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ۔ [۴۵۳]

بخدا اگر تمہارے ذریعے اللہ تعالیٰ کسی ایک انسان کو راہِ ہدایت پر لگا دے تو یہ تمہارے لیئے سُرخ اونٹوں سے بھی زیادہ بہتر ہے۔

صحیحین کی اس حدیث میں فتحِ خیبر کی پیش گوئی ہے۔ اور وہ بھی حضرت علی کرم اللہ و[جہہ] کے ہاتھوں، اسی مناسبت سے وہ فاتحِ خیبر کے لقب سے بھی معروف ہیں۔ اور اس [ارشادِ] نبویؐ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیئے دوسری بشارت یہ بھی مذکور ہے کہ وہ اللہ [اور] کے رسولؐ سے، اور اللہ اور اس کا رسولؐ ان سے محبت رکھتے ہیں۔

اور بخاری و مسلم میں تو یہاں تک ارشادِ نبویؐ ہے۔

اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔ [۴۵۴]

اے علیؓ! تم مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس ارشادِ نبویؐ کے تحت لکھا ہے کہ:

حسب و مصاہرت اور محبت و مسابقت میں ہم دونوں ایک دوسرے سے ہیں

(تحفۃ الاحوذی ۱۰/۲۱۱)

اس واضح مفہوم کے علاوہ کوئی من چاہا مطلب لینا اس لیئے صحیح نہیں کہ ایسے ہی الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جُلَیبیب رضی اللہ عنہ کے علاوہ اشعریوں اور بنی ناجیہ کے بارے میں بھی ارشاد فرماتے ہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم اور مسندِ احمد میں مذکور احادیث [سے] سے پتہ چلتا ہے۔ [۴۵۵]

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیئے یہی شرف کیا کم ہے؟ کہ بخاری و مسلم کی [ایک]

---

[۴۵۳]: متفق علیہ، مشکاۃ ۳/ ۱۷۱۹ – ۱۷۲۰۔

[۴۵۴]: متفق علیہ، مشکاۃ ۲/ ۱۰۰۷۔

[۴۵۵]: انظر ایضاً تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۲۱۲ و مسلم ۴/ ۱۹۱۸، ۱۹۴۴ تحقیق محمد فؤاد۔

Marfat.com

متفق علیہ حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:۔

انت منی بمنزلة هارون من موسٰی اِلّا انهٗ لا نبیّ بعدی ۔[۴۵۶]

اے علی! میری نسبت تمہارا مقام وہی ہے جو موسٰی علیہ السلام کی نسبت ہارون علیہ السلام کا تھا، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

اس ارشادِ نبویؐ کا صحیح مفہوم سمجھنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے چند امور کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً

۱۔ حضرت موسٰی اور ہارون سگے بھائی تھے۔

۲۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی موسٰی علیہ السلام کی طرح نبی بنا دیئے گئے تھے۔

۳۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات موسٰی علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ان کی زندگی میں ہو گئی تھی۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے پیچھے مدینہ منورہ چھوڑ کر خود غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے تھے۔

۵۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں نقل کیا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں ہی کوہِ طور پر مناجات کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام کو پیچھے چھوڑ گئے تھے۔[۴۵۷]

ان پانچوں نکات کو سامنے رکھا جائے تو کوئی غلط مفہوم اخذ کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ اور فضیلت و منزلت کا بھی پتہ چل جاتا

---

[۴۵۶]۔ متفق علیہ مشکاۃ ۱۷۱۹/۳ -

[۴۵۷]۔ تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۲۲۹ - ۳۶ - ۲۳۵ ،

ہے۔[۴۵۸] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

---

۴۵۸ :۔ اور ترمذی و مسند احمد میں ارشادِ نبوی ہے۔ مَن کنتُ مولاہُ فعلیٌّ مولاہُ (مشکاۃ ۳/۱۷۲۰، صحیح الالبا...
اور ترمذی میں ہے، انّ علیاً منّی و أنا منہ وھو ولیّ کلّ مؤمن (الہ...
السابق) ان ارشادات میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ البتہ جو غ...
مفہوم اخذ کیا جاتا ہے اس کے تفصیلی جوابات کے لیئے ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۲۱۱ - ۲۱۶
اور فضائل و مناقب علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک روایت جو بڑی معروف ہے:
اَنَا دارالحکمۃ و علیٌّ بابُھا۔ (ترمذی مع التحفۃ ۱۰/ ۲۲۶ ، مشکاۃ ۲/ ۱۷۲۱
یہ روایت خود امام ترمذی اور ان کے علاوہ حافظ ابن حجر عسقلانی ، شیخ البانی ، علامہ عبدالرحمان
مُبارک پوری اور دیگر محدثین کے نزدیک سخت ضعیف اور ناقابلِ استدلال ہے۔
(تفصیل کے لیئے دیکھئے تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۲۲۶ ــ ۲۷ ، مشکاۃ و تحقیقہ ۳/ ۱۷۲۱ و رسالۃ ملح...
بالمشکاۃ لابنِ حجر عسقلانی ۳/ ۸۹-۱۷۸۸ طبع المکتب الاسلامی) اَنَا مدینۃ العلم و علیٌّ بابُھا۔ ا...
حدیث کے ضعیف ہونے کی تفصیلی تحقیق کے لیئے دیکھئے ماہنامہ محدّث لاہور جلد ۱۷ ، شمارہ ۳ ، ۴ ، ۵
مشترکہ ۶ ، ۷ از ربیع الاول ۱۴۰۷ھ تا رجب ۱۴۰۷ھ مطابق نومبر ۱۹۸۶ء تا مارچ ۱۹۸۷ء مضمون غازی عزیز...

✥

فضائل ومناقب عشرہ مبشرہ وخلفاءِ اربعہ راشدین

وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کے بالترتیب اور یکے بعد دیگرے چاروں کے فضائل ومناقب مختصر انداز سے آپ کے سامنے رکھے جا چکے ہیں۔ جو ہم نے صرف ان احادیث سے اخذ کیے ہیں جنہیں اہلِ علم نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔ اور اس باب میں ضعیف، اور موضوع ومن گھڑت روایات بھی بکثرت ہیں۔ جن سے ہم نے عمداً گریز کیا ہے۔ اور کوئی ایک روایت بھی منتخب کر کے آپ کے سامنے نہیں رکھی۔ کیونکہ جب صحیح وثابت احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وافر ذخیرہ موجود ہے تو اسی پر اکتفا کرنے میں ہی برکتیں اور دین وایمان کی سلامتی ہے۔ اور یہ نہ صرف ان فضائل ومناقب کے سلسلہ میں ہے بلکہ ہر موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے ہمارا طریق کار یہی ہے کہ حتی المقدور کوشش اور تلاش کے بعد صرف صحیح وحسن درجہ کی احادیث سے استدلال کیا جائے۔ والعصمۃ للہ وبیدہ التوفیق۔

اور کتنی ہی احادیثِ رسول ایسی بھی ہیں جن میں ان چاروں ہی خلفاءِ راشدین کے فضائل ومناقب یکجا ہیں۔ اور ان میں سے بعض میں چھ دیگر جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی شامل ہیں، جو مجموعی طور پر عشرہ مبشرہ کے نام سے معروف ہیں۔ اور ان دس صحابہؓ میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بخاری ومسلم کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حواری قرار دیا ہے۔ اور فداکَ اَبی واُمّی فرما کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بخاری ومسلم کے ایک ارشادِ نبوی میں آمین ھٰذہِ الامۃ کے لقب سے نوازا ہے[۴۵۹]

جبکہ ترمذی وابن ماجہ اور مسند احمد کی ایک صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

۴۵۹۔ انظر النصوص فی المشکوٰۃ ۳/۱۷۲۵-۱۷۲۶ محقق۔

Marfat.com

اپنے دس صحابہؓ کو جنتی ہونے کی خوشخبری سنائی، چنانچہ ارشادِ نبویؐ ہے:

ابوبکرٍ فی الجنۃ، وعمر فی الجنۃ، وعثمان فی الجنۃ، وعلیٌّ فی الجنۃِ، وطلحۃ فی الجنۃ، والزبیر فی الجنۃ وعبدالرحمٰن بن عوف فی الجنۃ، وسعد بن ابی وقاص فی الجنۃ، وسعید بن زید فی الجنۃ، والبوعبیدۃ بن الجراح فی الجنۃ [۴۶۰]

ابوبکر جنتی ہیں، اور عمر جنتی ہیں، اور عثمان جنتی ہیں، اور علی جنتی ہیں، اور طلحہ جنتی ہیں اور زبیر جنتی ہیں۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، اور سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، اور سعید بن زید جنتی ہیں۔ اور ابوعبیدہ بن جرّاح بھی جنتی ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

بہرحال اس حدیث شریف میں ایسے دس سعادتمند صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی ہیں جن کو اس دُنیا میں ہی جنت کا پروانہ مل گیا تھا۔

اور بخاری ومسلم کے ایک ارشادِ نبویؐ میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح اس شرف سے نوازا، کہ غزوۂ اُحد کے دن ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یا سعد اِرم فداك أبی وامی۔ [۴۶۱]

اے سعد تیر اندازی کرتے جاؤ، تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں،

اور مسند احمد وغیرہ کی ایک حدیث میں ان حضرات سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ بشارت مذکور ہے:۔

وسعدُ بنُ مالك فی الجنۃ (الفتح الربانی ۲۲/ ۱۸۹)

اور سعد بن مالک بھی جنتی ہیں۔

[۴۶۰] ۔ مشکاۃ ۳/۲۷-۱۷۲۶، ترمذی مع التحفہ ۱۰/ ۲۴۹، الفتح الربانی ۲۲/ ۱۸۹۔ اور ایک حدیث میں یہ نام لینے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے عشرۃ فی الجنۃ، یہ دس اشخاص جنتی ہیں۔

[۴۶۱] ۔ متفق علیہ، مشکاۃ ۳/ ۱۷۲۵،

Marfat.com

اور بخاری و مسلم کی ایک حدیث جس میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو جنت میں ایک محل ملنے کی بشارت دی۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں نے جنت میں اُمِّ انس حضرت رُمیصاء رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ اور اسی حدیث میں ہے کہ میں نے ایک آہٹ سی سنی پوچھا یہ کون ہے؟ تو (حضرت جبرائیلؑ نے) بتایا کہ یہ (آپ کے موذن) بلالؓ ہیں۔[۴۶۲]

اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے

انہ عاشر عشرۃٍ فی الجنۃ ۔[۴۶۳]

کہ یہ بھی دس جنتی صحابہؓ میں سے ہیں، یعنی ان کی طرح ہی ہیں۔

اور بخاری و مسلم شریف حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:۔

اِنّہ من اھل الجنۃ (مشکاۃ ۳/۱۷۴۹)

کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔

اور بخاری و مسلم ہی کی ایک حدیث میں حضرت قیس بن عباد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، میں بیٹھا تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا۔ جس کے چہرے پر خشوع کے آثار نظر آرہے تھے۔ صحابہؓ نے کہا کہ یہ شخص اہلِ جنت میں سے ہے۔ اس تفصیلی حدیث کے آخر میں ان کے بارے میں ارشادِ نبویؐ منقول ہے کہ:

اَنْتَ علے الإسلام حتی تموت ۔[۴۶۴]

موت آنے تک تم اسلام پر رہو گے۔

اور غالباً اسی بشارت کی بنا پر اور دوسری جنت کی بشارتوں کے پیشِ نظر صحابہؓ نے یقین سے کہا کہ یہ شخص اہلِ جنت میں سے ہے۔

---

[۴۶۲]: مشکاۃ ۳/۱۷۰۲ و ۱۷۴۸۔

[۴۶۳]: مشکاۃ ۳/۱۷۵۷، ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۱۰/ ۳۰۷

[۴۶۴]: انظر النص الکامل فی المشکاۃ ۳/۱۷۵۹

بلکہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں تو یہاں تک بھی ہے کہ :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشم کا ایک حلّہ ہدیہ دیا گیا۔ صحابہؓ نے اسے چھونا، اور اس کی نرمی پر تعجب کرنا شروع کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اس کی نرمی پر تعجب کر رہے ہو، سعد بن معاذؓ کو جنت میں ایسے رومال دیئے جائیں گے جو اس سے کہیں زیادہ بہتر اور نرم ہوں گے۔ ۴۶۵

اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہی صحیح بخاری و مسلم شریف میں ہے :

اِھتزّ عرش الرحمٰن لموت سعد بن معاذ (مشکاۃ ۱۷۴۹/۳)

سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی موت پر عرشِ الٰہی ہل گیا۔

اور نسائی شریف میں ہے :-

ھذا الذی تحرک لہ العرش وفتحت لہ ابواب السماء وشھدہ سبعون الفا من الملٰئکۃ۔ ۴۶۶

(یہ وہ (سعادتمند) شخص ہے کہ جس کے لیئے عرش بھی حرکت میں آگیا، اور آسمان کے دروازے اس کے لیئے کھول دیئے گئے۔ اور اس کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے۔

علامہ عبید اللہ رحمانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی روح کی آمد پر خوشی ومسرت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مقام و مرتبہ اور اکرام و احترام پر عرشِ الٰہی حرکت میں آیا۔ اور عرش کے جمادات میں ہونے کے باوجود یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں نیک ارواح

۴۶۵:- مشکاۃ ۱۷۴۹/۳، الفتح الربانی ۲۵۳/۲۲۔

۴۶۶:- مشکاۃ ۴۹/۱ . وقال الالبانی سندہ صحیح علی شرط مسلم۔

Marfat.com

اور ان کے کمالات میں تمیز کی قوت اور ادراک پیدا کر دیا ہو۔[۴۶۷]

اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ :-

اہلِ علم کے مذکورۃ الصدر حدیث کے مفہوم میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ظاہری معنی ہی مراد ہیں کہ عرشِ الٰہی ہی ہلا، اور اس کا ہلنا حضرت سعدؓ کی رُوح کی آمد پر اظہار مسرت تھا۔ اور یہی زیادہ صحیح بات ہے جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ اس سے حاملینِ عرش کا ہلنا مراد ہے۔[۴۶۸]

اور صرف یہی نہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے بلکہ فرشتوں نے ان کے جنازے کو کندھا دیا۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے کہ :

جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو بعض منافقین نے طنز یہ کہا کہ کتنا ہلکا ہے ان کا جنازہ، اور یہ ہلکا پن ان کے بنی قریظہ میں حکم بننے کی وجہ سے ہے۔ یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ جنازہ اس وجہ سے ہلکا نہیں بلکہ اس کی وجہ ہے۔

إِنَّ الملٰئکۃ کانت تحملہ۔[۴۶۹]

کہ فرشتے ان کے جنازے کو اُٹھائے ہوئے تھے۔

صحیح مسلم شریف میں خطیبِ انصار حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے :-

ھو من اھل الجنۃ (مشکوٰۃ ۳/۱۷۵۰)

وہ اہلِ جنت میں سے ہیں۔

اور مسلم شریف میں ہی مروی ہے کہ :

---

[۴۶۷]۔ المرعاۃ ۱/۲۳۱ طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

[۴۶۸]۔ الفتح الربانی ۲۲/۲۵۴ ، فتح الباری ۷/۱۲۴-۱۲۳ طبع دارالافتاء

[۴۶۹]۔ مشکاۃ ۳/۱۷۵۶-۱۷۵۷

Marfat.com

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے غلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت حاطب کے خلاف کوئی شکایت کی۔ اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ وہ ضرور جہنم میں داخل ہوگا۔

تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ وہ (ہرگز) جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ تو غزوۂ بدر و حدیبیہ میں شریک تھے۔ [۴۷۰]

فضائل و مناقب اہل بدر رضی اللہ عنہم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ کرام جنہوں نے اسلام کے پہلے معرکہ حق و باطل غزوۂ بدر میں شرکت کی۔ ان کا ذکر خیر نہ صرف احادیث میں بلکہ خود قرآن کریم میں آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۲۳ (وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ) سے لے کر آیت ۱۲۶ تک۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول پوری سورۂ انفال (بحوالہ فتح الباری ۷/۲۸۶) یا پھر اس کا اکثر حصہ اور بالخصوص آیت ۹ تا ۱۲، تو غزوہ بدر اور بدری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں نازل ہوئیں۔ [۴۷۱]

وہ غزوۂ بدر جس میں بخاری شریف کے مطابق تین سو دس اور کچھ صحابہؓ اور مورخین کے بقول تین سو تیرہ صحابہ کرامؓ نے شرکت فرمائی۔ [۴۷۲]

جن میں سے پینتالیس صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی خود بخاری شریف میں ہی مذکور ہیں۔ [۴۷۳]

---

[۴۷۰] ۔ مشکاۃ ۳/۱۷۵۹ [۴۷۱] ۔ بخاری مع الفتح ۷/۲۸۴-۲۸۷

[۴۷۲] ۔ بخاری مع الفتح ۷/۲۹۱-۲۹۲،

[۴۷۳] ۔ نفس المرجع ص ۳۲۶-۳۲۷ و مشکاۃ شریف ۳/۱۷۶۳-۱۷۶۴،

Marfat.com

اور میدان بدر میں حاضر ہونے والے صحابہ کرام کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی، بخاری و مسلم و ابوداؤد میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدری صحابہ کو فرمایا:۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فقد وجبت لکم الجنّۃ۔[۴۴]
آج کے بعد تم جو بھی عمل کرو تمہارے لیے جنّت واجب ہوئی۔

اور ایک روایت میں ہے: قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ [۴۵]
" مَیں نے تمہیں بخش دیا۔"

اور بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السّلام آئے، اور آکر پوچھا کہ اہلِ بدر کا تمہارے یہاں کیا مقام ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

من افضلِ المسلمین (مشکاۃ)

ان کا شمار افضل مسلمانوں میں سے ہوتا ہے۔

اور ساتھ ہی فرمادیا کہ جو فرشتے میدانِ بدر میں آئے تھے، ان کا بھی یہی مقام ہے (کہ وہ فرشتوں میں سے افضل ہیں۔)

فضائل و مناقب اہلِ حدیبیہ رضی اللہ عنہم

اور غزوۂ بدر کی طرح ہی حدیبیہ اور بیعتِ رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ کرامؓ جن کی تعداد بخاری و مسلم کے مطابق ایک ہزار چار سو تھی۔ (مشکاۃ ۳/۱۷۵۴)

اُن صحابہؓ کی عظمت و رفعت کا اندازہ بھی اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۂ فتح اوّل تا آخر پوری اُنتیس آیات ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے بارے میں ہیں۔ اور بطورِ خاص آیت ۱۸ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

[۴۴، ۴۵] بخاری مع الفتح ۷/۳۰۵، مشکاۃ ۳/۱۷۵۴، الفتح الربانی ۲۲/۱۹۲۔

Marfat.com

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔

اللہ تعالیٰ ان ایمان والوں سے یقیناً راضی ہو گیا ہے جو (ببول کے) ایک درخت کے نیچے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔

اور آخری آیت ۲۹ میں فرمایا:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپؐ کے صحابہؓ کفار کے لیے بڑے سخت اور آپس میں بڑے نرم اور مہربان ہیں۔ آپؐ انہیں رکوع و سجود کی حالت میں دیکھتے ہیں (جس کے ذریعے) وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

اور صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں ارشادِ نبویؐ ہے۔

اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اَحَدٌ شَھِدَ بَدْرًا وَالْحُدَیْبِیَۃَ۔ [۴۶]

مجھے امید ہے کہ بدر و حدیبیہ کے میدان میں حاضر ہونے والے صحابہؓ میں سے ان شاء اللہ کوئی شخص بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

اور مسلم، ابوداؤد اور ترمذی، مسند احمد میں ہی ارشادِ نبویؐ ہے، کہ "وہ صحابہ جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں کوئی ان شاء اللہ ایک شخص بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔" [۴۷]

اور بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حدیبیہ کے دن چودہ سو آدمی تھے۔ اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا:۔

۴۶، ۴۷۔ مشکاۃ ۳/۱۷۵۴، والفتح الربانی ۲۱/۱۰۸ و ۲۲/۱۹۴

اَنتُم الیوم خَیرُ اَھل الارض۔ [۴۷۸]
آج تم روئے زمین پر سب سے بہترین لوگ ہو۔

فضائل ومناقب انصار ومہاجرین رضی اللہ عنہم

بُخاری ومُسلم شریف میں بلاتفریق تمام انصارِ مدینہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ارشاد ہوئی ہے۔

ایۃُ الایمان حبُّ الانصار وایۃُ النِفاقِ بُغضُ الاَنصار۔ [۴۷۹]
انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے۔ اور انصار سے بغض و عداوت نفاق کی نشانی ہے۔

اور بخاری ومُسلم میں ہی فرمایا:۔

مَنۡ اَحبّھُم اَحبّہُ اللہ ومن البغضھم البغضہ اللہ۔ [۴۸۰]
جس نے (انصار سے) محبّت کی، اُس سے اللہ نے محبّت کی۔ اور جس نے ان سے بُغض ونفرت کی۔ اُس سے اللہ نے بغض ونفرت کی۔

اور مسلم شریف میں ہے،

اَللّٰھُمَّ اغفر للانصار وَابناء الانصار وابناء ابناء الانصار (مشکاۃ ۲/۱۷۵۲)
اے اللہ! انصار، ان کی اولاد، اور ان کی اولاد کی اولاد کو مغفرت عطا فرما۔

اور بخاری شریف میں یکے بعد دیگرے دو حدیثیں ایسی ہیں جن کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر تین مرتبہ انصار کے بارے میں فرمایا:۔

انکم احبّ النّاسِ الیّ [۴۸۱] تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہو۔

---

[۴۷۸]۔ مشکاۃ شریف ۲/۱۷۵۴ [۴۷۹] بخاری مع الفتح ۷/۱۱۳ ، مشکاۃ ۲/۱۷۵۱۔
[۴۸۰]۔ حوالہ بالا۔ [۴۸۱]:۔ بخاری مع الفتح ۷/ ۱۱۲، ۱۱۴۔

Marfat.com

اور سورۃ حشر کی آیت ۸ فضائل مہاجرین، اور آیت ۹ فضائل انصار پر ہی مشتمل ہے
اور سورۃ توبہ کی آیت ۱۰۰ میں تو اہل بیت و زوجات رسولؐ سمیت تمام صحابہؓ و صحابیات
اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا پروانہ عطا کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

مہاجر و انصار میں سب سے پہلے (اسلام کی طرف) سبقت کرنے والے، اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ پر راضی ہو گئے۔

اور بخاری شریف میں ہی ارشادِ نبویؐ ہے:۔

اِصبروا حتّٰی تلقَوْنی علی الحوض۔

تم صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھے حوض پر ملو گے۔ یعنی حوض پر ہماری ملاقات ہو گی۔
اور ایک روایت میں ہے:۔

اصبروا حتّٰی تلقَوْنی وموعدکم الحوض۔ [۴۸۳]

تم صبر کرو، میری اور تمہاری ملاقات کا موعد حوض ہے۔
یہ ارشاداتِ نبویؐ، تمام انصار کے اہلِ جنّت ہونے کی شہادت ہیں۔
اور بخاری شریف میں ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں مذکور ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اَصلح الانصار والمهاجرة "اے اللہ انصار و مہاجرین کی اصلاح

---

[۴۸۲]۔ اور سورۃ حشر کی آیت ۸۔ للفقراء المهاجرين ...... هم الصادقون میں فضائل مہاجرین مذکور ہیں۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ نیز دیکھئے بخاری مع الفتح ۷/ ۸ باب مناقب المہاجرین وفضلہم اور دیکھئے ترجمہ آیت ۹ سورۃ حشر، نیز دیکھئے بخاری مع الفتح ۷/ ۱۱۰۔ ۱۱۹ باب مناقب الانصار

[۴۸۳]۔ بخاری مع الفتح ۷/ ۱۱۷۔

(اور انہیں نیک وصالح بنا دے)

اَللّٰھُمَّ اغفِرِ الانصارَ والمہاجرۃ ۔ "اے اللہ انصار و مہاجرین کو مُعاف فرمائے"

اکرم الانصار والمہاجرۃ ۔ "اے اللہ: انصار و مہاجرین کو عزت بخش"

اغفر للمہاجرین والانصار ۔ "اے اللہ: مہاجرین و انصار کو بخش دے"

ارشادِ نبوی ہے ۔

اَللّٰھُمَّ لَاعَیْشَ اِلَّاعیش الآخرۃ فاصلح الانصار والمہاجرۃ ۔

اے اللہ! بس حقیقی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے ۔ پس تو مہاجرین و انصار کی اصلاح فرما ۔

قولِ انصار یوم خندق ۔

نَحنُ الّذین بایعوا محمّدًا علی الجہاد ما بقینا ابدًا ۔

ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے زندگی بھر (تاحیات) محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی جہاد پر بیعت کی ۔

جوابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ۔

اَللّٰھُمَّ لاعیش اِلّا عیش الآخرۃ ، فاکرم الانصار والمہاجرۃ ۔

اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی (پائیدار) نہیں، تو تو پھر انصار و مہاجرین کو اکرام بخش ۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو خندق کی مٹی ڈھوتے دیکھ کر فرمایا ۔

اَللّٰھُمَّ لاعیشَ اِلّا عیش الآخرۃ فاغفر للمہاجرین والانصار ۔ [۴۸۲]

اے اللہ آخرت کی زندگی ہی زندگی ہے ۔ پس تو مہاجرین و انصار کی بخشش فرما ۔

یہ تمام ارشاداتِ نبوی انصار و مہاجرین (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ حُبِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کا مظہر ہیں ۔

---

[۴۸۲] ۔ بخاری مع الفتح ۷/۱۱۸ ۔

Marfat.com

اہلِ بیت کون کون ؟

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں مقام و شرفِ صحابیت کا ذکر کیا، اور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاءِ راشدین ؓ کے علاوہ چند دیگر صحابہ ؓ کے فضائل و مناقب بھی ذ جن میں بطورِ خاص ان صحابہ کرام ؓ کا ذکرِ جمیل آیا جنہیں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دُ جنت کی بشارتیں دی تھیں۔ اور وہ قدسی نفوس صحابہ ؓ بھی جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کر رضا کا پروانہ عطا فرمایا ہے۔ جن میں غزوۂ بدر و حدیبیہ اور بیعتِ رضوان کے شرکاء شامل ہیں۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مقام و شرفِ صحابیت جس طرح دوسرے صحابہ ؓ کے ایک نہایت بڑی نعمت اور اعزاز ہے۔ اسی طرح وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں کے لیے بھی سرمایۂ افتخار ہے۔ بلکہ آپ ؐ کے قرا یا اہلِ بیت یا اہلِ خانہ کو شرفِ صحابیت کے ساتھ ساتھ جو شرفِ قرابت حاصل ہے میں تو اُن کا کوئی ثانی ہی نہیں۔ کیونکہ ان کی پاکدامنی و پاک بازی اور تطہیر کا اہتمام خود اللہ نے کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔

اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی ؐ کے گھر والو! تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کر اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔

اب رہا مسئلہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں، یا اہلِ خانہ، یا اہلِ بیت میں کون کون لوگ شامل ہیں۔ اس سلسلہ میں اہلِ علم کی تین آراء ہیں۔

۱۔ اہلِ علم کی ایک جماعت جس میں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

Marfat.com

عکرمہ کے علاوہ عطاء، کلبی، مقاتل اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ جیسے مفسرین قرآن سرکردہ صحابہؓ وتابعینؒ شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں مذکور اہل بیت سے مراد خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں۔

دوسری جماعت جس میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، امام مجاہد، قتادہ، اور روایت میں کلبی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں مذکور اہلبیت سے مراد خاص حضرت علی۔ حضرت فاطمہ، حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور محققین علماءِ تفسیر کی تیسری جماعت جس میں امام ضحاک، قرطبی، امام ابن کثیر اور امام شوکانی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم و معرفت شامل ہیں۔ ان سب نے درمیانہ موقف اختیار کیا ہے کہ اس آیت کے سیاق وسباق کی رو سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات تو اہل بیت ہیں ہی، جبکہ قرابت اور نسبی تعلق کی بناء پر حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم بھی اہلبیت میں شامل ہیں۔ اور صحیح مسلم و مسند احمد کی ایک صحیح حدیث کی رو سے نسبی قرابت کی بناء پر آلِ علیؓ کی طرح ہی آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس رضی اللہ عنہم کا اہل بیت ہونا بھی ثابت ہے۔

اور ان سب کے شاملِ اہل بیت ہونے کی صراحت کئی صحیح احادیث میں موجود ہے۔ اور کثیر علماءِ تفسیر و حدیث اور اہلِ تحقیق نے اسی تیسرے موقف کو ترجیح دی ہے۔ اور سیاقِ قرآنی اور ارشادات نبویؐ سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت یا اہلِ خانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی شامل ہیں اور حضرت علی مرتضٰے، حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرت حسنؓ وحسین اور آلِ عقیل و جعفر و عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ اور عرفِ عام بھی اسی کا مؤید ہے کہ بچوں کے ساتھ بیویاں بھی اہلِ خانہ میں شامل ہوتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں کون کون حضرات شامل ہیں؟ اس موضوع کا لبِ لباب یا خلاصہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ [۴۸۵]

۴۸۵۔ اگر تفصیلات مطلوب ہوں تو کتب تفسیر میں سے امام قرطبی کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن المعروف تفسیر قرطبی جلد دیکھئے۔

Marfat.com

ازواجِ مطہرات سے خطابِ الٰہی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت، خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اور چند خاص ہدایات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں فرمایا ہے۔ اور اس سورۃ کا آغاز رئیسِ اہلبیت یا سربراہِ خاندان نبی آخر الزمان، امام الانبیاء والرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا

اے میرے نبیؐ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آؤ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

اور دوسری آیت میں فرمایا۔

بقیہ حاشیہ:۔ جزء ۱۴ ص ۱۸۲ تا ۱۸۴ طبع قاہرہ۔ امام ابن الجوزی کی تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر جلد ۶ ص ۳۸۰ تا ۳۸۲ طبع اول المکتب الاسلامی بیروت و دمشق (علے نفقۃ الشیخ خلیفہ بن حمد آل ثانی حاکم دولت قطر) تفسیر ابن کثیر عربی جلد ۳ ص ۴۸۲ تا ۴۸۷ طبع حلبی۔ قاہرہ۔ یا تفسیر ابن کثیر اردو جلد ۴ ص ۹ تا ۲۸۴ طبع مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔ امام سیوطی کی تفسیر دُرِ منثور جلد ۵ ص ۱۶۸۔ طبع بیروت، امام سیوطی کی تفسیر فتح القدیر جلد ۴ ص ۲۷۸ تا ۲۸۰ طبع بیروت۔ اور علامہ الوسی کی تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ جزء ۲۲ ص ۱۲ تا ۲۰۔

اور کتب شروحِ حدیث میں سے علامہ عبدالرحمن مبارک پوری کی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی جلد ۹ ص ۶۶-۶۷، طبع مدینہ منورہ۔ اور علامہ احمد عبدالرحمن البناء کی الفتح الربانی، ترتیب و شرح مسند الشیبانی جلد ۱۸ ص ۲۳۷-۲۳۸ طبع قاہرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

اور شیعہ حضرات جو صرف آلِ علیؓ کے اہلِ بیت ہونے کے قائل اور اسی پر مصر ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر شیعی تفسیر الکافی، للفیض الکاشانی جلد ۴ ص ۱۸۷ تا ۱۸۹ طبع بیروت میں مذکور ہے۔

Marfat.com

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اس کی پیروی کرتا رہ

یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ایک عمل سے باخبر ہے۔

اور تیسری آیت میں فرمایا:۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

تو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل رکھ، وہی کارسازی کے لیئے کافی ہے۔

ان آیات میں تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنے، اطاعت الٰہی پر کاربند رہنے اور توکل و بروسہ کی تعلیمات ہیں۔ اور تنبیہ کی ایک مؤثر صورت یہ بھی ہے، کہ بڑے کو کہا جائے کہ چھوٹا خود ہی چوکنا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو کوئی بات تاکید سے کہے تو ظاہر ہے کہ دوسروں کے لیئے وہ تاکید اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔

اگلی دو آیتوں میں ظہار یعنی اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھنے اور متبنیٰ بنانے یعنی کسی کے بیٹے کو اپنا منہ بولا یا لے پالک بنانے کی شرعی حیثیت اور احکام بیان کرنے کے بعد چھٹی آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواج مطہرات کا مقام و مرتبہ اور حیثیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ۔

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اہلِ ایمان پر خود ان کی اپنی ذات سے بھی زیادہ حق رکھنے والے اور مہربان ہیں۔ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں۔

آگے چل کر آیت ۵۲ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ۔

اس کے بعد تمہارے لیئے دوسری عورتیں، حلال نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ۔ اگرچہ ان کا حسن تمہیں بھلا لگے۔

Marfat.com

اور آیتِ خیار (۲۸-۲۹) میں دیئے گئے اختیار میں ازواجِ مطہرات کے سُرخرو ہونے کے بعد ان کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ابدی رفاقت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ اور ان میں لانے کا اختیار خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی واپس لے لیا ہے۔

اور اگلی آیت ۵۳ میں فرمانِ الٰہی ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝

اور تمہارے لیئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ یقیناً یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے اُمت پر ہمیشہ حرام ہونے کا (حرمتِ دوام کا) اعلان کیا گیا۔

کلامِ الٰہی کے ان کلمات پر ذرا ٹھنڈے دل اور گہرائی سے غور کریں، جن میں خالقِ ارض و سما کا ارشاد ہے کہ:۔

اے مومنو! تمہاری ذات پر خود تمہارا اپنا اتنا حق نہیں جتنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لہٰذا امورِ دنیا و دین میں اپنے لیئے تم خود کوئی لائحہ عمل تجویز نہ کرو، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم فرمائیں۔ اسے دل و جان سے تسلیم کرتے جاؤ، اور اسی تسلیم و رضا میں تمہاری دین و دُنیا کی بھلائی اور فوز و فلاح ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں، ازواجِ مطہرات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ، وہ حرمت و احترام، عزت و اکرام اور بزرگی و اعظام میں تمام اہلِ ایمان کی مائیں ہیں۔ [۴۸۶]

[۴۸۶]:۔ حرمتِ نکاح اور تعظیم و تکریم کے سوا دیگر احکام مثلاً خلوت، پردہ اور ان کی اولاد سے شادی وغیرہ امور میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں۔ (تفسیر کی کتب تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں۔)

Marfat.com

قرآن کریم کی اسی آیت اور اسی حکمِ الٰہی کے پیشِ نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو اُمہات
[المو]منین یعنی مومنوں کی مائیں کہا جاتا ہے۔ جیسے ام المؤمنین حضرت خدیجہ، ام المؤمنین حضرت
[عا]ئشہ، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن۔

اور اسی سورہ احزاب کی آیت ۲۸ سے لے کر ۳۴ تک مسلسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
[از]واجِ مطہرات سے خطاب ہے۔ اور اس خطاب کے دوران ہی "اہل بیت" کا لفظ بھی آیا ہے۔
[پھ]ر اس لفظ والی آیت سے پہلے والی پانچ آیتوں میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں سے
ہے۔ خود اس لفظ والی آیت کے پہلے دو تہائی حصے میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں
سے ہے۔ اور اس لفظ پر مشتمل آیت کے بعد والی آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں
سے ہے۔ اس طویل و مسلسل خطاب کے دوران ہی لفظ اہلِ بیت کی آمد اور قرآن کریم کے اسی
[س]یاق و سباق کے پیشِ نظر ہی اہل تحقیق علماءِ تفسیر کا کہنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں
[ک]و اہلِ بیت سے خارج قرار دینا ہرگز درست نہیں۔

الغرض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اس خطابِ الٰہی کا آغاز یوں ہوتا ہے:۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (سورۂ احزاب آیت ۲۸-۲۹)

"اے میرے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے، کہ اگر تم دُنیا کی زندگی اور اس کی رونق چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دوں، اور اچھائی کے ساتھ تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ، اُس کے رسولؐ اور آخرت کے (نعمتوں والے) گھر کو چاہتی ہو تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والی (ازواجِ رسولؐ) کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجرِ عظیم (یعنی زبردست ثواب) تیار کر رکھا ہے۔"

Marfat.com

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نو بیویاں تھیں۔ [۴۸۷]

اور بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مجھ سے کی، تو میں نے کہا، میں اللہ، اس کے رسول، اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہوں۔ اور پھر باقی سب ازواجِ مطہرات نے بھی یہی بات کہی۔ [۴۸۸]

یعنی سب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے اللہ، اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کر لیا۔ [۴۸۹]

اور جب امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن تا حینِ حیات برضاء و رغبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بلند مقام و مرتبہ کو برقرار رکھنے کے لیے ایک لائحہ عمل دیا۔ اور سمجھایا کہ تمہارا معاملہ عام عورتوں جیسا نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے سرتابی کی یا پھر بالفرض تم سے تمہارے مقام و مرتبہ کے منافی کوئی بد خلقی سرزد ہوئی تو تمہیں دوہرا عذاب و عتاب ہوگا۔ اسی طرح ہر نیک عمل کا ثواب بھی عام عورتوں کی نسبت دوگنا ہی ہوگا۔

---

[۴۸۷]۔ حضرت عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ، ام سلمہ، صفیہ، میمونہ، زینب، جویریہ رضی اللہ عنہن۔

[۴۸۸]۔ ابن کثیر ۳/۴۸۱ طبع قاہرہ، قرطبی ۷/۱۴/۱۷۱۔

[۴۸۹]۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سبھی بیویاں نیک ہی رہیں۔ الطیبات للطیبین۔ اور دنیا و زینتِ دنیا یا اللہ، رسول اور دارِ آخرت میں سے کسی چیز کو اختیار کر لینے میں خیار دیئے جانے پر ان سب نے اللہ و رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔

اور جب کوئی شخص اپنی بیوی کو "خیار" دے دے اور عورت خاوند کو پسند کرے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اگر عورت علیحدگی پسند کرے تو ایک رجعی طلاق واقع ہو جائے گی۔ جبکہ خاوند نے مطلق طلاق کی نیت کی ہو۔

چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے :۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ۝ (سورۃ احزاب آیت ۳۰)

اے (میرے) نبیؐ کی بیویو! تم میں سے جس کسی نے کسی کھلی بداخلاقی کا ارتکاب کیا تو اُسے (دُوسری عورتوں کی نسبت) دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ (دوگنا عذاب دینا) بہت آسان سی بات ہے۔

آگے فرمایا :۔

وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِھَآ اَجْرَھَا مَرَّتَیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَھَا رِزْقًا کَرِیْمًا ۝ (ایضاً آیت ۳۱)

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسُولؐ کی فرمانبرداری کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ تو ہم اُسے دوہرا اجر عطا کریں گے۔ اور اُس کے لئے ہم نے عزت کی روزی (یعنی جنت کی نعمتیں) تیار کر رکھی ہیں۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیئے کہ ازواج مطہرات کی نسبت نافرمانی و بدسلوکی کا فرمان بطور شرط کے ہے کہ اگر تم ایسا کرو گی تو یہ عذاب ہوگا۔ جبکہ شرط واقع ہونا ضروری نہیں ہوتا، جیسے سُورۃ زمر آیت ۶۵ میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ۔

(اے نبیؐ) اگر تم بھی شرک کرو گے تو تمہارے تمام اعمال بھی برباد ہو جائیں گے۔

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرک کا صدور ہرگز نہیں ہوا۔

سُورۃ انعام آیت ۸۹ میں انبیآء کرام کا ذکر کر کے فرمایا :۔

وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

اگر یہ انبیآء (علیہم السلام) شرک کریں تو ان کے تمام اعمال بھی بیکار ہو جائیں۔

Marfat.com

لیکن کسی بھی نبی نے شرک کا ارتکاب ہرگز نہیں کیا۔

اور سورۂ زخرف کی آیت ۸۱ میں تو یہاں تک ارشادِ الٰہی ہے:۔

قُلْ اِنْ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعَابِدِیْنَ ۝

(اے میرے نبیؐ!) ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر واقعی ربِ رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی، تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔

اور سورۂ زمر کی آیت ۴ میں ارشاد فرمایا:۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ

اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا بنانا ہوتا تو وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا برگزیدہ کر لیتا۔

مگر ان دونوں مقامات پر خود اللہ تعالیٰ نے اولاد ہونے کی تردید فرمادی ہے۔

سورۂ زخرف کی آیت ۸۲ میں فرما دیا۔

سُبْحَانَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝

پاک ہے ارض و سماوات کا فرمانروا، اور عرش کا مالک، اُن ساری باتوں سے جو یہ لوگ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور سورۂ زمر کی آیت ۴ ہی میں فرما دیا۔

سُبْحَانَہٗ ھُوَ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۔

"پاک ہے وہ ذات، اُس سے (کہ کوئی اُس کا بیٹا ہو) وہ اللہ ہے یکتا اور غالب و قہار۔"

ان پانچوں مقامات پر شرط کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ لیکن کسی ایک مقام کا متعلقہ امر بھی واقع نہیں ہوا۔ اور نہ ہی شرط کا واقع ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح ازواجِ رسولؐ، اُمّہات المومنین رضی اللہ عنہن کی نسبت بھی فرمایا کہ اگر تم میں کوئی کھلی نافرمانی و بدسلوکی یا لغو حرکت و بدخلقی کرے تو اُسے دُگنی سزا ہو گی۔

Marfat.com

اس سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے، کہ اُن میں سے کسی نے واقعی کوئی ایسی اپنے مقام و مرتبہ سے گری ہوئی نازیبا حرکت کی ہو یا اس کا کوئی اندیشہ تھا۔ نعوذُ باللہ من ذٰلک۔ بلکہ بطور شرط کے یہ فرمان نازل فرما کر انہیں یہ احساس دلانا مقصود تھا کہ تم ساری اُمّت کی مائیں ہو، اس لیئے اپنے مرتبے سے گرا ہوا کوئی کام نہ کرنا جیسا کہ اگلی ہی آیت میں واضح الفاظ میں فرما دیا ہے:۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔

"نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔"

امام الانبیاء والرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات سے کسی فحش حرکت کا سرزد ہونا تو دُور کی بات ہے۔ خاندانِ نبوت کے معرُوف فرد، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، امام المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا تو ارشاد ہے کہ "کسی بھی نبی کی بیوی سے فحاشی کا ارتکاب نہیں ہوا۔ اور اس چیز پر اجماعِ امت ہے۔ البتہ سابق میں ایمان و اطاعت میں خیانت ثابت ہے۔ جیسا کہ سورۃ تحریم کی آیت ۱۰ میں حضرت نوحؑ و لوط علیہما السلام کی بیویوں کے بارے میں آیا ہے۔"[۴۹۰]

"اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کبیدہ خاطر کرنے کے لیئے جو تہمت لگائی تھی، اس کی تردید سات آسمانوں کے اُوپر سے خود اللہ تعالیٰ نے نازل فرما کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرما دیا تھا۔"[۴۹۱]

۴۹۰۔ تفسیر ابن کثیر ۴/۷۷ ۔ ۲۷۸ اردو، و فتح القدیر، قرطبی اشرف الحواشی مولانا محمد عبدہٗ۔

۴۹۱۔ مزید تفصیل کے لیئے ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمہ و تفسیر سُورۂ نور آیت ۱۱ تا ۲۶، نزولِ براءت دس آیات اور آگے متعلقات واقعہ (الفتح الربانی ۲۲/۱۲۱ و ۱۸/۱۱۸ ایضاً)۔ شیعہ حضرات ان تمام آیات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کنیز سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ جو کہ انتہائی دُور کی کوڑی اور ٹیڑھی منطق ہے۔ کہ حرم نبویؐ (حضرت عائشہؓ) پر تہمت لگے تو تردید و براءت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ اور کسی کنیز پر تہمت لگے تو اس کی تردید و براءت نازل ہو جائے۔ "ببباید سوخت ایں عقل و دانش"

Marfat.com

اُمّہات المومنین رضی اللہ عنہن

قرآن کریم کی سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر مخصوص ہدایات نازل فرمائی ہیں۔ اسی سلسلہ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ۔

اے نبی کی بیویو! تم تمام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔

اِن الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے ازواج کو اُن کا بلند مقام و مرتبہ یاد دلا دیا، اور پھر فرمایا۔

اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (الاحزاب ۳۲)

اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو۔ تاکہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کسی لالچ میں مبتلا نہ ہو۔ بلکہ صاف سیدھی بات کیا کرو۔

پھر فرمایا:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝ (احزاب ۳۳)

"اور اپنے گھروں میں باوقار طریقے سے ٹکی رہو، اور سابق دورِ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ، اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت گزاری کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبیؐ سے ہر قسم کی لغویات و گندگی کو دُور کر دے اور تمہیں پوری طرح پاک کر دے۔"

اور اگلی آیت میں بھی ازواجِ مطہرات سے مخاطب ہو کر ہی فرمایا:۔

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیۡفًا خَبِیۡرًا ۝ (سُورۃ احزاب ۳۴)

"تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی جو آیتیں اور حکمت کی باتیں (یعنی ارشادات و احادیثِ رسولؐ) پڑھی جاتی ہیں، انہیں یاد رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ لطیف (یعنی باریک بین و مہربان) اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔"

یہاں آکر ازواجِ مطہرات سے متعلق یہ مسلسل خطاب اپنی ختم ہو جاتا ہے، اور اسی خطاب کے دوران ہی اہل بیت کا ذکر بھی آیا ہے۔ جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہاں اہلِ بیت سے مراد ازواجِ مطہرات ہی ہیں۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آلِ علی رضی اللہ عنہم کو بھی اہل بیت میں شامل فرما لیا تھا۔ جیسا کہ صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے جن کی نصوص اور ترجمہ آگے ذکر ہو گا۔ (اِنْ شَآءَ اللّٰہ)

تذکرہ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں آنے والی سب سے پہلی زوجۂ محترمہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد، حضرت خدیجۃ الکبرٰی، خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ہم ان کا ذکرِ جمیل اور ان کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا، اور اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اُس کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا نکاح ابو ہالہ ہند بن نبّاس تمیمی سے ہوا۔ جس سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تین بیٹے تھے۔ ایک ہالہ رضی اللہ عنہ جو صحابی تھے، ان کا ذکر صحیح بخاری شریف میں آیا ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا نام سُن کر خوشی سے فرمایا تھا۔

اَللّٰھُمَّ ھَالَہ۔ [۴۹۲] "اے اللہ! ہالہ آیا ہے۔"

دُوسرے بیٹے کا نام طاہرؓ تھا۔ وہ بھی صحابی تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چوتھائی یمن کا حاکم مقرر فرمایا۔

اور تیسرے کا نام ہند رضی اللہ عنہ تھا، وہ بھی صحابی تھے، بلکہ ان کا بچپن اور پرورش بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔ بڑے فصیح و بلیغ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بڑی خوبی و صحت سے بیان کرتے تھے۔ اسی بناء پر "وصّاف النبی" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ اور اوصاف بیان کرنے والے مشہور رہے۔ جنگِ جمل میں حضرت علی رضی کے لشکر میں تھے اور وہیں شہید ہوئے۔ [۴۹۳]

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن کا نام بھی ہالہ بنت خویلد تھا، جو کہ صحابیہ تھیں انہی کے فرزند ابوالعاص بن ربیع ہیں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر قاسم رضی اللہ عنہ سے چھوٹی اور باقی تمام اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے داماد تھے۔

---

[۴۹۲]۔ علامہ منصور پوری نے اسی طرح رحمۃ للعالمین میں ذکر کیا ہے۔ (۱۴۶/۲) جبکہ صحیح بخاری اور مسلم تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہؓ وفضلہا اور باب فضائل خدیجہؓ میں اَللّٰھُمَّ ھالہ بنت خویلد ہے (بخاری مع الفتح ۱۳۴/۷، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۲۰۲ طبع دار الفکر بیروت) جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے بارے میں فرمائے تھے۔ اور فتح الباری (۱۴۰/۷) میں ابن حجرؒ نے مستغفری کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں آپؐ کے الفاظ (ھالة ھالة) ہیں جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نقل ہوتے ہیں۔ اور پھر خود مستغفری نے ہی لکھا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت خدیجہؓ کی بہن ہے نہ کہ بیٹا۔ البتہ ابن حبان و ابن عبدالبر نے ھالہ بن خدیجہؓ (ہالہ بن ابی ہالہ تمیمی) کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ جس سے ہالہ کے صحابی ہونے کا پتہ تو چل جاتا ہے۔ البتہ اللّٰھم ھالة کے الفاظ کو علامہ منصور پوری کا حضرت خدیجہؓ کی طرف منسوب کرنا تسامح ہے۔ رحمنا اللہ وایاہ۔

[۴۹۳]:۔ زوائد مسند احمد کی ایک غیر معتبر روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے دو بیٹے اور بھی (آگے

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے ایک سگے بھائی کا نام عوام تھا جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ پانچویں پشت قصیّ میں جاکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی شرافت و نجابت کا یہ عالم تھا کہ عہدِ جاہلیت میں بھی وہ "طاہرہ" یعنی پاکدامن معروف تھیں۔ اُدھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت اور صداقت کا شہرہ عام ہوگیا۔ آپؐ تو نبوت سے پہلے ہی صادق و امین کے نام سے مشہور ہوگئے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پیغام نکاح ملا۔ اور نکاح ہوگیا۔ جبکہ حضرت طاہرہ دوسرے شوہر سے بھی بیوہ اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ [۴۹۴]

فضائل و مناقب۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ سعادتمند خاتون ہیں کہ جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ زوجیت میں داخل ہونے کا شرف سب سے پہلے حاصل ہوا۔ اور پچیس سال تک یہ شرف مسلسل رہا۔ اور جب تک وہ زندہ رہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری زوجۂ محترمہ سے نکاح نہیں کیا۔ جیسا کہ مسلم شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

[۴۹۵] لَمْ یَتَزَوَّجِ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم علٰی خدیجۃ حتّٰی ماتت

"جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔"

بقیہ حاشیہ۔۔ تھے جو کہ عہدِ جاہلیت میں ہی وفات پاگئے تھے جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا ہما فی النار (مشکوٰۃ ۲؍۱)

[۴۹۴] مختصر از رحمۃ للعالمین ۲؍۱۴۳-۱۴۷، الفتح الربانی ۲۰؍۱۹۷-۱۹۸ و ۲۳۶-۲۲۷، فتح الباری ۷؍۱۳۴-۱۳۵

Marfat.com

اور دوسری عظیم سعادت یہ حاصل کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مَردوں، عورتوں بچوں بڑوں، سب سے پہلے ایمان لائیں ۔اور اس اعتبار سے وُہ امتِ اسلامیہ کی پہلی فرد اور پہلی مسلمان تھیں، اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ نبوت و رسالت سے نوازا گیا، اور غارِ حرا میں قیام کے دَوران حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی مرتبہ وحی لے کر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت گھبرائے ہوُئے گھر پہنچے، اور حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ کی خبر دیتے ہوُئے فرمایا:۔

لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِى "مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے"

تو بارو مشکلاتِ نبوّت کو اُٹھانے کا حوصلہ انہیں خاتون کے ہمت افزا الفاظ نے دیا صحیح بخاری شریف کی ابتدائی حدیث نمبر ۳ باب کیف کان بدأالوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وُہ ہمت افزا و جان نواز الفاظ یوں ہیں:۔

كَلَّا، وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔[۴۹۶]

"نہیں نہیں (آپ کو ڈر کاہے کا) بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رُسوا نہیں کرے گا، کیونکہ (میں دیکھتی ہوں کہ) آپ اہلِ قرابت سے عمدہ سلوک فرماتے ہیں۔ کمزور و ناتواں لوگوں کا تعاون کرتے ہیں۔ اور تہی دست غریبوں کی امداد کرتے ہیں۔ اور مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور حقیقی مصیبت زدوں کی آپ امداد کیا کرتے ہیں۔"

یوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ کا تذکرہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی، اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے:۔

قَدْ آمَنَتْ بِي اِذْ (حين) كَفَرَ بِيَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِي اِذْ كَذَّبَنِي النَّاسُ

---

[۴۹۵] مسلم مع شرحہ النووی ۸/۱۵/۲۰۱۔

[۴۹۶] بخاری مع الفتح ۱/۲۲ طبع دارالافتاء

Marfat.com

واشرکتنی فی مالها حین حرمنی الناس ورزقنی اللہ عزّ و جلّ ولدها اذ حرمنی اولاد النسآء (او حرمنی ولد غیرها)[۴۹۷]

"وہ مجھ پر ایمان لائیں جبکہ لوگوں نے کفر اختیار کیا، انہوں نے میری تصدیق کی جبکہ دوسرے لوگوں نے مجھے جھٹلایا، انہوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا، جبکہ دوسرے لوگوں نے مجھے کسبِ مال سے محروم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بطن سے اولاد دی، جبکہ دوسری بیویوں سے نہیں ہوئی"۔[۴۹۸]

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:۔

وخیر نسآئها خدیجة بنت خویلد۔[۴۹۹]

"اور خدیجہ بنت خویلدؓ اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے افضل ہیں"۔

اور ترمذی و مسند احمد، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ہے:۔

حَسْبُكَ من نسآء العٰلمین مریم بنت عمران، وخدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، وآسیة امرأة فرعون[۵۰۰]

"(مقام و مرتبہ اور فضائل و محاسن کے اعتبار سے) تمہارے لیئے دنیا بھر کی عورتوں میں سے (یہ چار) عورتیں ہی کافی ہیں۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ) حضرت مریم بنت عمران، (ام المومنین حضرت) خدیجہ بنت خویلد، جگر گوشۂ رسولؐ حضرت) فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فرعون کی بیوی حضرت آسیہ۔

---

[۴۹۷] بحوالہ رحمۃ اللعالمین ۲/۱۴۵، الفتح الربانی ۲۰/۲۴۱ وحسنہ، فتح الباری ۷/۱۳۷

[۴۹۸] البتہ حضرت ماریہؓ سے آپؐ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے لیکن وہ آپؐ کی کنیز (ام ولد) تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے ان کا استثناء ضروری نہیں سمجھا۔

[۴۹۹] مشکاۃ ۳/۱۷۴۲، بخاری مع الفتح ۷/۱۳۳، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۱۹۸، ترمذی مع التحفہ ۱۰/۳۸۸ والفتح الربانی ۲۰/۲۳۰۔

اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ایک ایسا شرف بھی حاصل ہے جس میں ان کا ہمسر کوئی نہیں، اور وہ شرف ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا سلام۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، اور مسندِ احمد و طبرانی وغیرہ میں مذکور ہے، کہ:

حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ! خدیجہؓ آپؐ کی طرف آرہی ہیں، اور ان کے ہاتھ میں کھانا اور سالن ہے۔ فإذا أتتك فاقرأ عليها السلام من ربها و مني وبشرها في الجنة من قصب، لا صخب فيه ولا نصب۔ [۵۰۱]

جب وہ آپؐ کے پاس پہنچ جائیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیں اور انہیں جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت و خوشخبری بھی دے دیں۔ جو ہیرے جواہرات کا بنا ہوا ہے۔ جس میں نہ کوئی شور و شغف ہوگا نہ رنج و الم۔

سبحان اللہ! جسے ربِ ذوالجلال اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی سلام بھیجیں، ان کے مقام و مرتبہ کا تعین کرنا بھی تصور سے باہر ہے۔ اور اس بلند مقام و مرتبہ کو پانے والی اُم المومنین سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقِ خاطر کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کی وفات پا جانے کے بعد، متعدد بیویاں ہونے کے باوجود بھی بکثرت یاد فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بخاری و مسلم، ترمذی و نسائی اور مسند احمد میں مروی ہے کہ:۔

مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی پر اتنی غیرت و چڑ نہیں آتی تھی جتنی میں خدیجہؓ پر چڑتی تھی۔ حالانکہ میں نے انہیں دیکھا ہوا بھی نہیں تھا۔ لیکن نبی صلی

---

[۵۰۰] ۱۔ ترمذی مع التحفہ ۱۰/۳۸۹، الفتح الربانی ۲/۱۳۳-۲۳۰، مشکاۃ ۳/۱۷۲۵ وصححہ الترمذی والالبانی۔

[۵۰۱] مشکاۃ ۳/۱۷۴۳، بخاری مع الفتح ۷/۱۳۳، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۱۹۹، الفتح الربانی

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم پھر بھی ان کا ذکر بکثرت ہی فرمایا کرتے تھے، اور جب کبھی بکری ذبح کرتے تو گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر ان کی سہیلیوں کی طرف بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے (اسی چڑ میں آکر) ایک مرتبہ میں کہہ بیٹھی کہ جیسے دنیا میں تو خدیجہؓ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

إنها كانت وكانت وكان لي منها ولد ۔ [۵۰۲]

"خدیجہؓ میں یہ اور یہ اوصاف تھے۔ اور (سب سے بڑھ کر یہ کہ) اُس کے بطن طاہر سے میری اولاد تھی۔"

اور مسلم شریف میں تو یہ بھی ارشاد ہے:۔

إني قد رُزقتُ حبّها [۵۰۳] "مجھے ان کی محبت خدا کی دین ہے۔"

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے کچھ ایسے الفاظ بھی نکل گئے کہ:۔

"وہ تو قریش کی بوڑھی عورتوں میں سے ایک بڑھیا تھیں...... الخ"

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جھڑکا یا ڈانٹا نہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ نے طبری وغیرہ علماء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"سوتنوں کی یہ باہمی غیرت و چڑ معاف ہے، اس پر انہیں کوئی عقوبت نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ چیز عورت کی فطرت میں داخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زجر و توبیخ نہیں کی، اور

قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ: ایسے کلمات کا صدور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کم سنی و نوجوانی کی وجہ سے ہوا۔ اور لگتا ہے کہ اس وقت تک وہ ابھی بالغ نہیں

---

[۵۰۲]۔ بخاری مع الفتح ۷/۱۳۳، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۲۰۰-۲۰۱، مشکاۃ ۳/۱۷۴۳، ترمذی مع التحفہ ۱۰/۳۸۶، الفتح الربانی ۲۰/۲۴۰۔ [۵۰۳]۔ مسلم مع النووی ۸/۱۵/۲۰۱۔

Marfat.com

ہوئی تھیں ۵۴

جبکہ حضرت عائشہ، حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے فضائل کی معترف تھیں، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے جنت میں گھر ہونے کی بشارت والی بعض روایات کی راوی ہیں۔ ۵۵

ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن طاہر سے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے ایک بیٹا عطا فرمایا، جن کا نام قاسم تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپنے اسی لختِ جگر کے نام سے اپنی کنیت "ابوالقاسم" رکھی۔ اور یہ کنیت کتب حدیث میں سے صحاح وسنن کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اور بعض صحیح احادیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا تھا کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کنیت کو جمع کر کے ابوالقاسم محمد کہلوائے۔ اس طرح اگر کسی کا نام محمد ہوتا تو وہ اپنی کنیت ابوالقاسم نہیں رکھ سکتا جبکہ بعض اہلِ علم نے اس ممانعت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مسعود تک خاص کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرما جانے کے بعد اس کی ممانعت نہیں رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پہلے فرزند ابھی پاؤں پر چلنا سیکھے ہی تھے کہ وفات پا گئے۔ ان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں)۔ ان چاروں بیٹیوں کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بیٹے نے جنم لیا جن کا نام نامی اسم گرامی عبداللہ تھا۔ آپ صلی اللہ

۵۴ ۔ النووی علی مسلم ۸/۱۵/ ۱۰۲، اور اس موضوع میں امام قرطبی کی تفصیلی رائے کے لیے دیکھئے فتح الباری شرح بخاری ۷/۱۴۱۔

۵۵ ۔ مسلم مع النووی ۸/۱۵/ ۲۰۰-۲۰۱ و بخاری مع الفتح ۷/۱۳۳۔

علیہ وسلم کے یہ لختِ جگر اس وقت پیدا ہوئے جبکہ آپ منصب نبوت و رسالت سے سرفراز ہو چکے تھے۔ اور اہل علم نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت مل چکنے کے بعد دورِ اسلام میں پیدا ہونے کی وجہ سے ہی آپ کے اس فرزند کو طیب اور طاہر کے القاب سے بھی پکارا جاتا تھا، اور یہ دونوں لقب اس قدر مشہور ہوئے، کہ بعض مورخین اور سیرت نگاروں نے طیب وطاہر کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو الگ الگ بیٹے شمار کیا ہے۔ مگر علامہ ابن قیم اور قاضی سلیمان منصور پوری رحمہم اللہ جیسے محققین نے اسے ہی ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں لقب ہی تھے۔[۵۰۶]

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ لختِ جگر بھی بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ اور انہی کی وفات پر مشرکین مکہ نے جب یہ کہنا شروع کیا کہ اب اس شخص کی کوئی نرینہ اولاد نہیں رہی لہٰذا اس کے انتقال کرتے ہی اس کا نام دنیا سے مٹ جائے گا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ کوثر نازل فرمائی جس میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

یقیناً ہم نے آپ کو حوضِ کوثر یا نہرِ کوثر عطا کی۔ پس آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں، اور قربانی کریں، یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔[۵۰۷]

کفار و مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ نرینہ اولاد کے باقی نہ بچنے سے اب ان کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہوگا۔ یہ تصور ان کی جہالت و نادانی کا نتیجہ تھا۔ ورنہ صدیوں پہلے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی آسمانی کتاب زبور کے کئی مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارتیں مذکور ہیں۔ اور بعض میں تو اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ابدالآباد تک باقی رہے گا۔ جیسا کہ زبور کے ایک مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:۔

---

[۵۰۶] ۔ زاد المعاد ۱/۲۵ طبع بیروت ، رحمۃ للعالمین ۲/۹۶ ، الفتح الربانی ۲۲/۱۰۱-۱۰۲

[۵۰۷] تفصیل کے لیے دیکھیے ابن کثیر اردو ۵/۷۰۹-۷۱۲

Marfat.com

"میں ساری پُشتوں کو تیرا نام یاد دلاؤں گا، پس سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے۔" (زبور ۴۵۔۱۷)

دُوسرے مقام پر فرمایا۔

اُس کا نام اَبد تک باقی رہے گا، جب تک آفتاب رہے گا۔ اس کے نام کا رواج رہے گا۔ لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مُبارک کہیں گے۔ ساری قومیں اسے مُبارک باد دیں گی۔ (زبور ۷۲۔۱۷)

اور زبُور ہی کے تیسرے مقام پر فرمایا۔

اُس کے حق میں سدا دُعا ہوگی، ہر روز اس کی مُبارکباد کہی جائے گی۔ (زبور ۷۲۔۱۵)

سابقہ آسمانی کتابوں کی ان بشارتوں اور قرآن کریم کے اعلان کا ہی اثر ہے کہ آج ان کافروں کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔ جنہیں اپنی اولاد کا غرُور تھا، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکرِ خیر اور اسم مُبارک اذانوں میں، اقامتوں میں، نمازوں کے تشہّد میں، اور درُود شریف و کلمۂ اسلام میں زبانوں پر جاری اور دِلوں پر حاوی ہے۔ [۵۰۸] اور قیامت تک فضائے آسمانی میں عرُوج و اقبال کے ساتھ گونجتا رہے گا۔ بر و بحر میں ہر وقت اس کی منادی ہوتی رہے گی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک فرزند آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے بھی تھا، جس کا نام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدّالانبیاء حضرت خلیل اللہ کے نام پر "ابراہیم" رکھا تھا۔ مگر وُہ بھی ایامِ رضاعت و شیر خوارگی میں ڈیڑھ سال کے ہوکر ہی وفات پا گئے۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس نُورِ نظر کے دُودھ پینے کی جو مدّت باقی تھی، اس کی تکمیل کا انتظام اللہ تعالیٰ نے جنّت میں کر دیا۔ جیساکہ صحیح بخاری شریف میں تین مختلف مقامات پر ارشاد

[۵۰۸] رحمۃ اللعالمین ۲/۹۶۔

دی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے :۔

اِنَّ لَہٗ مُرضعاً فی الجنۃ [۵۰۹]

بے شک (میرے بیٹے ابراہیم کے لیے) جنت میں ایک دودھ پلانے والی (مقرر کر دی گئی) ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر کا یہ شرف بھی ایسا ہے کہ اِس میں اُس کا کوئی بھی ثانی نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی فرزند ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے نزع کے عالم میں گود میں لیا۔ بوسہ دیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! آپ بھی آنسو بہا رہے ہیں؟ تو فرمایا، یہ تو رحمت کی علامت ہیں۔ پھر فرمایا :۔

انّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول اِلّا ما یرضی ربّنا و انا بفراقکَ یا ابراھیمُ لمحزونون۔ [۵۱۰]

"آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، اور دل غمگین ہوتا ہے، اور ہم صرف وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہو۔ اے ابراہیم! ہمیں تیری جُدائی کا صدمہ ضرور ہے۔"

اور یہی وہ فرزند ہیں جن کی وفات کے دن سُورج گرہن واقع ہُوا، اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سُورج بھی سوگوار ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور ان کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہُوئے انہیں بتایا :۔

انّ الشمس والقمر اٰیتان من اٰیات اللہ لا ینخسفان لموت احدٍ ولا لحیاتہ (متفق علیہ)۔

---

[۵۰۹]۔ بخاری فی الجنائز و بدءِ الخلق والادب، شرح السنۃ ۱۴/۱۱۵ طبع المکتب الاسلامی، مشکاۃ ۳/۱۷۲۱۔

[۵۱۰]۔ بخاری مع الفتح ۳/ ۱۷۲-۱۷۳ طبع دارالافتاء۔

Marfat.com

"بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ یہ دونوں (سورج و چاند) کسی بھی انسان کی موت وحیات (کی وجہ) سے نہیں گہناتے۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بنات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد

قرآن و سنّت اور لغتِ عربی کی رو سے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاجزادیاں تھیں، جن میں سے پہلی صاجزادی حضرت [زینب] رضی اللہ عنہا ہیں جو قاسم سے چھوٹی اور باقی سب بہن بھائیوں سے بڑی تھیں۔ آپ صلی [اللہ] علیہ وسلم کی دوسری صاجزادی حضرت رقیہ، تیسری حضرت ام کلثوم اور چوتھی حضرت فاطمہ الزہراء تھیں۔ رضی اللہ عنہن۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین یا تین سے زیادہ صاجزادیاں تو نہ صرف کتب [حدیث] یا تاریخ و سیرت سے بلکہ خود قرآن کریم سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ سورۃ احزاب کی آیت ۵۹ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔

"اے نبی! اپنی بیویوں، اور اپنی بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں۔"

اسلامی پردے کے بارے میں نازل ہونے والی سورۃ احزاب کی اس آیتِ حجاب میں اللہ تعالیٰ نے عہدِ نبوی کی کل مومن عورتوں کی تین قسمیں کر دی ہیں۔ پہلی قسم، ازواجِ رسول یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات۔ دوسری قسم بناتِ رسول یا نبی صلی [اللہ] علیہ وسلم کی صاجزادیاں، اور تیسری قسم مومنوں کی عورتیں، وہ ان کی مائیں ہوں یا بہنیں

یویاں ہوں یا بیٹیاں، سب کے لیئے باپردہ رہنا فرض قرار دے دیا۔

اس آیت کریمہ میں بنات کا لفظ جمع کا صیغہ ہے۔ اور لفظ بنت اسی لفظ بنات کا واحد کا صیغہ، اور بنت کا معنی ہے، بیٹی اور بنات کا معنی بیٹیاں۔ یہ ایسے بنیادی کلمات ہیں کہ ان کا معنی و مفہوم ان عرب ممالک میں رہنے والے غیر عرب بھی بآسانی سمجھ جاتے ہیں، اور اُردو لغت کے اعتبار سے تو ایک سے زیادہ کی تعداد کے لیئے جمع کا صیغہ استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے دو بیٹیاں، چار بیٹیاں۔ مگر ایک کے لیئے اُردو میں بھی جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہوتا مثلاً یہ کوئی نہیں کہتا کہ میری ایک بیٹیاں ہیں۔ بلکہ ایک بیٹی کہا جاتا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اُردو لغت کے اعتبار سے بھی قرآن کریم سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں، جبکہ عربی لغت میں اُردو کی نسبت کچھ فرق ہے۔ عربی میں اگر دو بیٹیاں کہنا ہو تو بھی جمع کا صیغہ نہیں آتا کہ دو بیٹیوں کو بنات کہا جا سکے بلکہ عربی میں دو کے لیئے تثنیہ کا صیغہ موجود ہے۔ جیسے دو شخص ہوں تو نفران یا عام مروج لہجہ میں نفرین کہا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ہی دو درہم کے لیئے درہمان یا درہمین بھی ہے۔

لہٰذا عربی لغت کے قاعدے سے بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ صاحبزادیاں تھیں۔ اور قرآن کریم میں بنات یعنی جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو کہ کم از کم تین اور تین سے زیادہ کے لئے ہوتا ہے۔

اس طرح بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تین یا تین سے زیادہ بیٹیاں ذکر کی ہیں۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہونا جو کہ کتب حدیث اور تاریخ و سیرت میں منقول ہے، تو خود قرآن کریم سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

اب ایک قیاس آرائی باقی رہ جاتی ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو لفظ بنات جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے تو شائد اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اپنی لخت جگر، اور ساتھ ہی بعض ازواج مطہرات کی سابقہ شوہروں کی بیٹیوں سمیت، سب بیٹیاں مُراد ہوں۔ لیکن یہ قیاس حقیقت کے

Marfat.com

خلاف ہے اور اس کا ثبوت خود اسی سورۂ احزاب میں ہی مذکور ہے۔ صرف توجہ کی ضرورت ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت ۴ اور ۵ میں ظہار یعنی اپنی بیوی کو ماں سے تشبیہ دے بیٹھنے کے احکام، اور کسی کی اولاد کو اپنا متبنّٰی بنانے کی شرعی حیثیت جیسے اہم اسلامی مسائل بیان ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیلات اسلامک پرسنل لاء یا شخصی مسائل میں اسلامی احکام کے تحت آتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو امور کی تفصیلات بھی کبھی ذکر کریں گے۔ سردست پانچویں آیت کے چند بنیادی کلمات ہی ہمارا مقصود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کسی غیر کی اولاد کو اپنا متبنّٰی یا منہ بولا بیٹا بنا لینے کی رسم جاہلیت کا خاتمہ کرتے ہوئے اور آئندہ مسلمانوں کو مبنی برحق اور صحیح طریقے کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ـ

انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے

مَا كُنَّا نَدْعُوهُ اِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْاٰنُ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

ہم اُسے (زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما) کو زید بن محمدؐ کہہ کر پکارتے تھے، یہاں تک کہ آیت (ادعوھم لآبائھم) نازل ہوئی۔"

جس ذات الٰہی نے سورۂ احزاب کی آیت ۵ میں یہ حکم فرمایا ہے کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارنا زیادہ منصفانہ بات ہے۔ وُہی ذات اسی سورت کی آیت ۵۹ میں اُن لڑکیوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں کہے جو کہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم

ااٹ ۔ متفق علیہ مشکوٰۃ ۲/ ۱۴۲۴

کے خون سے نہ تھیں، تو یہ حق و انصاف سے بعید اور کھلا ہوا تناقض و تضاد ہوتا ہے جس سے کلامِ الٰہی پاک ہے۔

بیویوں کی بیٹیوں کو مجازاً بنات کہہ دیئے جانے کی قیاس آرائی خلافِ حقیقت ہے اور منطوقِ الٰہی یا قرآنِ کریم کی نصِ صریح کے سامنے قیاسِ انسانی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ اور پھر عربی میں بیویوں کی بیٹیوں کے لیئے ایک مستقل الفاظ ربیبہ اور ربائب موجود ہیں، اور خود قرآنِ کریم کی سورۂ نسآء آیت ۲۳ میں ایسی لڑکیوں کے لیئے اللہ تعالیٰ نے لفظ ربائب ہی استعمال فرمایا ہے نہ کہ بنات۔

الغرض قرآن کریم کے لفظ بَنَاتِكَ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاجزادیوں کے سلسلے میں اہلِ تحقیق علمائے انساب کی تصدیق فرمادی ہے۔

ربائب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاجزادیاں، درہ، زینب، ام کلثوم۔ اور اسی طرح ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی صاجزادی، حبیبہ ہیں۔ دیگر ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے پہلے شوہر سے کوئی لڑکی نہ تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۴ھ میں ہوا تھا۔ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ۶ھ میں،

لہٰذا مذکورہ بالا لڑکیوں کو ۴ھ سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربائب ہونے کا درجہ حاصل نہ تھا جبکہ سیدہ زینب بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اسیرانِ بدر (۲ھ) کے فدیہ کے ضمن میں آتا ہے، جب انہوں نے اپنے شوہر ابوالعاص کی رہائی کے لیئے اپنی والدہ کا دیا ہوا ہار بطور فدیہ بھیجا تھا، اور حضرت ام کلثوم و رقیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہجرت سے بھی قبل ابولہب کے خاسرانہ اعمال کے ضمن میں آتا ہے کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں صاجزادیوں کو طلاقیں دلوا دی تھیں۔ پھر ان تینوں بناتِ رسولؐ کا

انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا، جبکہ سب ربائب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اپنے گھروں میں آباد رہیں۔ [۵۱۲]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر تذکرہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ جن کی پیدائش کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس برس مکہ میں قیام کے دوران ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح ان کے خالہ زاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے، ہالہ بنت خویلد کے بیٹے ابوالعاص بن ربیع سے کر دیا تھا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصبِ نبوت و رسالت پر سرفراز کیا گیا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا، مگر ان کے شوہر ابوالعاص کئی سال کے بعد جاکر مسلمان ہوئے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدینہ پہنچنے پر (نکاح اوّل پر ہی) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کے گھر رخصت فرما دیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی عطا فرمائے تھے۔ بیٹے کا نام علی تھا جو کہ بالغ ہونے کے قریب وفات پا گئے۔ اور بیٹی کا نام امامہؓ تھا، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص انس و محبت تھی۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈ پیار کا اندازہ صحیح بخاری و مسلم، مؤطا امام مالک اور نسائی وغیرہ میں مذکور اس واقعہ سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بچپن میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر ایک نماز (فجر) ادا فرمائی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو انہیں زمین پر بٹھا لیتے۔ اور جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے۔

[۵۱۲] رحمۃ للعالمین ۲/۱۰۰-۱۰۲، حاشیہ و متن بالتصرف۔

جب کھڑے ہوتے تو پھر اٹھا لیتے تھے۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے سفرِ ہجرت میں بڑی مشقت اٹھائی تھی، حتیٰ کہ اسی دوران ہی سقوطِ حمل ہوا، اور طبرانی کی ایک مرسل صحیح روایت کے مطابق یہ تکلیف آخری دم تک رہی یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ لوگ انہیں شہید سمجھتے تھے۔ اور امام طحاوی و حاکم کے حوالہ سے علامہ زرقانی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں۔

هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي أُصِيبَتْ فِيَّ۔ "یہ (زینبؓ) میری صاحبزادیوں میں سے افضل ہے کہ میری خاطر اسے مصیبت اٹھانا پڑی"۔ [۵۱۳]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر سے چار سال قبل ۸ھ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ [۵۱۴] رضی اللہ عنہا وارضاہا

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کی ولادت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف تینتیس ۳۳ سال تھی۔ معروف مفسر و محدث اور مورخِ اسلام امام ابن کثیر رحمۃ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے کیا تھا۔ مگر جب قرآن کریم میں سورۃ لہب (تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ۝) نازل ہوئی۔ جس میں

۵۱۳۔ بعض ائمہ نے یہ کہا ہے کہ ان کی یہ فضیلت و مرتبہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ عطا فرمائیں تو انہیں وہ شرف و مرتبہ اور فضیلت (ا) گئی)

Marfat.com

ابولہب اور اس کی بیوی کا انجام بد بتایا گیا ہے تو ابولہب نے اپنے بیٹے سے کہہ کر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دلوادی۔ اور یہ طلاق قبل از رخصتی تھی۔ یعنی ابھی صرف نکاح ہوا تھا رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس صاحبزادی کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو شوہر حضرت عثمان رض کا ساتھ دے کر قائم کیا۔ اور اسی ہجرت حبشہ کی نسبت سے حضرت عثمان و رقیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے کہ حضرت لوط اور ابراہیم علیہم السلام کے بعد پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں بیمار ہوئیں۔ جبکہ ان کی عمر اکیس سال تھی۔ اور جس دن غزوۂ بدر میں فتح و نصرت کی بشارت لے کر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینے پہنچے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا جا رہا تھا۔ اور سیدہ رقیہ کے بطن طاہر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا عبداللہ تھا جو چھ برس کی عمر میں اپنی والدہ کے دو سال بعد ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ [۵۱۵]

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے بطن طاہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی جس میں پوری امت کی عورتوں میں سے ان کا کوئی شریک نہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے۔ فتح الباری ۷/۱۰۵-۱۰۶ طبع دارالافتاء۔

۵۱۴۔ مختصر از رحمۃ للعالمین ۲/۱۰۲-۱۰۴، الفتح الربانی ۱۴/۱۰۰-۱۰۱، ۲۲/۹۷-۹۹ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۲/۳/۳۳۰-۳۳۳

۵۱۵۔ بخاری مع الفتح ۳/۱۵۱-۱۵۸ و مع العمدۃ للعینی ۴/۸/۷۵-۷۶ طبع بیروت، الفتح الربانی ۵۷/۸، ۵۹-۶۰، ۲۲/۹۹، البدایۃ والنہایۃ ۳/۵/۳۰۸-۳۰۹ طبع بیروت، رحمۃ للعالمین ۲/۱۰۵

Marfat.com

تیسری صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا نکاح بھی ابولہب کے ایک بیٹے
سے ہوا تھا۔ اور ان کی طلاق کا سبب اور موقع بعینہٖ وہی ہے جو حضرت رقیہ رضی اللہ
عنہا کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی اور زوجہ عثمانؓ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا
کی وفات کے بعد ۳ھ میں اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اور حضرت عثمانؓ کے یکے بعد دیگرے نبی صلی اللہ وسلم
کی دو صاحبزادیوں کا شوہر ہونے کے شرف و سعادت کی وجہ سے انہیں "ذوالنورین" کا خطاب
ملا۔ ازالۃ الخفاء کے ص ۲۲۳ سے مستدرک حاکم کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے علامہ منصور
پوری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ام کلثومؓ کے نکاح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا۔

"یہ جبرائیلؑ ہیں جو کہہ رہے ہیں کہ یہ حکم الٰہی ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی تم سے بیاہ
دوں۔" اور لکھا ہے۔

جن دنوں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تھا، انہی دنوں حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ کی دختر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی بیوہ ہو گئیں۔ حضرت عمرؓ نے عثمان
غنیؓ سے اپنی لڑکی کا ذکر کیا تو وہ ٹال سے گئے، اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے رنج
کا اظہار نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمانؓ کو
حفصہؓ سے بہتر زوجہ ملے گی، اور حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر ملے گا۔ اس ارشاد کے
بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ام المؤمنین ہونے کا شرف عطا ہوا (کہ ان سے خود
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا) اور حضرت عثمان غنیؓ کو ذوالنورین بننے کی
عزت حاصل ہوئی۔ (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت
ام کلثومؓ بھی ان کے نکاح میں دے دی)۔

اور نہج البلاغۃ (ص ۱۵۳ طبع تبریز ۱۲۶۱ھ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت علی

Marfat.com

رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: آپ ان دونوں (صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما) سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری رکھتے ہیں۔ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہونے کی عزت حاصل ہے۔ جو ان دونوں کو نہیں ملی۔ [۵۱۶]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی، اور ۹ھ میں وہ انتقال کر گئیں، اور صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ایک بیٹی کی قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ فرأیت عینیه تدمعان ۔ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

طبقات ابن سعد، طبری اور طحاوی وغیرہ کے حوالہ سے اس حدیث کے شارحین نے لکھا ہے:۔ "کہ اس بیٹی سے مراد ام کلثوم ہیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ [۵۱۷]

اور البدایۃ والنہایۃ (۳/۵/۳۰۹) میں ہے کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لو کانت عندی ثالثة لزوجتها عثمان۔

"اگر میری کوئی تیسری بیٹی بھی ہوتی تو میں عثمان سے بیاہ دیتا۔"

اور ایک روایت میں ہے۔

لَوْ کُنَّ عَشْرًا لَزَوَّجْتُهُنَّ عثمان۔ "

"اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سبھی عثمان کے نکاح میں دے دیتا۔"

---

[۵۱۶] ۔ نقلاً عن رحمۃ اللعالمینؐ ۲/۱۰۶ ۔ ۱۰۸

[۵۱۷] ۔ بخاری مع الفتح ۳/ ۱۵۱-۱۵۸ ، و مع العمدہ للعینی ۴/۸/۷۵-۷۶ ، الفتح الربانی ۲۲/۹ ۸/۵۷-۵۹-۶۰ ، البدایۃ والنہایۃ ۳/۵/۳۰۸-۳۰۹ ، رحمۃ اللعالمین ۲/ ۱۰۵ - ۱۰۸ -

Marfat.com

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا۔

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی اور سب سے بڑی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تھیں جو الاستیعاب کی روایت کے مطابق اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے اکیالیسویں سال میں پیدا ہوئیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت و رسالت سے سرفراز کیئے جا چکے تھے۔

جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی بچی ہی تھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کعبہ شریف میں نماز پڑھنے گئے۔ وہاں بہت سے کفار قریش اور مشرکین مکہ موجود تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو عقبہ بن ابی معیط نے اونٹ کی گندی اوجھڑی لاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر ڈال دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حالت سجدہ میں ہی تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ اور اپنے والد گرامی کی پشت سے وہ اوجھڑی گرائی، اور عقبہ کے لیئے بددعا کی۔ یہ واقعہ صحیح بخاری شریف، "باب مالقی النبی، صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین" میں مذکور ہے۔

۲ھ میں اسلام اور کفر کے مابین لڑے جانے والے پہلے معرکہ حق و باطل غزوہ بدر کے بعد، لیکن غزوہ احد سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہو گیا۔ اور اس دوسرے معرکہ غزوہ احد میں تو خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حصہ لیا۔

صحیح مسلم شریف میں غزوہ احد کے وقائع میں مذکور ہے کہ مدینہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا احد کے میدان کارزار میں پہنچ گئیں۔ مگر اس وقت تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس غار سے باہر تشریف لا چکے تھے۔ جہاں زخموں سے نڈھال ہو کر کچھ سستانے کے لیئے آپ جا بیٹھے تھے۔ حضرت سیدہ نے والد محترم کے زخموں کو دھویا، اور جب دیکھا کہ خون تھم نہیں رہا تو کھجور کی ایک صف کو جلا کر اس کی راکھ آپ کے زخموں پر رکھی، جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہنا بند ہو گیا۔

Marfat.com

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی دوسری بہنوں پر یہ شرف و فضیلت حاصل تھی کہ دو بہنوں میں سے کسی کی ذریت نہیں چلی۔ اگر اولاد ہوئی بھی تو فوت ہو گئی، جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن، حسین، اُم کلثوم اور زینب رضی اللہ عنہم عطا فرمائے۔ جبکہ مورخین اور سیرت نگاروں نے حضرت فاطمہ و علی رضی اللہ عنہما کی اولاد میں محسن اور رقیہ بھی کیے ہیں۔ یہ دونوں بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کے ساتھ اپنے نکاح پر چالیس ہزار درہم حق مہر ادا کیا تھا۔ ان کے بطن سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دو بچے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد اُن کا نکاح ثانی حضرت عون بن جعفر طیار سے ہوا تھا جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دوسری صاحبزادی حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار سے ہوا تھا۔ جن سے اُن کے ایک فرزند عدی بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے۔ جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بارہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا فرمائیں۔ اور حسین رضی اللہ عنہ کے ایک فرزند حضرت زین العابدین علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم تھے جن سے حضرات سادات کا سلسلہ جاری ہے۔

اور ان کی پاکبازی و پارسائی کا اندازہ صرف اسی ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے جس کی راوی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ ایک بار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے ذکر کیا کہ عورتوں کا جنازہ جس طرح اب لے جایا جاتا ہے مجھے تو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ جنازے کے اُوپر ایک چادر ڈال دیتے ہیں جس میں سے اس کا پیکر نظر آتا ہے۔ حضرت اسماءؓ نے کہا کہ میں نے ہجرت حبشہ کے دوران وہاں ایک دستور دیکھا ہے، وہ آپ کو دکھاتی ہوں۔ پھر انہوں نے

Marfat.com

کھجور کی تازہ شاخیں منگوا کر چارپائی کے اطرف میں لگائیں اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بہت ہی اچھا ہے۔"

الغرض اُم الحسنین، جگر گوشہ رسولؐ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ اور فضائل و مناقب کی فہرست بڑی طویل ہے۔ جسے حسب سابق صحیح احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ہم بعد میں درج کریں گے۔ انشاء اللہ!

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف چھ ہی ماہ بعد رمضان المبارک ۱۱ھ کو منگل کی رات وفات پائی۔ جبکہ ان کی کل عمر اور مقام تدفین میں مختلف اقوال ہیں۔ خود ان کے اپنے پڑپوتے حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم نے تیس سال ذکر فرمائی ہے۔ اور جائے تدفین کے بارے میں بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے ہی گھر میں دفن ہیں، لیکن اکثر مورخین کا رجحان اس طرف ہے کہ ان کی قبر مبارک حضرت عباس، حضرت حسن اور حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہم کے پہلو بہ پہلو بقیع میں ہے۔

اور مسعودی نے مروج الذہب میں ذکر کیا ہے کہ ۳۳۲ھ میں بقیع سے ایک پتھر کی سل ملی تھی جس پر تحریر تھا:۔

هٰذا قبرُ فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

یہ قبر فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

اس سے بھی بقیع میں مدفون ہونے والوں کے رجحان کی تائید ہوتی ہے۔ [۵۱۸]

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب شیعہ کتب و مصنفین کے یہاں تعداد بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کرنے کے بعد مذکور ہوں گے۔

٭

[۵۱۸] - فتح الباری ۷/۱۰۵ طبع دارالافتاء، البدایۃ والنہایۃ ۳/۵/۳۰۹ - مختصراً از رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۰۸ - ۱۲۵۔

Marfat.com

شیعہ کتب و مصنفین کے یہاں تعداد بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

معلوم نہیں کہ شیعہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں (ماسوا حضرت فا
رضی اللہ عنہا) کی نفی پر کیوں مصر ہیں۔ جبکہ خود کئی شیعہ منصف مزاج مؤلفین نے
اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً:۔

۱۔ کتاب "حیات القلوب" مؤلفہ ملا باقر مجلسی جلد دوم باب پنجاہ و یکم (۵۱) اور
پنجاہ و دوم (۵۲) میں حضرت جعفر صادقؒ سے معتبر سند سے منقول ہے کہ ح
خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یہ تھی، طاہر و قاسم
و ام کلثوم و رقیہ و زینب۔

اور مذکورہ مقام پر یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پہلے حض
ام کلثوم اور پھر حضرت رقیہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح ہوا۔

حیات القلوب میں ملا مجلسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے نکاح عثمان
رضی اللہ عنہ میں آنے کی جو ترتیب لکھی ہے وہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ پہلے حضرت
رقیہ اور پھر حضرت ام کلثوم (رضی اللہ عنہا) کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی
اس مقام پر ملا مجلسی نے دوسرا مغالطہ دینے کی بھی ایک کوشش کی ہے کہ ام کلثوم حضرت
سے قبل فوت ہو چکی تھیں۔ حالانکہ حضرت رقیہ، حضرت عثمان کے نکاح میں تقریباً آٹھ سال
اور حضرت ام کلثوم تقریباً سات سال رہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

بہر صورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہونا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا
دوہرا داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا تو ثابت ہوا۔

۲۔ کتاب "الاصول من الکافی" تالیف ابو جعفر محمد بن یعقوب الکلینی، کتاب الحجۃ باب
مولد النبیؐ میں رقمطراز ہیں کہ بعثت سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں حضرت

Marfat.com

خدیجہ رضی اللہ عنہا سے قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم، اور بعثت کے بعد طیب و طاہر (عبداللہ) اور فاطمہ پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہم)

۳۔ کتاب "منتہی الآمال" جلد اول فصل ہشتم میں مصنف کتاب شیخ عباس قمی نے حضرت جعفر صادقؒ سے روایت نقل کی ہے، جس میں طاہر و قاسم، فاطمہ و ام کلثوم اور رقیہ و زینب کے اسماء گرامی مذکور ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

۴۔ کتاب "تہذیب الاحکام" مصنفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی جلد سوم ص ۱۲۰ مطبوعہ ایران میں حضرت قاسم و طاہر اور رقیہ و ام کلثوم (رضی اللہ عنہم) کو اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم شمار کیا گیا ہے۔

اسی طرح ہی کشف الغمۃ، کتاب الخصال از شیخ صدوق ابن بابویہ القمی، الآمالی از شیخ صدوق، مروج الذہب للمسعودی اور الانوار النعمانیہ جلد اول مصنفہ سید نعمت اللہ شیعی وغیرہم سے بھی اس بات کی ہی تصدیق ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی صاحبزادیاں چار تھیں۔ رضی اللہ عنہن۔

شیعہ کے اعتراضات اور ان کے مختصر جوابات

۱۔ جب سورۂ شعراء کی آیت (وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ) نازل ہوئی تو بخاری و مسلم کی بعض احادیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قبائل کے نام لیے اور تین افراد حضرت عباس، حضرت صفیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم کے فرداً فرداً نام لے کر بلایا۔ اگر کوئی دوسری بیٹی بھی ہوتی تو اُسے کیوں نہ بلایا گیا؟

جواب:۔

مسلمہ قاعدہ "عدم الذکر لا یستلزم عدم وجود الشیئ" کی رو سے جب صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر چچوں حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ، ابوطالب و زبیر وغیرہم کی نفی نہیں کی جا سکتی، بعینہٖ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا بھی ہے۔

۲۔ جب سورۃ شوریٰ کی آیت (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى) نازل ہوئی تو ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب بعض روایات کے مطابق لوگوں نے پوچھا، مَنْ هٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ وجبت علينا مودتهم؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی و فاطمہ اور حسن و حسین، تو اس روایت سے بھی کسی دوسری صاحبزادی کا کیوں پتہ نہیں چلتا؟

جواب:۔

اوّلاً:۔ تو یہ بلکہ پوری سورت ہی مکی ہے۔ اور اس وقت تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح ہی نہیں ہوا تھا، تو حسن و حسین کہاں؟

ثانیاً:۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "فتح الباری شرح صحیح بخاری" میں اس روایت پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ واسناده ضعيف۔ واسناده واهٍ، فيه ضعيف ورافضي۔ اور امام ابن کثیرؒ نے بھی اس روایت کو لا اصل قرار دیا اور ثابت کیا ہے۔

۳۔ آیتِ تطہیر (اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (احزاب)) نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، اور ان پر اپنی چادر ڈال کر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔۔۔۔۔۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بھی صاحبزادیاں ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھی چادر کے نیچے جمع کرتے؟

جواب:۔ (ا) مذکورہ آیت کا سیاق و سباق دال ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا ہی ذکر ہے۔ بیٹیوں کا نہیں۔ لہٰذا مذکورہ روایت کا آیت سے کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

(ب) اور چونکہ ازواجِ مطہرات تو اہلِ بیت تھیں ہی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار حضرات کو بھی چادر ڈال کر دُعا کے ذریعے اس شرف میں شامل کر لیا (تفسیر قرطبی) اگر مذکورہ آیت سے مراد صرف یہی چار افراد تھے تو ان پر چادر ڈال کر دوبارہ دُعا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

(ج) اور مسلمہ قاعدہ ذکر الشیئ ...... ”کی رُو سے دیگر بیٹیوں کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ اور نہ وہ غیر حقیقی بنتی ہیں۔

(د) اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کر دے کہ حضرت زینبؓ واُمِّ کلثومؓ، حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی صاحبزادیاں نہیں۔ اور نہ ہی وُہ اہلِ بیت میں سے ہیں۔ کیونکہ وُہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے نیچے نہیں تھیں تو شیعہ حضرات اس استدلال کو کمزور قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح خود شیعہ کا استدلال بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلمؐ (حضرت زینب، رقیہؓ اور اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہن) کے بارے میں بھی کمزور ہے۔ جس طرح وُہ چادر کے نیچے نہ آنے کے باوجود حقیقی اور اہلِ بیت سے ہیں، اِسی طرح یہ بھی ہیں۔

۴۔ نجران کے نصاریٰ کے مقابلے میں ” دعوتِ مباہلہ “ کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے حضرت علی و فاطمہ اور حسن وحسین کو ساتھ لیا، اس سے بھی دُوسری صاحبزادیوں کے حقیقی وصلبی ہونے کی نفی ہوتی ہے۔

جواب :-

شیعہ وسُنّی کتب کے مطابق مباہلہ کا یہ واقعہ ۹ھ کے آخر میں، اور بعض روایات کے مطابق ۱۰ھ میں رُونما ہوا، جیسا کہ معتبر شیعہ کتاب ”تلخیص الشافی“ میں مذکور ہے، جبکہ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا ۲ھ میں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۸ھ میں اور حضرت ام کلثومؓ ۱۰ھ میں وفات پا گئیں۔ جب وُہ زندہ ہی نہیں تھیں تو شرکت

Marfat.com

کا سوال چہ معنی دارد؟ اور اسی طرح کے بعض دیگر بے سروپا اعتراضات کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کہہ دیتے ہیں کہ بنات سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبائیں تھیں، جس کا جواب دیا جا چکا ہے۔

اور کبھی کہہ دیتے ہیں کہ کتب حدیث و تاریخ میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ذکر ملتا ہے، دوسری بنات کا نہیں، جو کہ ان کی کم علمی کا ایک کھلا اعتراف ہے ورنہ ہم ہر ایک بیٹی کا ذکر و فضائل بیان کر آئے ہیں۔ اور کسی کا ذکر نہ ملنا عدم وجود کا ثبوت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ سورۂ نساء آیت ۱۶۴ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۔ اللہ کے وہ رسول جن کا حال ہم (قرآن میں) پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیان کر چکے ہیں۔ اور کئی رسول ایسے ہیں جن کا حال ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہیں بیان کیا۔

تو جن رسولوں کا تذکرہ قرآن میں نہیں آیا۔ اس سے کوئی یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ وہ رسول ہی نہیں تھے؟ یا وہ حقیقی نہیں تھے۔

— واللہ الہادی الیٰ سواء السبیل —

Marfat.com

فضائل و مناقب حضرت فاطمۃ الزہراء

رضی اللہ عنہا

جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب پر مبنی ارشاداتِ نبوی بکثرت ہیں۔ جن میں سے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپ کے پاس تھیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔

ما تخفی مشیتها من مشیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"ان کے چلنے کا انداز بالکل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا تھا ذرّہ برابر فرق نہ تھا۔"

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ لیا۔ تو فرمایا:۔

مَرحبًا یا بِنتِی — میری بیٹی خوش آمدید

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بٹھا لیا۔ اسی دوران اُن سے کوئی سرگوشی کی۔ ان کے کان میں کوئی بات کہی۔ جس سے وہ رونے لگیں۔ جب انہیں غمناک (روتے) دیکھا تو پھر دوسری مرتبہ بھی کان میں کوئی سرگوشی کی۔ تو وہ خوشی سے ہنسنے لگیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر کہیں باہر تشریف لے گئے تو میں نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رازداری کے ساتھ کیا فرمایا تھا؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا راز فاش نہیں کرنا چاہتی۔ (اس طرح بات آئی گئی ہو گئی) پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو میں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دوبارہ کہا کہ میں نے پہلے بھی ایک مرتبہ آپ سے پوچھا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن سرگوشیوں میں کیا راز تھا؟ جن سے آپ پہلے روئیں اور پھر ہنسیں۔ مگر آپ نے نہیں بتایا تھا۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، لیجئے وہ بھید اب میں آپ کو بتاتی ہوں:۔

Marfat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ سرگوشی کے انداز سے مجھے بتایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآن کریم کو دُہرایا کرتے تھے۔ مگر اس سال انہوں نے دو مرتبہ دہرایا ہے اور اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا آخری وقت قریب آ گیا ہے، تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا۔ اور صبر سے کام لینا۔ میں تم سے پہلے جانے والا تمہارا بہترین پیش رو ہوں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور فراق کی باتیں سُن کر میں رونے لگی تھی۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے غمناک دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا:۔

یا فاطمة الا ترضین ان تکونی سیدة نساء اھل الجنة او نساء المؤمنین۔ [۵۱۹] اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم اہلِ جنت کی خواتین کی سردار ہو (یعنی خاتونِ جنت) یا پھر شاید کہ یہ فرمایا کہ تم تمام اہلِ ایمان کی خواتین کی سردار ہو۔

اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی تکلیف کے دوران ان کی روح قبض کر لی جائے گی، تو میں رو دی، اور جب دوسری مرتبہ فرمایا

انی اوّل اھل بیته اتبعهٗ فضحکتُ۔ [۵۲۰]

کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے آپ سے جا ملوں گی تو میں ہنس دی۔

اور صحیح بخاری و مسلم شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے:۔

فاطمة بضعة منّی، فمن اغضبها اغضبنی۔ [۵۲۱]

۵۱۹:۔ مسلم بتحقیق محمد فواد عبدالباقی ۴/۱۹۰۵ طبع بیروت۔

۵۲۰:۔ متفق علیہ، مشکاۃ ۳/۳۲-۱۷۳۱، شرح السنۃ ۱۴/۱۶۰-۱۶۱، الفتح الربانی ۲۲/۱۲-۹۳،

۵۲۱:۔ بخاری مع الفتح ۷/۱۰۵

Marfat.com

فاطمہ میرے جسم کا ایک حصّہ یا جگر گوشہ ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا، اُس نے مجھے ناراض کیا۔

ایک اور متفق علیہ حدیث میں ہے:۔

یریبنی ما ارابہا و لیؤذینی ما اٰذاھا۔ [۵۲۲]

جو چیز فاطمہؓ کو بُری لگے وہی مجھے بھی بُری لگتی ہے، اور جس چیز سے اُسے اذیت پہنچتی ہو اس سے خود مجھ کو بھی اذیت پہنچتی ہے۔

یاد رہے کہ صحیح بخاری شریف کے سات مقامات اور صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ اور مسندِ احمد میں اس حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا سبب بھی مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں ہی ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے اور اُسے حضرت فاطمہؓ کی سوتن بنانے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم غم و غصّہ کے عالم میں منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور تین مرتبہ فرمایا کہ میں اس بات کی اجازت نہیں دیتا سوائے اس کے کہ اگر ابن ابیطالب ضرور ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنا ہی چاہتا ہے تو پہلے میری بیٹی کو طلاق دے دے، پھر اُس سے نکاح جا کرے۔

(شرح السنۃ وتحقیقۃ ۱۴/۱۵۹)

اور بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر) ابوالعاص بن ربیع کا نام لے کر فرمایا کہ میں نے اسے اپنی بیٹی دی تو اس نے مجھ سے جو بات کہی، سچ کہا، اور جو وعدہ کیا پورا کیا۔ اس طرح ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے ایک اچھا داماد ہونے کی تعریفیں کیں۔ اور اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میں حرام کو حلال، اور حلال کو حرام تو قرار نہیں دے سکتا، لیکن؛

وَاللہِ لا تجتمع بنتُ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و

---

[۵۲۲] مشکاۃ ۳/۱۷۳۲، شرح السنۃ ۱۴/ ۱۵۸-۱۵۹، الفتح الربانی ۲۲/۹۵

Marfat.com

بنت عدوِّ اللہ مکانًا واحدًا ابدًا۔ ۵۲۳

بخدا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ کے دشمن (ابوجہل) کی بیٹی ایک جگہ پر اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔

اور دوسری روایت میں ہے: عِنْدَ رجل واحدٍ ابدًا

"کہ ایک آدمی کے نکاح میں کبھی اکٹھی نہیں ہوسکتیں"۔

اس عتابِ نبوی کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ۵۲۴ تاکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل کو ٹھیس پہنچنے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچانے کی نوبت نہ آنے پائے۔

اور حضرت جُمیع بن عمیر سے مروی ہے:۔

کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ عائشہؓ کے پاس گیا۔ ان سے سوال کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ انہوں نے فرمایا: فاطمہؓ۔ اور کہا گیا کہ مردوں میں کون تھا؟ تو فرمایا: فاطمہؓ کا شوہر علی رضی اللہ عنہما۔ جو میری معلومات کے مطابق بڑے روزہ دار و شب زندہ دار تھے۔ ۵۲۵

فضائل و مناقب حضرت فاطمہ و علی اور حسن و حسین

رضی اللہ عنہم

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات آپ کے سامنے رکھے جا چکے ہیں۔ جبکہ بعض احادیث ایسی

۵۲۳:۔ بخاری مع الفتح ۸۵/۷، مسلم باب فضائل فاطمہؓ بنت النبیؐ ۱۹۰۲/۴ - ۱۹۰۴

۵۲۴:۔ مسلم ایضاً و الفتح الربانی ۹۴/۲۲ -

۵۲۵:۔ ترمذی، مشکوٰۃ ۱۷۳۵/۳، وحسّنہ الترمذی و وافقہ الالبانی -

Marfat.com

ہیں جن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے فضائل بھی مذکور ہیں۔ مثلاً، سورۃ آل عمران کی آیت ۵۹ میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال آدم (علیہ السلام) کی سی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا اور فرمایا: ہو جا، اور وہ ہو گئے۔ یعنی اگر بالفرض محض بے باپ پیدا ہونا ہی کسی کو خدا یا خدا کا بیٹا بنانے کے لیے کافی دلیل ہو تو پھر عیسائیوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق بدرجۂ اولیٰ ایسا عقیدہ تجویز کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو صرف بے باپ ہی پیدا ہوئے تھے۔ مگر آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں ہی کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ [۵۲۶]

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب کی طرف سے بتائی جا رہی ہے۔ اور تم ان لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤ جو اس میں شک کرتے ہیں"۔
اور اس سے اگلی آیت ۶۱، آیتِ مباہلہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"یہ علم آجانے کے بعد جو کوئی اس معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرے تو (اے نبیؐ) اُس سے کہیں کہ آؤ، ہم اور تم خود بھی آجائیں، اور اپنے اپنے بال بچوں کو بھی لے آئیں۔ پھر (سب مل کر) مباہلہ یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت (نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ) نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

---

[۵۲۶]۔ تفہیم القرآن ۱/۵۹، طبع مکتبہ تعمیر انسانیت و مختصر حواشی ترجمہ قرآن ص ۱۶۱۔

Marfat.com

علی، فاطمہ، حسن، حسین (رضی اللہ عنہم) کو اپنے پاس بلا کر فرمایا:۔

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلِیْ ۔ ۵۲۷ ، اے اللہ یہ سب میرے اہل بیت ہیں

اس حدیث شریف کی رُو سے ان چاروں حضرات کو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل بیت یا اہلِ خانہ ہونے کے شرف سے نوازا۔

اسی طرح ہی صحیح مسلم میں ہی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کے وقت کالی اُون کی بنی ہوئی یمنی چادر اوڑھے نکلے تو حسن بن علی رضی اللہ عنہما آگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حسین رضی اللہ عنہ آئے تو انہیں بھی داخل کر لیا۔ پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہیں بھی اس چادر میں داخل کر لیا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ آئے تو اُن کو بھی اُس چادر میں داخل کر لیا۔ پھر (سُورۃ احزاب کی آیت ۳۳) تلاوت فرمائی (جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم اہل بیت نبیؐ سے ہر قسم کی لغویات و گندگی کو دُور کر دے۔ اور تمہیں پُوری طرح پاک کر دے۔

اس حدیث نبویؐ میں انؓ چاروں حضرات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت داری، ان کا مقام و مرتبہ اور فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ۵۲۸

سُورۃ احزاب آیت ۳۳، اور صحیح مسلم شریف کی ان سابقہ دونوں حدیثوں کے ساتھ ہی صحیح مسلم وغیرہ کی ہی ایک اور حدیث بھی شامل کر لی جائے تو نہ صرف اہلِ بیت کے مقام و مرتبہ اور فضیلت کا پتہ چل جاتا ہے، بلکہ ساتھ ہی افرادِ اہلِ بیت کی تعیین بھی ہو جاتی ہے۔

۵۲۷۔ مسلم مع النووی ۸/ ۱۵/ ۱۷۶، مشکاۃ ۳/ ۱۷۳۱۔

۵۲۸۔ انظر نفس الحدیث فی شرح السنۃ ۱۴/ ۱۱۶ و مشکاۃ ۳/ ۱۷۳۱،

Marfat.com

اور واضح طور پر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ اہل بیت میں کون کون شامل ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکّہ اور مدینہ کے درمیان غدیر خم نامی مقام پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کھڑے ہو کر ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں حمد و ثنا اور وعظ و تذکیر کے بعد آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

"اے لوگو: میں بھی ایک بشر ہوں، اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیامِ اجل لانے والا (یعنی عزرائیل علیہ السلام) آئے اور میں اسے قبول کر لوں۔ لیکن میں تمہارے مابین دو عظیم الشان چیزیں چھوڑ کر جانے والا ہوں۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس اللہ کی کتاب کو پکڑ لو، اور اس (کے احکام) کو اچھی طرح اپنا لو۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کتاب اللہ کے بارے میں خوب ترغیب دلائی۔ پھر فرمایا:۔ اور (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں، اور پھر تین مرتبہ فرمایا۔

اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ۔

"میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں خوفِ خدا سے کام لینے کی تلقین کرتا ہوں"

رواۃِ حدیث میں سے حصین بن سبرہ نے پوچھا: اے زید! نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اہلِ بیت سے نہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:۔ نِسَآءُہٗ مِنْ اَھْلِ بَیْتِہٖ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات تو آپؐ کے اہلِ بیت سے ہی ہیں۔ لیکن وہ بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اہل بیت ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔

حضرت حصینؓ نے پوچھا، وہ کون ہیں؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر اور آلِ عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت حصینؓ نے پوچھا کیا ان سب پر صدقہ و زکوٰۃ حرام ہے؟ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔

Marfat.com

امام نوویؒ رحمہ اللہ نے مسلم شریف کی اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں مذکور لفظ "صدقہ" سے مراد زکوٰۃ ہے۔ اور وہ ہمارے نزدیک بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر حرام ہے۔ جبکہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک زکوٰۃ صرف بنو ہاشم پر حرام، اور کسی پر نہیں اور اس حدیث سے آگے تیسری حدیثِ مسلم میں ازواجِ مطہرات کے اہلِ بیت سے ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ جس سے یہ دونوں روایتیں بظاہر متناقض اور متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:-

پہلی روایت سے مراد یہ ہے کہ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے ہیں کہ جن کی رہائش و خوراک اور کفالت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احترام و اکرام کا حکم فرمایا، اور انہیں ثقل (عظیم الشان) قرار دیا۔ اور آپؐ نے ان کے حقوق کے سلسلہ میں وعظ و تذکیر فرمائی، اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات ان سب امور میں داخل ہیں۔ لیکن اُن لوگوں میں داخل نہیں ہیں جن پر صدقہ زکوٰۃ حرام ہے۔ پہلی روایت میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت سے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت وہ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس طرح دونوں روایتوں کا ظاہری اختلاف ختم ہوا، اور دونوں کا مفہوم متفق ہو گیا۔ [530]

---

[529] مسلم مع النووی ۸/۱۵/۱۷۹-۱۸۰، الفتح الربانی ۲۲/۱۰۳-۱۰۴، مشکوٰۃ ۳/۱۷۳۲، شرح السنۃ ۱۴/۱۱۸

[530] شرح مسلم نووی ۸/۱۵/۱۷۹-۱۸۰،

فضائل ومناقب حضرت حسن رضی اللہ عنہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نواسے، حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ کے لختِ جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ اور فضائل ومحاسن بھی کتبِ حدیث بکثرت وارد ہوتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

رَاَیتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والحسن ابن علیٍ علٰے عاتقہ یقول: اللّٰھم انی اُحبُّہٗ فاحبّہ۔ [۵۳۱]

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپؐ کے کندھے پر تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے۔ اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں، پس تو بھی اس سے محبت کر۔

اور بخاری ومسلم میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ،

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دن کے کسی حصہ میں باہر نکلا، آپؐ حضرت فاطمہؓ کے گھر پر تشریف لائے۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آوازیں دیں (جبکہ وہ ابھی بچے تھے) تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت حسنؓ بھاگتے ہوئے آئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آتے ہی انہیں گلے لگالیا۔ دونوں نے باہم معانقہ کیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اِنّی اُحبُّہ فَاَحِبَّہٗ واُحبب من یحبُّہٗ۔ [۵۳۲]

---

[۵۳۱] بخاری مع الفتح ۷/۹۴، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۱۹۳، شرح السنۃ ۱۴/۱۳۴، مشکاۃ ۳/۱۷۳۳

[۵۳۲] البخاری فی البیوع، باب ماذکر فی الاسواق و فی اللباس، باب السخاب للصبیان، شرح السنۃ ۱۴/۱۳۴-۱۳۵، مسلم ومشکاۃ حوالہ بالا۔

اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر، اور اس سے بھی محبت کر جو اس سے محبت رکھتا ہے۔

صحیح بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا، جبکہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پہلو میں تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن کی طرف، اور اسی عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِنّ ھٰذا ابنِی سیّدٌ لعلّ اللہ ان یُصلح بہ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عظیمتین۔ ۵۳۳

میرا یہ بیٹا سردار ہے، اور اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کے ہاتھوں مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے مابین صلح کرائے گا۔

اور تاریخ شاہد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت پوری ہوئی۔ اور امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوئی جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت ہاتھ آنے پر فتنہ و فساد کے خدشہ سے مسلمانوں میں خون خرابہ کو ناپسند کرتے ہوئے امر خلافت کو ترک کر دیا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی ۵۳۴ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ اور ان کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے عراق و شام کے مابین صلح کرا دی، اور وہ سال تاریخ میں عام الجماعۃ یا سنۃ الجماعۃ کہلایا۔

اور اس حدیث صحیح میں اس بات کی دلیل بھی موجود ہے کہ اس صلح میں شریک دونوں جماعتیں ہی مسلمان تھیں۔ طرفین میں کوئی ایک بھی قولاً یا فعلاً اسلام

۵۳۳:- بخاری مع الفتح ۹۴/۷، شرح السنۃ ۱۳۶/۱۴، مشکاۃ ۱۷۲۳/۳۔

۵۳۴:- کاتبینِ وحی کی تفصیل: البدایۃ والنہایۃ ۳۳۹/۵/۳ تا ۳۵۶ آخر جلد۔

ج نہیں ہوا۔ کیونکہ بخاری وغیرہ کے اس ارشادِ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں
ؤں کو مسلمانوں کی جماعتیں قرار دیا ہے۔ ۵۳۵

اور بخاری شریف میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما
بیٹے تھے اور سورۃ احزاب کی آیت چار اور پانچ خصوصاً آیت پانچ کے الفاظ (اُدْعُوْهُمْ
ئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ) کے نزول سے پہلے زید بن محمد کہلواتے تھے۔

حضرت اسامہؓ اور زیدؓ دونوں باپ بیٹے ہی نبی صلی اللہ سے انتہائی محبت رکھتے تھے
اکہ بخاری و مسلم میں مذکورہ احادیث سے پتہ چلتا ہے، اور حضرت اسامہ کو تو آپ صلی اللہ
یہ وسلم اتنا مقام دیتے تھے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے
کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ، ہم دونوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ چمٹا
اور) فرماتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا۔ ۵۳۶

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔

اور بخاری شریف ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی ایک
ان مبارک پر، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دوسری پر بٹھا لیتے اور فرماتے۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُهُمَا۔ ۵۳۷

اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما، میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ
اپنی دعاءِ خیر میں شریک فرمایا۔ جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید بن حارثہ

۵۳۵۔ شرح السنۃ ۱۳۶/۴-۱۳۷، تحفۃ الاحوذی ۹/ ۷۸-۲۷۷ طبع مدنی۔

۵۳۶۔ بخاری مع الفتح ۹۴/۷، مشکاۃ ۱۷۳۴/۳۔

۵۳۷۔ مشکاۃ شریف ۱۷۳۴/۳۔

رضی اللہ عنہ اور خود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے صحیح مسلم وغیرہ میں ارشادِ نبوی

ان کان لمن احب الناس الی وان ھذا لمن احب الناس الی بعدہ

(زید) مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھا، اور اس کے بعد یہ (اسامہ) مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔

اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازہ ترمذی کی اس حدیث سے بھی ہوتا ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہؓ کی ناک صاف کرنا چاہی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اے اللہ کے رسولؐ، یہ کام مجھے کرنے دیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یَا عَائِشَۃُ اَحِبِّیْہِ فَاِنِّیْ اُحِبُّہٗ۔ [۵۳۹]

اے عائشہؓ! اس سے محبت رکھو، میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔

فضائل و مناقب حسنین رضی اللہ عنہما

سبطِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند ارشاداتِ نبویؐ ذکر کیے جا چکے ہیں۔ جبکہ بعض احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ارشادِ نبوی

ھُمَا رِیحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا۔ [۵۴۰]

حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پھول ہیں۔

اور ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

۵۳۸:۔ مسلم مع النووی ۱۹۶/۱۵/۸۔

۵۳۹:۔ ترمذی مع التحفۃ ۳۲۳/۹، مشکاۃ ۱۷۴۰/۳ وحسنہ الالبانی۔

۵۴۰:۔ بخاری مع الفتح ۹۵/۷، مشکاۃ ۱۷۳۳/۳، شرح السنۃ ۱۳۰/۱۴۔

Marfat.com

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو اپنے پاس بُلا کر سُونگھتے اور اپنے ساتھ چمٹا لیتے تھے۔

اور طبرانی اوسط میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما، دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھیل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! کیا آپؐ ان سے محبت رکھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَكَيفَ لَهُ، هُمَا ريحانتای من الدنيا اشمّهما۔ [۵۴۱]

کیوں نہیں، یہ دونوں تو میرے پھول ہیں۔ جنہیں میں سُونگھتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لم يكن احدٌ اَشْبَهَ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من الحسن بن علی۔ [۵۴۲]

حسن بن علی رضی اللہ عنہما، سے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی شکل و شباہت والا کوئی نہ تھا۔

اور بخاری شریف میں ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے:-

كان اشبههم برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ [۵۴۳]

کہ حسین رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت والے ہونے کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر تھے۔ [۵۴۴]

ترمذی شریف، صحیح ابن حبان، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ارشادِ نبوی ہے

الحسن والحسين سيّدا شباب اهل الجنّة۔ [۵۴۵]

---

[۵۴۱]۔ فتح الباری ۹۹/۷، [۵۴۲]۔ بخاری مع الفتح ۹۵/۷، شرح السنة ۱۳۳/۱۴ [۵۴۳]: [باقی اگلے]

۱۳۳/۱۴۔ [۵۴۳]۔ بخاری مع الفتح ۱۲/۷، وشرح السنة والمشكاة ایضاً۔

حسن وحسین رضی اللہ عنہما نوجوانِ اہلِ جنت کے سردار ہوں گے۔

طیبی، مظہر اور مبارک پوری رحمہم اللہ شارحینِ ترمذی نے یہ وضاحت کی ہے کہ اہلِ جنت کی عمر تو ایک ہی ہو گی، سبھی نوجوان ہوں گے۔ اور اس حدیث کے صحیح مفہوم کی تعیین تبھی ممکن ہے کہ وہ اہلِ جنت مراد لیئے جائیں جو جوانی کے عالم میں راہِ للہ فوت و شہید ہوئے ہوں یا پھر یہ کہ انبیاء کرام اور خلفائے راشدین کے سوا تمام اہلِ جنت کے سردار ہوں گے۔[۵۴۶]

اور ترمذی شریف میں ایک حسن و جیّد سند سے مروی حدیث ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہا کے لیئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ وہ نازل ہوا ہے جو آج کی رات سے قبل کبھی بھی زمین پر نہیں آیا، اس نے اپنے رب سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ (میرے پاس آکر) مجھے سلام کرے اور مجھے یہ بشارت وخوشخبری دے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اہلِ جنت خواتین کی سردار، خاتونِ جنت ہیں۔ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما نوجوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں۔ [۵۴۷]

ابو داؤد، ترمذی اور نسائی شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما آگئے۔ وہ دونوں سرخ رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھے اور (بچپنے کی وجہ سے) گرتے پڑتے چل رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

---

[۵۴۴]:- حضرت حسنین میں سے حسن زیادہ قریبی شباہت والے تھے۔ اور ان کے علاوہ پندرہ دیگر حضرات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی شباہت رکھنے والے تھے۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے فتح الباری ۷/۹۷-۹۸،

[۵۴۵]:- ترمذی مع التحفہ ۹/۲۷۲-۲۸۵، شرح السنۃ وتحقیقہ ۱۳/۱۳۸، مشکاۃ ۳/۱۷۳۷-۱۷۳۹،

[۵۴۶]:- تحفۃ الاحوذی ۹/۲۷۳

[۵۴۷]:- ترمذی مع التحفہ ۹/۲۸۲-۲۸۵، مشکاۃ ۳/۱۷۳۸-۱۷۳۹،

Marfat.com

اوران دونوں کو اُٹھالیا، اور (منبر پر) اپنے سامنے بٹھالیا۔ اور پھر ارشاد فرمایا:۔

صَدَقَ اللّٰہُ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ نَظَرْتُ اِلٰی ھٰذَیْنِ الصَّبِیَّیْنِ یَمْشِیَانِ وَیَعْثُرَانِ فَلَمْ اَصْبِرْ حَتّٰی قَطَعْتُ حَدِیْثِیْ وَرَفَعْتُھُمَا۔ ۵۴۸

اللہ تعالیٰ نے (سورۃ تغابن کی آیت ۱۵ میں) سچ ہی فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد فتنہ و آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں کو چلتے ہوئے گرتے پڑتے آتے دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ میں نے وعظ و گفتگو کو روک کر ان دونوں کو اٹھالیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان دونوں نواسوں کی کس قدر محبت تھی۔ اس کا اندازہ اِس حدیث میں مذکور صرف اسی ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان نونہالوں کو جب اُفتاں و خیزاں، گرتے اور اُٹھتے اور پھر چلتے دیکھا، تو فوراً منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ خطبہ اور وعظ و ارشاد کا وہ سلسلہ بھی منقطع کر دیا۔ اور آکر انہیں اٹھالیا۔ اور ساتھ ہی سورۃ تغابن میں نازل ہونے والے ارشادِ الٰہی کی تصدیق بھی فرمادی کہ مال اور اولاد انسان کے لیئے امتحان و آزمائش ہیں کہ بھلا کوئی مال میں مگن اور اولاد میں کھو کر اپنے خالق و مالک کو تو نہیں بھول جاتا؟

۵۴۸:۔ ترمذی مع التحفہ ۹/ ۲۷۸-۲۷۹، مشکاۃ ۳/ ۱۷۳۸۔

Marfat.com

ذکرِ امّ المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زو
محترمہ حضرت ام المؤمنین خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسر
کسی زوجۂ محترمہ سے نکاح نہیں کیا۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ زوجیت
پچیس سالہ ازدواجی زندگی گزار کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا، تو
کے دو سال بعد سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد خواتین کو اپنے نکاح میں لے کر
ام المؤمنین ہونے کے شرف سے نوازا۔ ان میں نکاح کے اعتبار سے تو سب سے پ
خاتون حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں۔ لیکن ان کے نکاح کے تی
چار سال بعد ان کی رخصتی ہوئی تھی۔ جبکہ اسی دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا۔

امّ المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا
عبدالمطلب کے ننھیال ایک ہی تھے۔ اور ان کا نسب نامہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
آٹھویں پشت کے دادا کعب بن لوی میں جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مل جاتا ہے

امّ المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا پہلے سکران بن عمروؓ کے نکاح میں تھیں،
پہلے ایمان لائیں اور پھر انہی کی ترغیب و تحریص سے ان کے شوہر بھی مشرف بہ اسلام ہوئے
ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی سنت بھی پوری کی۔ اور سکران رضی اللہ عنہ کا و
انتقال ہوا، اور نبوت کے دسویں سال ان کا نکاحِ ثانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہ

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال میں معروف تھیں، اور
ان کے درجۂ ام المؤمنین پر فائز ہونے کا اصل سبب ان کا اور ان کے خاندان
کا قدیم الاسلام ہونا، اور اسلام کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کرنا تھا۔ انہوں نے

Marfat.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے چند سال بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق انہیں دیا گیا وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔ ۵۲۹

کتبِ حدیث میں ان سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ ایک بخاری شریف میں، اور چار سنن اربعہ میں۔ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (بحوالہ رحمۃ للعالمین)

ذکرِ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ جن کا مختصر تذکرہ و فضائل گزر چکے ہیں۔ اور ان کا شجرۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں پشت کے دادا مرہ میں جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مل جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح تو مکہ مکرمہ میں نبوت کے دسویں سال ماہِ شوال میں ہوا تھا مگر رخصتی ہجرت کے پہلے سال ماہ شوال میں جا کر مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے صرف یہی ایک خاتون ایسی ہیں کہ جن کا پہلا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوا، جبکہ دیگر تمام امہات المؤمنین و زوجاتِ رسولؐ بیوہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ اور اسی مناسبت سے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک عظیم شرف بھی حاصل ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے یہ واحد زوجۂ محترمہ تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے بستر میں ہونے کے باوجود بھی وحی کے نزول میں تاخیر نہیں ہوتی تھی چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ایک واقعہ کے ضمن میں، امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لا تؤذینی فی عائشۃ فانہ واللہ ما نزل علیّ الوحی وانا فی لحافِ امرأۃ منکن غیرھا۔ ۵۳۰

۵۲۹ مختصر از رحمۃ للعالمین ۲/۱۴۷-۱۴۸، الفتح الربانی ۲۰/۲۳۶-۲۳۹، ۲۲/۱۰۸-

Marfat.com

مجھے عائشہؓ کے بارے میں (کچھ کہہ کر) اذیت و تکلیف مت پہنچاؤ، بخدا یہ عائشہؓ ہی ہے کہ میں اس کے لحاف میں ہوتا ہوں تو اس وقت بھی مجھ پر وحی کا نزول ہو جاتا ہے، مگر دیگر ازواجِ مطہرات کے بستروں پر کبھی ایسا نہیں ہوا۔

اور اُسی واقعہ کے ضمن میں مذکور ہے کہ پھر اپنی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے مخاطب ہو کر فرمایا:

یا بنیۃ، الا تحبین ما أحب: "اے میری بیٹی فاطمہؓ کیا تم اس سے محبت نہیں رکھتی ہو جس سے میں محبت رکھتا ہوں؟"

تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیوں نہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فاحبی ھذہ۔ [۵۵۱] "تب پھر اس (عائشہؓ) سے محبت رکھ۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر میں حضرت امام الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے والی حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے شارحین نے لکھا ہے کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی سعادت و فضیلت ہے۔ اور اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بستر مردوں میں سے صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے خاص تھا۔ کیونکہ وہ واحد کنواری خاتون تھیں جن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پہلا نکاح ہوا تھا۔ جبکہ دیگر ازواجِ مطہرات میں یہ چیز نہیں تھی، بلکہ ان سب میں ہر ایک کی زندگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی مرد آچکے تھے۔ اس اعتبار سے اور من کل الوجوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو یہ شرف حاصل ہوا وہ اس کی بجا طور پر مستحق تھیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر میں نزولِ وحی کے اختصاص کی حکمت کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کی وجہ

۵۵۰۔ بخاری مع الفتح ۷/۱۰۷، ترمذی مع التحفۃ ۹/۳۲۷، مشکاۃ ۳/۱۷۴۴۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۱۴-۱۱۵

۵۵۱۔ سابق حوالہ جات اور صحیح مسلم مع النووی ۸/۱۵/۲۰۵

Marfat.com

سے تھا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کپڑوں کو انتہائی صاف ستھرا رکھتی تھیں۔ جن میں وُہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں۔ [۵۵۲]

واللعلم عنداللہ تعالیٰ۔

کتاب مدارج النبوۃ جلد دوم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جُود و سخا کے بارے میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عائشہؓ نے ایک ہی دن میں ستر ہزار درہم راہ للہ صرف کیے۔ جبکہ خود پیوند لگا کر کرتہ پہنے ہوئے تھیں۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے، جو سب انہوں نے اُسی روز صدقہ کر دیئے۔ خُود روزہ سے تھیں۔ شام کو کنیز نے سُوکھی روٹی سامنے رکھتے ہُوئے کہا کہ اگر سالن کے لیئے کچھ بچا لیا ہوتا تو تیار کر لیتی۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے تو خیال ہی نہ رہا، تو نے ہی یاد دلایا ہوتا۔ [۵۵۳] رضی اللہ عنہا وارضاھا

فضائل و مناقب:۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مقام و مرتبہ عطا کیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے ضمن میں ایک ارشادِ نبویؐ گزر چکا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا، اور خوُد جبرائیل علیہ السلام نے بھی انہیں سلام کہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے تو نہیں البتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سلام کہا، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی اور مسند احمد میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

یا عائشۃ ھذا جبریل یقرئك السلام۔ [۵۵۴]

اے عائشہ یہ جبرائیل ہیں جو تمہیں سلام کہہ رہے ہیں۔

۵۵۲۔ فتح الباری ۷/۱۰۹،

۵۵۳۔ بحوالہ رحمۃ اللعالمین ۲/۵۵-۱۵۴،

۵۵۴۔ بخاری مع الفتح ۷/۱۰۶،

Marfat.com

اور مسلم شریف کے الفاظ ہیں :- "یقرأ علیكِ السلام" ۵۵۵

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا :- "وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ"

اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ دیکھ رہے تھے، وہ میں نہیں دیکھ رہی تھی، اور ان کی مُراد جبرائیل علیہ السّلام تھے۔

اور بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے :

اے عائشہؓ مجھے تین راتیں مسلسل تم دکھائی گئی ہو، ایک فرشتہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں لپیٹ لاتا، اور مجھے کہتا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہے۔ اور جب میں تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھاتا تو وہ تم ہی ہوتیں۔

تب میں نے کہا :-

اِن یکُنْ ھٰذا من عند اللہِ تمضِیہٖ ۵۵۶

کہ یہ خواب اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اُسے پُورا کر دے گا۔

اور اس خواب کی تعبیر حقیقت کا روپ دھار گئی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرمِ زوجیت میں داخل ہو گئیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شادی کا اہتمام حظیرۃ القدس میں کیا گیا تھا۔ اور نبی صلی علیہ وسلم نے اس شادی کو من جانب اللہ قرار دیا تھا۔ اور صحیح بخاری شریف میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :-

اِنِّی لَاَعلَمُ اَنَّھا زوجتُہٗ فِی الدُّنیا والآخرہ۔ ۵۵۷

---

۵۵۵ :- مسلم مع النووی ۸/۵/۲۱۱-۲۱۲، انظر ایضاً ترمذی مع التحفہ ۹/۳۷۹ - الفتح الربانی ۲۲/۱۲۵، شرح السنۃ ۱۴/۱۶۲، مشکاۃ ۳/۱۷۴۳،

۵۵۶ :- متفق علیہ، مشکاۃ ۳/۱۷۴۴، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۲۰۲،

۵۵۷ :- بخاری مع الفتح ۷/۱۰۶،

Marfat.com

میں جانتا ہوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دُنیا و آخرت دونوں جہانوں کی بیوی ہیں۔

اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا یہ قول اُس ارشادِ نبوی سے ماخوذ ہے جو صحیح ابن حبان میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا:

اما ترضین ان تکونی زوجتی فی الدنیا والآخرۃ۔ ۵۵۸

کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم دُنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ہی میری بیوی ہو۔

اور ترمذی شریف میں ایک صحیح حدیث ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی خاص اشارۂ الٰہی تھا۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سبز رنگ کے ریشم میں لپیٹ کر عائشہؓ کی تصویر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، اور فرمایا:

ھٰذہٖ زوجتک فی الدنیا والآخرۃ۔ ۵۵۹

یہ آپ کی دنیا و آخرت دونوں جہانوں کی بیوی ہے۔

ان تینوں حدیثوں پر معمولی غور کرنے سے کتنے ہی مسائل واضح ہو جاتے ہیں مثلاً،

پہلا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح، منشاءِ الٰہی اور خاص اہتمامِ الٰہی سے ہوا۔

دُوسرا یہ کہ یہ نکاح دُنیا و آخرت دونوں جہانوں کے لیے دائمی تھا۔

تیسرا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اہلِ جنت میں سے ہیں۔ اور وہاں بھی نبی صلی اللہ کی بیوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گی۔

۵۵۸:۔ بحوالہ فتح الباری ۷/۱۰۸،

۵۵۹:۔ ترمذی مع التحفۃ ۹/۳۷۹، مشکوٰۃ ۳/۱۷۴۵،

Marfat.com

اور بخاری و مسلم، ترمذی و مسند احمد میں ارشادِ نبوی ہے کہ مردوں میں سے تو بہت درجۂ کمال کو پہنچے ہیں۔ مگر عورتوں میں سے صرف حضرت مریم بنت عمران، اور آسیہ زوجۂ فرعون ہی درجۂ کمال کو پہنچی ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی ارشاد فرمایا:

وفضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام[560]

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو سب عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو سب کھانوں پر۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذکر میں بخاری و مسلم اور ترمذی وغیرہ کی حدیث بھی گزر چکی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ اور پوچھا کہ مردوں میں سے کون؟ تو فرمایا، اس کا باپ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[561]

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خیر و برکت کا پیکر تھیں۔ اور اس امر کی گواہی بخاری شریف میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی زبانی منقول ہے کہ ان سفر کے دوران ان کا ہار گم ہو گیا، تلاش کرنے والوں نے نماز کا وقت ہو جانے اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے بلا وضو نماز ادا کر لی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس بات کا ذکر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے سورۂ مائدہ کی آیت ۶، اور سورۂ نساء کی آیت ۴۳) آیت تیمم نازل فرمائی۔ اس وقت حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جزاك الله خيرًا فوالله ما نزل بكِ امرٌ قط الا جعل الله لكِ

۵۶۰: بخاری مع الفتح ۷/۱۰۶، مسلم مع النووی ۸/۱۵/۲۱۱، ترمذی مع التحفہ ۹/۳۸۳، وشرح السنۃ ۱۴/۱۶۳۔

۵۶۱: حضرت خدیجہ، فاطمہ اور عائشہ رضی اللہ عنہن میں بہت سے فضائل مشترک ہیں۔ اور بعض متفاوت اور مجموعی طور پر افضلیت کے حاصل ہے۔ اس میں اختلاف ہے تفصیلاً دیکھئے فتح الباری ۷/۱۰۷-۱۰۹، جلاء الافہام لابن قیم ورحمۃ للعالمین ۲/۱۵۵۔

منہ مخرجاً وجعل فیہ للمسلمین برکۃ ۔ ۵۶۲

اے عائشہؓ : اللہ تمہیں جزائے خیر دے ۔ بخدا جب بھی کبھی آپ کا کوئی کام اٹکا تو آپ کے لیئے خود اللہ نے بہتر راہ نکالی ۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیئے بھی برکت نازل فرمائی (اس سے اُن کی مُراد رخصتِ تیمم کا نزول ہے ۔)

اور حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے علم وفضل کا اندازہ ترمذی شریف میں مذکور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ :-

ہم اصحابِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی دینی مسئلہ مشکل نظر آیا تو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ، اور ہمیشہ اس مسئلہ کے بارے میں ان کے پاس علم پایا ۔ ۵۶۳

اور ترمذی شریف میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فصاحت وبلاغت کی گواہی حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے : فرماتے ہیں کہ میں نے عائشہؓ سے بڑھ کر فصیح اللسان کسی کو نہیں دیکھا ۔ ۵۶۴

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دو ہزار دو سو دس حدیثوں کی راوی ہیں جن میں سے ۱۷۴ متفق علیہ ، ۵۴ بخاری ، ۶۷ مسلم اور ۲۰۱۷ دیگر کتبِ معتبرہ میں ہیں ۔

فتاوی شرعیہ ، حل مشکلات علمیہ ، بیان روایات عربیہ ، اور واقعاتِ تاریخیہ اس پر مستزاد ہیں ، اور ان کے خطبات الگ ہیں ۔ ۵۶۵

---

۵۶۲ ۔ بخاری ۷/۱۰۷-۱۰۸ ، الفتح الربانی ۲۲/۱۲۳ ۔

۵۶۳ ۔ ترمذی مع التحفۃ ۹/۳۸۰ ، شرح السنۃ ۱۴/۱۶۶ ، مشکاۃ ۳/۱۷۴۶ وصححہ ۔

۵۶۴ ۔ حوالہ جات بالا ایضاً ۔

۵۶۵ ۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۲۸ وجلد ۲۳ ایضاً ابواب خلافۃ ابی بکرؓ ومناقبہ من کتاب الخلافۃ و الامارۃ ، المرعاۃ ۱/۱۶۷-۱۶۸ ، رحمۃ للعالمین ۲/۱۵۵ ۔

Marfat.com

فضائل ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر و زینب بنت خذیمہ

رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کے والد گرامی خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، جن کے سگے بھائی دو ہزار دو سو دس حدیثوں کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جن کی والدہ نہایہ قدیم الاسلام حضرت زینب بنت مظعون رضی اللہ عنہا، اور جن کے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے، جو قبولِ اسلام کے لحاظ سے چودھویں مسلمان تھے، وہ ذوالہجرتین مدینہ منورہ میں مہاجرین میں سے سب سے پہلے انتقال کرنے والے ہیں۔ جن کی پیشانی تکفین کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا۔ اور اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر ان کے پاس بنائی اور تدفین کے وقت فرمایا تھا:

اِلْحَقْ بالسلف الصالح منا۔ "کہ ہم سے پہلے رخصت ہو جانے والے نیک شخص سے مل جا۔"[۵۶۶]

اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھویں پشت کے دادا میں جا کر مل جاتا ہے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں، وہ بھی قدیم الاسلام (السابقون الاولون میں سے) تھے۔ اور انہوں نے حبشہ اور پھر مدینہ طیبہ کو ہجرت کی تھی۔ غزوۂ بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔ اور میدانِ احد سے زخمی ہو کر مدینہ آئے اور وہیں وفات پائی۔

بخاری شریف، نسائی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے،

[۵۶۶]:۔ بحوالہ رحمۃ اللعالمین ۲/۱۶۳۔

Marfat.com

کہ جب حفصہ بنت عمر (رضی اللہ عنہا) بیوہ ہوگئیں تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا۔ کیونکہ ان کی بیوی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ابھی نکاح کرنے کا کوئی ارادہ نہیں، پھر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے بات کی (رضی اللہ عنہما) تو انہوں نے بھی خاموشی اختیار کرلی۔ کوئی جواب نہ دیا۔ اور چند دن ہی گزرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے اپنا نکاح کرلیا۔ یہ نکاح ہو چکنے کے بعد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم شاید میری خاموشی پر ناراض ہوئے ہوگے مگر نکاح سے صرف اس بات نے روکے رکھا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرتے سنا تھا۔ اور اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح نہ کرتے تو پھر میں کرلیتا۔ [۵۶۷]

مسند ابی یعلی کی ایک حسن درجہ کی روایت میں اس واقعہ کے بعد یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جواب کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَزَوَّجَ حفصۃُ خیرًا من عثمان وتزوجُ عثمان خیرًا من حفصۃ [۵۶۸]

حفصہ رضی اللہ عنہا اس شخص سے شادی کرے گی جو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ اس خاتون سے شادی کرے گا جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔

اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کردیا (اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے خود نکاح کرلیا۔) اس

۵۶۷۔ الفتح الربانی ۱۶/۱۴۸-۱۴۹ ، ۲۲/۱۲۹-۱۳۰۔

۵۶۸۔ بلوغ الامانی ترتیب وشرح الفتح الربانی ۱۶/۱۴۹ ، و فتح الباری ۷/۱۰۶۔

Marfat.com

طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین ہونے کا شرف اور حضرت حفصہؓ کو اُم المؤمنین ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جبکہ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد اور دارمی میں حضرت فاروقؓ کے فرزند حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو (کسی وجہ سے) طلاق دے دی تھی، پھر رجوع کر لیا تھا۔ ۵۶۹

اور علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں طبرانی کی ایک صحیح سند والی حدیث نقل کی ہے جس میں نبویؐ ہے:۔

اتانی جبریل علیہ السلام فقال: راجع حفصۃ، فانھا صوامۃ قوامۃ وھی زوجتک فی الجنۃ۔ ۵۷۰

میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ حفصہؓ سے رجوع کرو، (اور ساتھ ہی فرما دیا) حفصہ بڑی روزہ دار اور راتوں کو بکثرت قیام کرنے والی، شب زندہ دار عورت ہے اور (دنیا میں ہی نہیں) وہ تو جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوں گی۔

یہ کتنی بڑی سعادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بتائے۔ تعریف کی اور بتایا کہ وہ جنت میں بھی آپؐ کی بیوی ہوں گی۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت نبویؐ سے پانچ سال قبل ہوئی اور ساٹھ سال کی عمر میں ۴۱ھ جمادی الاولیٰ میں انتقال کیا۔ آپ رضی اللہ عنہا ساٹھ احادیث کی راوی ہیں جن میں سے چار متفق علیہ، پانچ صرف بخاری میں، چھ صرف مسلم میں اور پینتالیس دیگر کتب میں ہیں۔ جبکہ تقریب میں حافظ ابن حجرؒ نے ان کی وفات ۴۵ھ ماہ شعبان لکھی ہے

۵۶۹۔ الفتح الربانی ۲/۱۷، ۱۳۱/۲۲۔

۵۷۰۔ بحوالہ بلوغ الامانی ۱۳۱/۲۲۔

Marfat.com

اکثر اہلِ علم کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ وفات کے وقت ان کی کل عمر تریسٹھ سال تھی۔[۵۷۱]

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچویں زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ ام المساکین کے لقب سے پکاری جاتی تھیں۔ کیونکہ آپ بکثرت فقراء و مساکین کو کھانا کھلاتیں، اور ان پر صدقہ کیا کرتی تھیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ تھے۔[۵۷۲]

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد اور ام المؤمنین حضرت زینب بن جحشؓ کے سگے (بھا)ئی تھے، جب وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تو اس کے بعد آپ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (نکا)ح کر لیا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ (عنہ)ما کی والدہ ایک ہی تھیں، البتہ باپ الگ الگ تھے تو گویا وہ ماں کی طرف سے بہنیں تھیں (ص)رف دو یا تین ماہ تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم زوجیت میں رہیں، اور وفات (پا گ)ئیں۔ جبکہ ان کی کل عمر تیس سال تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور (بقی)ع میں انہیں دفن کیا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

تذکرہ و فضائل ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چھٹی زوجہ محترمہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں جن کا اسم گرامی ہند بنت ابو امیہ تھا، جبکہ مستدرک حاکم کی ایک روایت میں ان کا نام ہند اور دوسری

۵۷۱۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۳۱، رحمۃ اللعالمین ۲/۱۶۲-۱۶۳،

۵۷۲۔ علامہ منصور پوری نے لکھا ہے کہ ان کے پہلے شوہر طفیل اور دوسرے عبیدہ تھے۔ یہ دونوں سگے (باقی آگے)

Marfat.com

میں رملہ مذکور ہے۔ اور علامہ مبارکپوری و منصور پوری رحمہما اللہ نے ہند ہی ذکر کیا ہے اور زیادہ صحیح ہے، جبکہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھی دونوں ہی نام یعنی رملہ اور مذکور ہوئے ہیں۔ ۵۴۳

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کا نام ابو سلمہ عبداللہ بن عبد تھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت قدیم الاسلام تھیں، اور ان کے شوہر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تو اسلام لانے کے اعتبار سے غالباً گیارھویں مسلمان تھے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی برہ بنت عبد المطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، امیر الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہم تینوں رضاعی شریک بھائی تھے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے شوہر کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مکہ آ گئے۔ اور جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کے گھر والوں نے ان کا بچہ "سلمہ" چھین لیا۔ اور کہا کہ تم جا سکتے ہو ہمارا یہ بچہ نہیں لے جا سکتے کیونکہ یہ ہمارے خاندان کا فرد ہے۔ ادھر ام سلمہؓ کے گھر والوں نے انہیں روک لیا کہ یہ ہمارے خاندان کی لڑکی ہے۔ ہم اسے نہیں جانے دیں گے۔ اس کے باوجود بھی حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ایمان و عزم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور وہ اکیلے ہی ہجرت کر گئے۔

(باقی حاشیہ) بھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد یعنی حارث بن عبد المطلب کے فرزند تھے، اور ان ... نکاح حضرت عبداللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ رحمۃ اللعالمین ۲/۱۶۳-۱۶۴)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چوتھے شوہر تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں ان کا انتقال ہوا۔

۵۴۳ ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے دونوں نام (ہند و رملہ) ذکر کرنے کے بعد رملہ کو ہی زیادہ صحیح ... دیا ہے۔ الفتح الربانی ۲۱/۶۹، ۲۲/۱۳۲، رحمۃ اللعالمین ۲/۱۶۴-۱۷۶،

Marfat.com

حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں روک لی گئیں، وہ ہر روز شام کو اس مقام پر آ بیٹھا کرتیں جہاں سے وہ اپنے شوہر سے الگ کی گئی تھیں۔ ایک سال تک برابر روتی رہیں۔ حتیٰ کہ سنگ دل رشتہ داروں پر ان کی آہ و بکا اور گریہ وزاری اثر کر گئی تب جا کر انہوں نے بچہ بھی دے دیا۔ اور ہجرت کی اجازت بھی دے دی۔ اور انہوں نے اکیلے ہی مدینہ منورہ کا رُخ کر لیا۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ جو بیت اللہ شریف کے چابی بردار تھے، گو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بے بسی پر رحم کھا کر ان کے ساتھ ہو لیئے۔ حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کراتے اور خود پیدل چلتے۔ اور یوں عزت و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا کر واپس چلے گئے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔ میدانِ اُحد میں زخمی ہو گئے اور انہی زخموں کے نتیجے میں (جمادی الاخریٰ ۳ھ میں) شہادت پائی۔ کتب تاریخ و سیرت کے علاوہ صرف صحیح بخاری شریف کے سوا صحاح ستہ، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا واقعہ متعدد احادیث میں مذکور ہے۔

مختصر یہ کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص کسی مشکل یا مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھے:۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا

تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے نجات دیتا ہے۔ اور پہلے سے بہتر نگہداشت کا ذریعہ عطا کرتا ہے۔ اس دعا پر مبنی یہ ارشادِ نبوی بیان کرنے کے بعد خود اپنا عمل بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ:۔

"جب (میرے شوہر) ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے وہی دعا کی جس کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بدرجہا بہتر شوہر عطا فرمایا، اور وہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۵۲۴

Marfat.com

الغرض جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایام عدت چار ماہ دس دن پورے کر لیئے تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر کے انہیں ام المؤمنین ہونے کے شرف سے نوازا، اور ان کے دو لڑکوں عمر اور سلمہ، اور دو لڑکیوں زینب اور درّہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہی تربیت و پرورش پائی۔ اور صحیح مسلم کے باب فضائل ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) میں مذکور ہے کہ،

انہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتے دیکھا جبکہ وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہوتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد پوچھا، معلوم ہے یہ کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا، کہ حضرت دحیہ تھے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی شرح میں بعض دیگر امور کے علاوہ لکھا ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و منقبت ہے کہ انہوں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا۔ [۵۷۵]

اور مسند احمد و مستدرک حاکم اور ابن جریر میں ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت سے متعلق سورۃ احزاب کی آیت ۳۳ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ [۵۷۶]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کوئی اولاد نہیں تھی، مگر حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کے جو بچے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست شفقت پر پروان چڑھے۔ ان میں سے عمر رضی اللہ عنہ جوان ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے فارس و بحرین کے حاکم

۵۷۴:۔ مسلم ۳/ ۳۷-۳۸، الکلم الطیب لابن تیمیہ تحقیق الالبانی ص ۸۱، ۸۲ طبع المکتب الاسلامی تفصیل کے لیئے دیکھئے الفتح الربانی ۲۱/ ۶۷-۶۹ و جلد ۲۲/ ۱۳۱-۱۳۲،

۵۷۵:۔ مسلم مع النووی ۸/ ۱۶/ ۷-۸،

۵۷۶:۔ الفتح الربانی ۱۸/ ۲۳۷-۲۳۸ ، ۲۲/ ۱۰۲-۱۰۳-۱۳۲ و شرح السنۃ ۱۴/ ۱۱۷ وقال المحقق: ولا بأس باسنادہ۔

بخاری و مسلم میں انہی عمر بن سلمہ سے مروی ہے کہ :۔

کُنتُ غلاماً فی حجر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت یدی تطیش فی الصحفۃِ فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سمّ اللہ وکل بیمینك وکل ممّا یلیك ۔ [۵۷۷]

میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں لڑکا (بچہ) تھا۔ اور میرا ہاتھ رکابی (پلیٹ) میں گھومتا تھا۔ تو مجھے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بسم اللہ کہو، اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی متصل جانب سے کھا، یعنی اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے آگے سے کھا۔

سلمہ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چچازاد، امامہ بنت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا ؛ اور زینب اپنے زمانہ میں تمام عورتوں سے بڑی فقیہہ تھیں، اور درّہ بنت ام سلمہؓ کا ذکر صحیح بخاری میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم درّہ سے نکاح کرنے والے ہیں ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اگر وہ میری ربیبہ نہ بھی ہوتی، تب بھی وہ میرے لیئے حلال نہ تھی۔ کیونکہ اس کا باپ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ تو میرا دودھ شریک بھائی ہے۔ [۵۷۸]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۳۷۸ احادیث کی راوی ہیں۔ جن میں سے ۱۳ متفق علیہ، ۳ بخاری اور ۱۳ صرف مسلم، اور ۳۴۹ دیگر کتب حدیث میں۔ [۵۷۹]

المواہب اللدنیہ کے مؤلف نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت وفات ۸۴ سال لکھی ہے۔ اور شرح المواہب میں زرقانی نے اس کی تصویب کی ہے۔

---

[۵۷۷] :۔ مشکاۃ ، تحقیق الالبانی ۲/۱۲۱۰   [۵۷۸] :۔ رحمۃ اللعالمین ۲/۱۶۵

[۵۷۹] :۔ المرعاۃ ۱/۲۱۶ ، رحمۃ اللعالمین ۲/۱۶۶

Marfat.com

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" میں لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سب امہات المؤمنین کے آخر میں فوت ہوئیں۔ ان کی وفات ۵۹ھ اور بعض روایات کے مطابق ۶۱ھ میں ہوئی۔ اور ان کا نسب نامہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھویں پشت کے دادا کعب میں جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی مل جاتا ہے۔ ۵۸

نکاح ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتویں زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جن کا آبائی نسب قضاعہ تک پہنچتا ہے۔ اور ماں کا نسب بھی معن بن طی سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے تو دراصل وہ نجیب الطرفین یا معزز حسب ونسب والے تھے مگر لڑکپن میں کسی گروہ نے انہیں اغوا کیا۔ اور مکہ مکرمہ کے قریب منعقد ہونے والے ایک سالانہ میلہ "سوق حباشہ" میں لا کر بیچ دیا۔ یوں وہ بظاہر غلامی کی زد میں آگئے مگر اس وقت تک کسے معلوم تھا کہ اس بچے کی تو ایک مرتبہ اغوا ہونے اور بک جانے سے قسمت ہی سنور گئی ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حکیم بن حزام، حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید لائے۔ اور جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ ہبہ کر دیا۔ اس طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت وشفقت میں آگئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار و محبت اور شفقت و رأفت کو دیکھتے ہوئے لوگوں نے

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے آباء و اجداد کو بھول کر انہیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب دے دیا، مگر چونکہ بچپن میں وہ ایک مرتبہ سر بازار بک چکے تھے، لہٰذا وہ بات ابھی دلوں میں باقی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے جوان ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرنا چاہا تو دار قطنی (ص ۱۴۶ مطبع فاروقی دہلی) کی ایک روایت کے مطابق حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والے شروع میں اس پر رضا مند نہ ہوئے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تقاضہ جاری رہا، یہاں تک کہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ بھی نازل ہوگئی جس میں ارشادِ الٰہی ہے:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؀

جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی امر کا فیصلہ فرمادیں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اُس کام میں اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

یہ حکم نازل ہو جانے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر والے بھی اپنے ذاتی اور قومی خیالات کو چھوڑ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح کرنے پر رضا مند ہو گئے، اور نکاح ہو گیا، اور یہ نکاح انسانیت کے لیے احسانِ عظیم ثابت ہوا۔ کیونکہ اسی دن سے غلامی کے خاتمے کا آغاز ہو گیا تھا۔

اب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ ایک اور رسمِ جاہلیت یعنی متبنّٰی بنانے کا خاتمہ ہو تاکہ جس کی کوئی اصل اولاد اور خون ہو اُسے اُسی کی طرف ہی منسوب کیا جائے۔ اور اس رسم کی اصلاح کا آغاز یوں ہوا، کہ حضرت زید اور زینب رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہ رہی۔ میاں بیوی میں کشیدگی رہنے لگی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

سے شکایت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صبر وہمت اور برداشت سے کام لینے کی نصیحت فرمائی۔ لیکن میاں بیوی کا عجب ہی رشتہ ہے کہ جب آئینہ دل میں بال آجائے تو کوئی نصیحت بھی کارگر ثابت نہیں ہوتی، اور یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ بالآخر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے ہی دی۔ [۵۸۱]

اور جب طلاق کی عدت ختم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا، کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا ہے۔ آپ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں۔ لہٰذا امر الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم زوجیت میں لے لیا۔ یہ واقعہ خود قرآن کریم کی سورۂ احزاب آیت ۳۷ میں مذکور ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَہَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِہِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْہُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا ۝

اور (اے میرے نبی وہ وقت یاد کریں) جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ تعالیٰ نے (توفیقِ اسلام جیسا) انعام کیا۔ اور آپ نے (آزاد کرنے، متبنّٰی بنانے اور اپنی پھوپھی زاد سے نکاح کرانے جیسا) احسان کیا (آپ اس سے) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور آپ اپنے دل میں ایک بات چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔ اور آپ لوگوں سے (اس بات کے کھلنے میں) ڈرتے تھے۔ حالانکہ آپ کو اللہ سے زیادہ ڈرنا چاہیئے تھا۔ اور جب زید اس عورت

۵۸۱۔ مختصر از رحمۃ للعالمین ۲/ ۷۰۔ ۱۶۷۔

سے اپنی خواہش (طلاق) پوری کر چکا تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا۔ یہ اس لیئے تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک لڑکوں کی بیویوں سے نکاح کر لینے میں جبکہ وہ اپنی خواہش (طلاق) پوری کر چکیں، کوئی تنگی نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم پورا ہو کر رہے گا۔

حضرت زینبؓ کے نکاح سے متعلقہ آیت کی وضاحت

اس مذکورہ آیت میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نکاح اور پھر طلاق، اور پھر آن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا تذکرہ ہے۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت زینب؛ اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کا نکاح تقریباً ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ رہا تھا،

اور ابن ابی حاتم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس عرصہ کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع کر دی تھی کہ زینب رضی اللہ عنہا تیری بیویوں میں سے ایک ہو گی۔ اس کے باوجود جب حضرت زینب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کے باہمی تعلقات میں کشیدگی اور ناخوشگواری پیدا ہوئی۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ شکایت لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برداشت سے کام لینے کی جو نصیحت فرمائی، اس کے الفاظ قرآن کریم کی اس آیت میں یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا:-

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ۔ "اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے، اور اللہ سے ڈر (یعنی اسے طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے اور اس کے معاملہ میں اللہ سے ڈر)

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کے الفاظ قرآن کریم میں نازل کرنے کے ساتھ ہی فرما دیا۔

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ ، مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ۔

اور (اے میرے نبیؐ اُس وقت) آپؐ اپنے دِل میں ایک بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے ۔ اور آپؐ (اس بات کے ظاہر ہونے میں) لوگوں سے ڈر رہے تھے ، حالانکہ آپؐ کو اللہ سے زیادہ ڈرنا چاہیئے تھا ۔[۵۸۲]

یہ بات کیا تھی جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپا رہے تھے ، اور اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور جس کے ظاہر ہونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈر رہے تھے ، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیئے تھا ؟ اُس بات کے بارے میں کتبِ تفسیر میں مختلف اقوال مذکور ہیں ۔ جن میں سے بعض تو ایسے ہیں جو شانِ نبوت کے سراسر منافی ہیں ۔ اس لیئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ :۔

"اُن اقوال کا بیان کرنا مناسب نہیں ۔"

اور صاحبِ تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ان کے بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے ۔[۵۸۳]

وُہ بات دراصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی پہلے سے مطلع کر دیا گیا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی بننے والی ہے ۔ مگر آپؐ اس بات کے اظہار سے شرماتے تھے کہ مخالفین الزام لگائیں گے کہ دیکھیئے اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے ۔ اس لیئے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے آکر شکایت کی تو اُنہیں فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دے ۔ اور اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے عتاب آمیز لہجہ میں فرمایا کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونے والا ہے تو پھر آپؐ زیدؓ سے یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں ؟ یعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں تھا ، بلکہ بہتر یہ تھا کہ آپ خاموش رہتے یا زید رضی اللہ عنہ سے کہہ دیتے کہ تم جو کچھ کرنا چاہتے

---

۵۸۲ ۔ مختصر تفسیر ابنِ کثیر للرفاعی ۳/۳۷۰-۳۷۱ ،

ہو کر لو، اور تفسیر روح المعانی کے مؤلف علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ عتاب و غصہ
ترکِ اَولیٰ پر ہے۔[۵۸۴]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے
کوئی بات چھپانے والے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو چھپاتے[۵۸۵]
مختصر یہ کہ اس عتاب آمیز خطاب کے بعد ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا : پھر جب زید اُس عورت سے
اپنی خواہش پوری کر چکے (یعنی طلاق دے چکے اور مدت بھی پوری ہو گئی) تو ہم نے

۵۸۳:۔ مثلاً یہ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حسن کو یکایک دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دل سے
ان پر مائل ہو گئے تھے (نعوذ باللہ) حالانکہ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم
سے ہوا تو اُس وقت ان کی عمر ۳۶ سال تھی۔ اور اس وقت تک ابھی آیتِ حجاب (پردے کا حکم) نازل
نہیں ہوئی تھی۔ صرف ان دو نقطوں کو پیشِ نظر رکھنے والا کوئی شخص بھی مذکورہ لغو داستان کو باور نہیں کر سکتا
کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی ہیں، وہ آپ کے سامنے پلیں
بڑھیں، اُس عرصہ میں ان کی شکل و صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکر پوشیدہ رہ سکتی تھی۔
خصوصاً جبکہ ابھی پردے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا۔ پھر چھتیس سالہ عورت کا حسن اور وہ بھی عرب
جیسے گرم ملک کی عورت جہاں عورتوں کا شباب جلد ڈھل جاتا ہے۔ ایسا کیوں کر مانا جا سکتا ہے؟
کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ (ایک آزاد کردہ غلام) تو اُن سے بیزار ہو جائیں، اور امام الانبیاء و
سید الاتقیاء ان پر شیفتگی کا اظہار کریں۔

عقل و عادت اور تجربہ و مشاہدہ ایسی واہی باتوں کی تکذیب کے لیے کافی ہیں۔

(رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۷۱-۱۷۲)

۵۸۴:۔ فتح الباری و روح المعانی بحوالہ فوائد سلفیہ المسمّٰی بہ اشرف الحواشی ص ۵۰۶، از مولانا محمد عبدہٗ۔

۵۸۵:۔ اشرف الحواشی و مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی ۳/ ۳۷۱،

Marfat.com

اُس کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔

قرآن کریم کا یہ مقام حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی سعادت و فضیلت کا واضح ثبوت ہے کیونکہ زَوَّجْنٰکَهَا سے پتہ چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح خود اللہ نے پڑھایا۔ اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ آپؐ بغیر ایجاب و قبول اور مہر وغیرہ کے اُسے اپنی زوجیت میں لے لیں۔ (اشرف الحواشی)

یہی وجہ ہے کہ تفسیر ابن کثیر میں بخاری کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواجِ مطہرات کے سامنے فخر یہ کہا کرتی تھیں۔

زوّجکنّ اھالیکنّ وزوّجنی اللہ من فوق سبع سمٰوٰت، انا التی نزل تزویجی من السماء۔ ۵۸۶

کہ تمہارا نکاح تو تمہارے گھر والوں نے پڑھایا، جبکہ میں وہ خوش قسمت زوجہ رسولؐ ہوں کہ میرا نکاح سات آسمانوں کے اُوپر خود اللہ تعالیٰ نے پڑھایا، میں ہی ہوں، کہ جس کی تزویج آسمان سے نازل ہوئی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ تین امور میں مجھے آپؐ کی دیگر بیویوں میں انفرادیت حاصل ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ میرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دادا ایک ہے۔

۲۔ دوسرا یہ کہ میرا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آسمان سے خود اللہ تعالیٰ نے پڑھایا ہے۔

۳۔ اور تیسرا یہ کہ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں پیغام رسانی کرنے والا کوئی انسان نہیں بلکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ۵۸۷

۵۸۶۔ مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی ۳/۱۴۰، و حوالہ بالا، و ابن کثیر اردو ۴/۲۹۰۔

۵۸۷۔ ابن کثیر مختصر للرفاعی ۳/۳۷۱-۳۷۲۔

حضرت زینبؓ کے نکاح میں اہتمام الٰہی اور اس کی وجہ :۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح وزوجیت میں دینے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے جو یہ خاص اہتمام فرمایا، آخر اس کی وجہ کیا ہے ؟

اس سوال کا جواب خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب کی اسی آیت ۳۷ کے آخر میں دے دیا ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے :۔

لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ۔

یہ اس لیے تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک لڑکوں کی بیویوں سے نکاح کر لینے میں کوئی تنگی وحرج نہ رہے۔ جبکہ وہ اپنی خواہش (طلاق) پوری کر چکے ہوں

تو گویا اس نکاح میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اہتمام کا مقصد ایک رسم جاہلیت کو ختم کرنا تھا، اور وہ رسم یہ تھی کہ عام طور پر مختلف ممالک میں یہ رواج چلا آرہا تھا کہ جب کسی کے یہاں اولاد نہ ہوتی تو وہ کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لیتے۔ جسے متبنٰی کہا جاتا، اور وہ متبنٰی اپنے آپ کو اپنے حقیقی والد کی طرف منسوب کرنے کی بجائے فرزندی میں لینے کی طرف نسبت کرتا، یہ رسم درحقیقت قدرتِ الٰہی کا ایک گستاخانہ جواب تھی۔ متبنٰی بنانے والا شخص گویا اللہ تعالیٰ سے یہ کہا کرتا کہ تو نے مجھے فرزند عطا نہیں کیا تو کیا ہوا ؟ یہ دیکھا میں نے بھی آخر یہ بیٹا حاصل کر ہی لیا ہے ؟

اس کے علاوہ اس رسم کی وجہ سے افرادِ خاندان کے حقوق پر بڑا بُرا اثر پڑتا تھا کہ اصل وارث تو محروم رہ جاتے، اور ایک غیر متعلق شخص جو مصنوعی طور پر گھر میں لایا گیا تھا وہ ناحق سارا مال لے چلتا، پھر دوسروں کے دلوں میں بغض وعداوت اور دشمنی پیدا کرنے کا سبب بنتا۔ اور خصوصاً جب املاک وجائیداد جدی پیدا کردہ ہوتیں، تو ایسے موقع پر متبنٰی کے وراثت لینے سے تمام خاندان میں کبھی ختم نہ ہونے والے جھگڑے برپا ہو جاتے تھے۔

Marfat.com

اسی طرح یہ متبنّٰی اگر کبھی غریب رہ جاتا، اور اس کے حقیقی بھائی اچھی حالت میں ہوتے تو یہ حسد کی آگ میں جلنے لگتا۔ اور اگر متبنّٰی مالدار ہوگیا اور حقیقی بھائیوں کی حالت پتلی رہی تو وہ سب انگاروں پہ لوٹتے اور اس کا حسد کرتے یوں یہ رسم کتنے ہی افرادِ معاشرہ کے دلوں میں کدورتوں اور نفرتوں کے بیج بو دیتی اور اس رسم تبنیت میں ایسی ہی کئی دیگر قباحتیں بھی تھیں۔ ۵۸۸

لہٰذا اس رسم زبوں کی اصلاح کے لیئے اللہ تعالیٰ نے پہلے سورۂ احزاب کی آیت ۴ اور ۵ میں فرمایا:-

وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآئَکُمْ اَبْنَآئَکُمْ ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاهِکُمْ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ o اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ o

اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے شخصوں کو تمہارے واقعی بیٹے نہیں بنایا ہے یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہ سیدھی راہ سمجھاتا ہے۔ لے پالکوں کو اپنے حقیقی باپوں کی طرف نسبت کر کے ہی بلاؤ، اللہ کے نزدیک یہی صحیح انصاف کی بات ہے۔ ہاں اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم ہی نہ ہو تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں (یعنی بیٹے پھر بھی نہیں)

کتب تفسیر میں مذکور ہے کہ یہ کلام الٰہی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نبوت سے پہلے آزاد کر کے اپنا متبنّٰی بنا لیا ہوا تھا اور وہ زید بن محمدؐ کہلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس نسبت کی ممانعت فرما دی ۵۸۹ لیکن یہ رسم جاہلیت اتنی قدیم اور مستحکم تھی کہ اسے ختم کرنے کے لیئے کسی زبردست عملی

۵۸۸:۔ رحمۃ اللعالمینؐ ۲/ ۱۶۸ - ۱۶۹ میں تفصیل دیکھیں۔ ۵۸۹:۔ ابن کثیر اردو ۴/۲۵۳-۲۹۰

نے کی ضرورت تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نمونہ کہاں ہوگا کہ جنہیں خود
تعالیٰ نے ہی سورۂ احزاب کی آیت ۲۱ میں (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ) فرما کر ساری دنیا کے لیے زندگی کا بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔
لہٰذا اس رسم کے خاتمے اور اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کو ہی بطور نمونہ منتخب فرمایا۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کی طلاق یافتہ بیوی حضرت
زینب رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ کی زوجیت میں دے دیا تاکہ یہ بات کھل کر سامنے آجائے،
منہ بولے لوگ حقیقی ہرگز نہیں ہوسکتے۔ اور اگر حقیقی کا درجہ لے سکتے تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا امر الٰہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ بھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔
اس طرح مسلمان ایک مشکل سے چھوٹ گئے اور ایک باطل رسم کی جڑ کٹ گئی، اور اسی
بات کا لحاظ رکھتے ہوئے سورۂ النساء کی آیت ۲۲-۲۳ اور ۲۴ میں جہاں ان عورتوں کا ذکر
ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے، وہاں فرمایا:-

وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ

کہ تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری اپنی صلب سے (یعنی تمہارا اپنا خون)
ہیں۔
یہاں بھی واضح طور پر منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کو محرمات سے خارج کر دیا، ہاں البتہ
رضاعی لڑکا نسبی و صلبی بیٹے کے حکم میں ہے کیونکہ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ارشادِ نبوی ہے:

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ ۔ ۵۹۰

کہ رضاعت سے بھی وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔
بخاری شریف میں ہے:-

---

۵۹۰ ۔ متفق علیہ بلوغ المرام مع حاشیہ الدہلوی ۲/ ۲۰۰ طبع المکتب الاسلامی دمشق، بیروت۔

يحرم من الرّضاعة ما يحرم من الولادة۔

کہ رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت (نکاح کرنے) سے حرام ہو جاتے ہیں۔

اور مسلم شریف میں ہے:-

إنّ حرّم من الرّضاعة ما حرّم من النسب۔ ۵۹۱

رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام قرار دیئے جاتے ہیں جو نسب سے حرام قرار دیئے جاتے ہیں۔

اور یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ پیار سے کسی کو بیٹا کہہ دینا، یہ اور چیز ہے۔ اور ممنوع نہیں، جیسا کہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو "یا بُنَیَّ" اے میرے بیٹے کہا تھا۔

اور یہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف کرتا ہے، اس نے کفر کیا۔

اس سخت وعید سے ثابت ہوتا ہے کہ اپنے اصل نسب سے ہٹ کر اپنے آپ کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کرنا، کبیرہ گناہ ہے۔ ۵۹۲

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر

کفّار و منافقین کے اعتراضات اور اُن کا رَدّ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں لے لیا تو منافقین و کفار نے ایک طوفانِ بدتمیزی بپا کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اپنے آزاد کردہ اور متبنّٰی کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ جو اُن کی نظر میں بہو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان باطل نظریات کی تردید

کے لیئے قرآن کریم کے مختلف مقامات پر مختلف انداز اختیار فرمایا:۔

سورۂ احزاب کی آیت ۴ کے نصف ثانی میں فرمایا کہ تمہارے متبنّٰی لڑکوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حقیقی بیٹے ہرگز نہیں بنایا۔ یہ تو تمہارے اپنے مُنہ کی باتیں ہیں۔ اور تمہارے کہنے سے کسی چیز کی حقیقت تو نہیں بدل سکتی، بلکہ حقیقت تو وُہی ہے جو اللہ کہے۔

اور آیت ۵ کے آغاز میں فرمایا: کہ اپنے مُنہ بولے، لے پالکوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف ہی نسبت کر کے بلاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بات مبنی بر انصاف ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کسی کے دو حقیقی باپ ہوں، بلکہ اصل باپ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اور وہ وہی ہوتا ہے جس کی صلب اور خون سے کسی نے جنم لیا ہو۔

اور اس بات کو لوگوں کے لیئے اقرب الی الفہم کرنے اور آسانی کے ساتھ ذہن نشین کرانے کے لیئے آیت ۴ کے آغاز میں تمہید کے طور پر دو باتیں فرمائیں۔ پہلی یہ کہ:۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ

کسی آدمی کے سینے میں اللہ تعالیٰ نے دو دِل نہیں رکھے۔

اور دُوسری یہ کہ:۔

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الّٰٓئِیْ تُظٰھِرُوْنَ مِنْھُنَّ اُمَّھٰتِکُمْ۔

اور جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو، انہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچ مچ کی مائیں نہیں بنا دیا۔

اور آگے فرمایا کہ تمہارے متبنّٰی کو بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرما دی کہ جس طرح ایک سینے میں دو دِل نہیں ہو سکتے، ویسے ہی کسی شخص کے دو باپ بھی نہیں ہو سکتے۔ اور جس طرح محض زبانی کہہ دینے

۵۹۱۔ انظر مشکاۃ ۲/۹۴۵، تحقیق الالبانی

۵۹۲۔ ابن کثیر ۴/۲۵۴-۲۵۵، المرجع السابق واشرف الحواشی۔

Marfat.com

سے کسی کی اپنی بیوی اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ بلکہ اصل ماں تو صرف وہی ہوتی ہے جس نے جنم دیا ہو، جیساکہ سورۂ مجادلہ آیت ۲ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْکُمْ مِّنْ نِّسَآئِھِمْ مَّا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمْ اِنْ اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَھُمْ۔

(یعنی ایسا کہہ دینے سے، کہ تم میری ماں جیسی ہو، ان کی بیویاں ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا۔ [۵۹۳]

اور ایسے ہی کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ اور نہ وہ بیٹا بن جاتا ہے۔ اور اسی سورہ احزاب میں آگے چل کر آیت ۳۷ جس میں زَوَّجْنٰکَھَا فرما کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں دینے کا ذکر فرمایا۔ اس سے اگلی ہی آیت ۳۸ میں فرمایا:۔

مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنْ حَرَجٍ فِیْمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا۝

کہ نبی پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ و حرج نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہو، یہی دستورِ الٰہی ان انبیاء میں بھی رہا جو پہلے گزرے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک لے پالک کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا حلال و جائز ہے تو اس میں نبی صلی اللہ علیہ و

[۵۹۳] ۔ اور اسی سورۂ مجادلہ کی آیت ۳، ۴ میں اِس ظِہار کا کفارہ یہ مذکور کیا ہے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے قبل غلام آزاد کریں۔ یہ نہ ہو پائے تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے (دو ماہ کے روزے نہ رکھ سکے تو) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

اس موضوع کی تفصیل ایک مستقل عنوان کے تحت آ رہی ہے۔

Marfat.com

پر کیا حرج ہے جیسا کہ پہلے انبیآء علیہم السلام پر جو حکم الٰہی ہوتا اُس پر عمل کرنے میں ان پر کوئی حرج نہ تھا۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس آیت سے منافقین کے اس اعتراض کا رد کرنا مقصود ہے کہ دیکھو، اپنے لے پالک کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے جو اُن کے خیال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہو تھی۔ ۵۹۴

اور اسی سورۃ احزاب میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس زعم باطل کی تردید یوں فرمادی کہ کوئی عورت میرے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہو ہے ہی کیسے؛ جبکہ میرا نبی کسی مرد کا باپ ہی نہیں۔ چنانچہ آیت ۴۰ میں ارشادِ الٰہی ہے:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر آپؐ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے (یعنی آخری نبی) ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دی، بہو سے نکاح کا اعتراض تھا تو فرمایا کہ بیٹا تھا ہی کب کہ بہو ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے قاسم، عبداللہ الملقب بہ طیب وطاہر اور ابراہیم رضی اللہ عنہم سب بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد اُس عمر کو پہنچی ہی نہیں کہ مردوں کے زمرے میں آتے، شادی کے لائق ہو، اور طلاق کا موقع آئے۔ لہٰذا فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔

اور دوسرا اعتراض یہ تھا کہ حقیقی بیٹا نہ سہی، تب بھی منہ بولے بیٹے کی چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کر لینا کچھ ضروری نہ تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا، مگر وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی

۵۹۴۔ تفسیر ابن کثیر ۲۹۰/۴۔

رسُول ہونے کی حیثیت سے ان پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ جس حلال چیز کو تمہاری رسموں نے خواہ مخواہ حرام کر رکھا ہے، اس کے بارے میں تمام تعصبات کا خاتمہ کردیں۔ اور اس کی حلت کے بارے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔ پھر مزید تاکید کے لیئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسُول تو درکنار کوئی نبی تک آنے والا نہیں ہے کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح آپ کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبیؑ یہ کسر پُوری کردے۔ لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی کر کے جائیں۔ اس کے بعد مزید زور دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اس رسم جاہلیت کو ختم کرا دینا کیوں ضروری تھا، اور ایسا نہ کرنے میں کیا قباحت تھی؟ [۵۹۵]

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر عیسائیوں کو تکلیف

ہم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر منافقین و کفار کے اعتراضات کا جائزہ پیش کیا ہے۔ اور اس میں کچھ تعجب نہیں کہ اُس زمانے کے کفار ومنافقین، اپنی ایک پُرانی رسم کا خاتمہ ہوتے دیکھ کر چیخے چلائے ہوں۔ اور انہوں نے ایک جھُوٹی رسم کا رونا روتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کریم کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے ہوں، لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ اب ہمارے زمانہ میں اس نکاح پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے میں عیسائی لوگ اور ان کے پادری سب سے پیش پیش ہیں۔

ہمارے لیئے قابلِ غور امر یہ ہے کہ آخر عیسائیوں کو اس نکاح سے رنجیدہ وملول

۵۹۵۔ حاشیہ قرآن مجید مترجم مولانا مودُودی ص ۱۰۷۱ - ۱۰۷۳ بتصرّف یسیر۔

Marfat.com

خاطر ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے ؟ کیا تورات نے متبنیت یا لے پالک بنانے کی رسم کو حق ٹھہرایا ہے ؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے جائز قرار دیا ہے ؟ اور کوئی لفظ بھی اس کے جواز میں کہا ہے ؟ اگر نہیں (اور ہرگز نہیں) تو پھر عیسائی لوگوں کو کیوں رنج ہے ؟ ہاں ان کے رنجیدہ و ملول ہونے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس مبارک نکاح سے نہ صرف کفار کی رسم متبنیت ہی کا بطلان و خاتمہ ہوا بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث بھی باطل ٹھہرا کیونکہ جب اسلام نے یہ ثابت کر دیا کہ صلبی و خونی رشتہ نہ ہونے کی شکل میں محض زبانی کلامی ایک انسان کو دوسرے شخص کا بیٹا کہنا بالکل جھوٹ، باطل کامل افتراء اور بہتان ہے، تب یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایک انسان کو اللہ کا بیٹا کہنا قطعاً و حتماً باطل ہے۔ کھلم کھلا کذب و افترا اور صریح بہتان ہے۔ کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت ہے ہی نہیں۔

جسم و روح سے مرکب انسان سینکڑوں حوائج و ضروریات زندگی کا محتاج ہے جو ایک دن پیدا ہوا، اور اس سے پہلے موجود نہ تھا، جیسا کہ قرآن کریم کی سورۂ دہر کا آغاز ہی اس ارشادِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○

کیا انسان پر لامتناہی زمانے کا ایک وقت بھی گزرا ہے۔ جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔

اس سے مقصود سوال نہیں بلکہ تحقیق ہے اور انسان سے اس بات کا اقرار کرانا مطلوب ہے کہ واقعی اس پر ایک ایسا وقت گزر چکا ہے کہ اس کا نام و نشان تک نہ تھا اور اس کے ساتھ ہی فرما دیا :-

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○

Marfat.com

ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں، اور اس غرض کے لیئے ہم نے اُسے سُننے اور دیکھنے والا بنایا، ہم نے اسے راستہ دکھایا خواہ شکر کرنے والا بنے، یا کُفر کرنے والا۔ یعنی شکر اور کُفر کا اختیار اُسے دیتے ہوئے بتادیا کہ شکر کا راستہ کونسا ہے اور کُفر کا کونسا ؟

اور پھر جسم و رُوح سے مرکّب انسانی مخلوق کے ہر فرد کو بلکہ ہر ذی رُوح کو ایک نہ ایک لقمۂ اجل بننا اور موت کے مُنہ میں چلے جانا ہے۔ جیساکہ قرآن کریم کے تین مقامات یعنی سورۂ آل عمران آیت ۱۸۵، سورۂ انبیاء آیت ۳۵، اور سورۂ عنکبوت آیت ۵۷ میں ارشادِ الٰہی ہے

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ "ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے"

بھلا ایسا کوئی انسان اُس اللہ کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ جس کی ذات سرمدی ازل سے بھی اوّل اور ابد سے بھی آخر ہے۔

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بامرِالٰہی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے نکاح میں لیا تو ہر صاحبِ عقل و فکر کے لیئے عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث باطل ٹھہرا، اور ان کا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا جھوٹ ثابت ہوا۔ اور یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے پڑھے لکھے عیسائی اس قصہ سے ناراض رہا کرتے ہیں۔ [596]

الغرض حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وجودِ مسعود، تعلیم اسلام کے اظہار اور رسُوم جاہلیت کے ابطال میں بہت بڑی برکت ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی تعریف کیا کرتی تھیں۔ جیساکہ صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کرتی تھیں

هِيَ الَّتِي تُسَامِينِي مِنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [597]

---

[596] :۔ از رحمۃ اللعالمین ۲/۱۷۰-۱۷۱ بہ ترمیم و اضافہ۔

[597] :۔ الفتح الربانی ۱۸/۲۲۱، ۲۲/۱۲۱، ۱۳۵، ۱۳۶۔

Marfat.com

ایک زینب (رضی اللہ عنہا) ہی ہے جو بارگاہِ رسالت میں میری ہمسر تھی۔

اور بخاری و مسلم میں ارشادِ نبوی ہے کہ (اے میری بیویو) تم میں سے میرے پیچھے سب سے آنے والی وہ ہوگی جو تم میں سے لمبے ہاتھ والی ہوگی (اور لمبے ہاتھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ زیادہ صدقہ و خیرات کرنے کی طرف تھا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے اور صدقہ و خیرات کرنے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہی سب سے آگے تھیں۔ [۵۹۸]

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے انہوں نے ہی ۲۰ھ میں ۵۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ [۵۹۹]

ظہار اور اس کا حکم و کفارہ

پچھلے اوراق میں اپنی بیوی کو ماں کہہ بیٹھنے کا متعدد بار ذکر آیا ہے۔ یہ مسئلہ قرآنِ کریم، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فقہ اسلامی میں "ظہار" کہلاتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات کا اصل مقام تو شخصی مسائل و معاملات کا باب ہے۔ لیکن اب چونکہ بار بار اس کا ذکر آچکا ہے لہٰذا اس کا مختصر سا تذکرہ کیئے دیتے ہیں۔

ظِہار دراصل ظہر سے مشتق ہے۔ اور عربی میں ظَہر پُشت یا پیٹھ کو کہتے ہیں۔ اور ظہار کسی شوہر کا غصے سے اپنی بیوی کو اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی کہنا ہے کہ "تو میرے اُوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ"۔

۵۹۸۔ بخاری کتاب الزکاۃ، مسلم مع النووی ۸/۱۶/۸، الفتح الربانی ۲۲/ ۱۳۴-۱۳۵

۵۹۹۔ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب کے بارے میں علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا نے متعدد روایات جمع کر دی ہیں۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے الفتح الربانی ۲۲/ ۱۳۴-۱۳۵، قصۂ زواج اور نزولِ آیتِ حجاب کے لیئے دیکھیئے۔ ۲۱/ ۸۶-۸۸، ۱۸/ ۲۴۱-۲۴۰

عربوں میں بسا اوقات ایسی صورت پیش آتی تھی کہ میاں بیوی میں لڑائی ہوتی تو یہ کلمات استعمال کیئے جاتے، اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ تجھ سے وظیفۂ زوجیت میرے لیئے ایسا ہے جیسے کہ میں اپنی ماں سے کروں۔ اور آج بھی بعض نادان لوگ بیوی سے لڑ جھگڑ کر اُسے ماں، بہن، بیٹی سے تشبیہ دے بیٹھتے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی گویا اب اُسے بیوی نہیں بلکہ اُن عورتوں کی طرح سمجھتا ہے جو اُس کے لیئے حرام ہیں۔ اسی کا نام ظہار ہے۔

عہدِ جاہلیت میں یہ طلاق بلکہ اس سے بھی زیادہ شدید قطعِ تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام نے اُس حکم کو باطل قرار دیا ہے۔ البتہ ظہار کی وجہ سے عورت اپنے شوہر پر اُس وقت تک حرام ہو جاتی ہے جب تک کہ کفّارہ ادا نہ کرے۔ اور ظہار سے اگرچہ طلاق تو واقع نہیں ہوتی، لیکن تمام ائمہ و فقہاء کا ظہار کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مسعود میں بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ظہار کا ارتکاب ہوا۔ جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کے ظہار کا ذکر ہے۔

ایسے ہی ابوداؤد اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے ظہار کا تذکرہ ہے۔ اور انہی حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا، اپنے شوہر کے ظہار کی شکایت لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور اس سلسلہ میں اسلام کا حکم دریافت کیا۔ مگر اُس وقت تک ابھی اس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اسی گفتگو کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس مسئلہ کا حل نازل فرما دیا جو کہ سورۂ مجادلہ کی پہلی چار آیتوں میں مذکور ہے۔

اور ظہار کا کفّارہ وغیرہ بھی چونکہ انہی آیات میں آ گیا ہے لہٰذا نصوص احادیث اور ائمہ و فقہاء کی تصریحات کی بجائے صرف قرآنی آیات اور ان کے مفہوم و مطالب پر ہی اکتفا کرتے ہیں، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے :-

Marfat.com

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَکِیْٓ اِلَی اللّٰهِ
وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ
مِنْکُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ
وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْکَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ
اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ
لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ذٰلِکُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ
مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۔ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ
مِسْکِیْنًا ذٰلِکَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ
لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اللہ نے اس عورت کی بات سُن لی جو اپنے شوہر کے معاملہ میں آپ سے تکرار کر رہی ہے۔ اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے۔ وہ سب کچھ سُننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں۔ ان کی بیویاں اُن کی مائیں نہیں ہیں۔ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے۔ یہ لوگ ایک سخت ناپسندیدہ اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑا معاف کرنے اور درگزر فرمانے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں، پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں، جو انہوں نے کہی تھی، تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اُس سے اللہ باخبر ہے۔ اور جو شخص غلام نہ پائے، وہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس (دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے) پر بھی

Marfat.com

قادر نہ ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ۔ یہ حکم اس لیئے دیا جا رہا ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسُول پر ایمان لاؤ۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیئے دردناک عذاب ہے۔

ان آیات میں جو کفارہ بتایا گیا ہے۔ وہ بالترتیب یوں ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اور غلام نہ ملنے کی شکل میں دو ماہ کے بلاناغہ روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اور کفارے کی ادائیگی کے بعد میاں کے لیئے بیوی دوبارہ حلال ہو جاتی ہے۔ [۲۶]

ذکر ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث

رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھویں زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا تھیں۔ جن کی پہلی شادی مسافع بن صفوان مُصطلقی سے ہوئی تھی ۵ھ میں غزوہ مریسیع (بنی مصطلق) کے موقعہ پر قیدی ہو کر آئیں۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصّے میں آگئیں۔ تو انہوں نے اُن کو ایک طے شدہ رقم ادا کرنے کی شرط پر آزاد کر دیا۔ جسے "مکاتبت" کہا جاتا ہے۔

ابوداؤد، مستدرک حاکم اور سنن بیہقی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زرِ تعاون مانگنے کے لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[۲۶] تفصیل کے لیئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر اردو ۵/۳۴۱-۳۴۷، الفتح الربانی ۱۷/۲۱-۲۳، نیل الاوطار ۳/۶/۲۵۸-۲۶۳، الروضۃ الندیہ شرح درر البھیۃ ۲/۶۵-۶۷، سبل السلام ۳/۳/۱۸۶-۱۹۰ فقہ السنۃ ۲/۳۰۹-۳۱۳۔

Marfat.com

...مت میں آئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:۔

فَهَلْ لَكِ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ ؟

کیا تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک نہ کیا جائے ؟

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول : وہ کیسے ؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَقْضِی كِتَابَكِ وَ اَتَزَوَّجُكِ

میں تمہاری کتابت بھی ادا کر دوں (جس سے تم آزاد ہو جاؤ ، اور پھر تم سے شادی بھی کر لوں۔

تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا خوشی سے یہ پیش کش مان گئیں۔ اور جب یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو انہوں نے بھی بنی مصطلق کے تمام قیدی آزاد کر دیئے۔ اس طرح حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی بدولت بنی مصطلق کے ایک سو گھروں کو آزادی ملی (جن کی مجموعی تعداد ایک روایت کے مطابق سات سو افراد تھی) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔

فما اعلم امرأةً كانت اعظم بركةً على قومها منها۔ [۶۰۱]

میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ باعثِ برکت ثابت ہوئی ہو۔

مدارج النبوۃ میں ہے کہ وہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے زرِ کتابت سے پہلے کہا تھا ، کہ میں مسلمان ہوں ، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ میں اپنی قوم کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ [۶۰۲]

۶۰۱۔ قال البنّاء سندہ جید واصلہ فی الصحیحین من حدیث ابن عمر ، الفتح الربانی ۲۲/۱۳۹ ،

۶۰۲۔ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۲/۱۷۵ ۔

Marfat.com

طبقات ابن سعد میں صحیح سند سے مروی ہے کہ جب وہ قیدیوں کے ساتھ لائی گئیں تو اُن کے والد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا، کہ میری بیٹی جیسی لڑکیوں کو تو قیدی نہیں بنایا جاتا، تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں اسے اختیار دیتا ہوں (چاہے تمہارے ساتھ چلی جائے چاہے ہمارے یہاں رہ جائے) تو ان کے والد نے کہا، بیٹی: دیکھو اس شخص نے تمہیں اختیار دیا ہے، اب ہمیں رسوا نہ کرنا۔ لیکن حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

فَاِنِّی اخْتَارُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔

میں تو اللہ اور اس کے رسول کو ہی اختیار کرتی ہوں۔ [۶۰۳]

اُس وقت حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس سال تھی کہ اللہ نے انہیں راہِ ہدایت نصیب فرمائی اور دُنیا و آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ اور ام المؤمنین ہونے کے شرف سے نوازا۔ [۶۰۴]

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں، اس کا اندازہ اُس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جو صحیح مسلم، سننِ اربعہ اور مسندِ احمد میں ہے۔ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طویل وقت کے اذکار سے بھی وزنی مگر مختصر ذکرِ الٰہی بتایا ہے کہ نمازِ فجر و مغرب کے بعد صرف تین مرتبہ کہہ لیا جائے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، عَدَدَ خَلْقِہٖ وَرِضَاءَ نَفْسِہٖ وَزِنَۃَ عَرْشِہٖ وَمِدَادَ کَلِمَاتِہٖ۔ [۶۰۵]

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے کل سات حدیثیں مروی ہیں۔ دو صحیح بخاری میں، دو

---

[۶۰۳]۔ الفتح الربانی ایضاً۔

[۶۰۴]۔ المرجع السابق،

[۶۰۵]۔ الفتح الربانی ۱۴۰/۲۲۱، ۲۲/۱۴۰

Marfat.com

صحیح مسلم میں اور تین دیگر معتبر کتب حدیث میں ۔ [۵۶]

اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ھ اور ایک روایت کے مطابق ۵۶ھ میں ۶۵ یا ستر برس کی عمر میں وفات پائی۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

"رضی اللہ عنہا و ارضاھا"

ذکرِ ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نویں زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن کا نام رملہ بنت ابو سفیان تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ماں کی طرف سے تو نہیں مگر والد کی طرف سے بھائی تھے۔ حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت قدیم الاسلام ہیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام عبید اللہ بن جحش ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی اکٹھے مسلمان ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی مگر عبید اللہ وہاں جا کر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا۔ لیکن امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں۔ اسی پہلے شوہر سے ایک بیٹی حبیبہ بھی تھیں، جن کے نام کی نسبت سے ہی ام حبیبہؓ کہلاتی تھیں۔ یہ بچی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھی۔ جو کہ حبشہ سے اپنی والدہ کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ آئیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہیں۔

حضرت امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دین کی خاطر باپ، بھائی، رشتہ دار و قبیلہ اور قوم و ملک کو چھوڑ کر ہجرت کی تھی، پردیس میں صرف شوہر کا سہارا تھا۔ وہ بھی اس کے مرتد ہونے سے نہ رہا، نبی صلی اللہ علیہ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبشہ کو لکھوا بھیجا تھا کہ امِ حبیبہ رضی اللہ عنہا کو میرا پیغام نکاح پہنچا دیں۔

ابو داؤد و نسائی میں ہے کہ شاہِ حبشہ نجاشی نے خطبۂ نکاح پڑھا، اور نبی صلی اللہ

[۵۶] مدارج النبوۃ، رحمۃ للعالمین ۲/۱۷۶

Marfat.com

علیہ وسلّم کی طرف سے چار ہزار (دینار۔ کما فی المستدرک) حق مہر ادا کیا۔ اور شرجیل بن حسنہ کے ساتھ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور الاستیعاب وغیرہ کی ایک روایت میں ہے کہ نجاشی کے بعد (جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے وکیل تھے) حضرت خالد بن سعد رضی اللہ عنہ نے بھی خطبۂ نکاح پڑھا جو کہ حضرت امّ حبیبہؓ کے باپ کے چچا کے بیٹے تھے۔ اور ان کے وکیل بھی تھے[۶۰۷]

اور مناقبِ امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ضمن میں جلاء الافہام میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور الاصابہ میں حافظ عسقلانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:-

حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو سفیان جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ مدینہ طیبہ میں اپنی بیٹی کے گھر آئے۔ بستر پر بیٹھنے لگے تو انہوں نے بستر لپیٹ لیا کہنے لگے بیٹی میں سمجھا نہیں کہ تو اس بستر کو مجھ سے دور رکھنا چاہتی ہے یا مجھ کو اس بستر سے؟ تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

بل هو فراش رسول الله صلى الله عليه وسلم وانت إمرأٌ نجسٌ مُشرِكٌ۔

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا پاک بستر ہے۔ جبکہ تو ناپاک و مشرک ہے۔

اس پر ابو سفیان نے کھسیانا ہو کر کہا:

لقد اصابكِ بعدى شرٌ۔ [۶۰۸]

بیٹی تو ہم سے بچھڑ کر بگڑ سی گئی ہے۔

اللہ اکبر! یہ تھیں امّ المؤمنین حضرت امّ حبیبہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے ۴۴ ہجری میں مدینہ میں انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

---

[۶۰۷] - الفتح الربانی ۲۲/۱۴۳ ، رحمۃ اللعالمین ۲/ ۱۷۷ ،

[۶۰۸] - الفتح الربانی ۲۲/ ۱۴۴ ، رحمۃ اللعالمین ۲/ ۱۷۸

Marfat.com

اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح برسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر ابوسفیان کو پہنچی تو اس وقت تک اگرچہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے پھر بھی، رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ ذلك الفحل لا يجدع أنفه [۶۰۹]
کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بر ہیں کہ جن کا ہم پلہ کوئی نہیں ہو سکتا۔
یاد رہے کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پینسٹھ حدیثوں کی راوی ہیں جن میں سے دو متفق علیہ، ایک صحیح مسلم میں اور ۶۲ دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ اور ان کے نام کے بارے میں بھی رملہ اور ہند دو روایتیں ہیں، مگر بقول حافظ ابن حجر رملہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ [۶۱۰]

ذکر ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی

رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دسویں زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب تھیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے:۔

ولد صفية مائة نبي ومائة ملك ثم صيرها الله أمة لنبيه صلى الله عليه وسلم۔ [۶۱۱]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آباء و اجداد میں سے ایک سو نبی اور ایک سو

---

[۶۰۹]۔ رواہ فی الاصابۃ کما فی الفتح الربانی ۲۲/۱۳۴،
[۶۱۰]۔ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۷۷-۱۷۸، الفتح الربانی ۲۲/۱۳۲،
[۶۱۱]۔ بحوالہ الفتح الربانی ۲۲/۱۴۰،

بادشاہ تھے، پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز بنا دیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا والد بنو نضیر کا سردار تھا، وہ بنو قریظہ کے ساتھ ہی قتل ہوا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم سے اور دوسرا کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ یہ غزوہ خیبر میں مارا گیا، اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اس جنگ کے قیدیوں میں سے تھیں۔

بخاری و مسلم، نسائی اور مسند احمد میں مذکور ہے کہ جنگِ خیبر کے قیدیوں کی تقسیم کے وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں اور ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قیمتاً حاصل کر لیا۔ [۶۱۲]

اور بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے حاصل کر لینے کے وقت اختلاف ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سیدہ یعنی سردار کی بیٹی ہے۔ اور ایسی عورت بہتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیئے خاص فرمائیں۔ گویا اُن صحابہؓ کے نزدیک شاہِ دو عالم کا گھر ہی خیبر کی اِس شہزادی کے شایانِ شان تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر کے خود اُن سے نکاح کر لیا۔ [۶۱۳]

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں دولتِ ایمان سے مالا مال کیا بلکہ ام المؤمنین ہونے کے شرفِ عالی سے بھی نواز دیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ اور فضیلت کا اندازہ ترمذی و نسائی اور مسند احمد میں مذکور اُس حدیث شریف سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ جس میں حضرت انس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر ملی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں

---

[۶۱۲] ۔ الفتح الربانی ۲۲ / ۱۴۰-۱۴۱

[۶۱۳] ۔ رحمۃ اللعالمینؐ ۲ / ۱۶۹

Marfat.com

یہودی کی بیٹی کہا ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کے رونے کا سبب پوچھا تو انہوں نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ دہرائے کہ وہ مجھے یہودی کی بیٹی کہتی ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنتِ ابنۃ نبیّ ، وانّ عمّكِ لنبیّ وانت لتحت نبیٍّ ففیم تفتخر علیكِ۔

تم ایک نبی (ہارونؑ) کی بیٹی ہو۔ ایک نبی (موسیٰؑ) تمہارے چچا ہیں۔ اور تم ایک نبی (نبیؐ رحمت) کے گھر میں ہو تب پھر حفصہؓ تم پر کس طرح فخر کر سکتی ہے؟

اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے جا کر فرمایا؛

اِتّقِ اللّٰہَ یا حفصۃُ۔ [۶۱۴] "اے حفصہؓ! کچھ تو خوفِ خدا سے کام لو"

اور مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت حفصہ و عائشہ (رضی اللہ عنہا) دونوں میری تحقیر کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم اس سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد (یعنی ہم نسب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم نے انہیں یہ نہیں کہا کہ تم مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو؟ جبکہ میرے باپ حضرت ہارون علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ [۶۱۵]

عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے خیبر سے مدینہ طیبہ پہنچنے پر پہلے ہی دن انہیں یہودیہ کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تقولی ذلك، فانها اسلمت وحسن اسلامها۔ [۶۱۶]

---

[۶۱۴]۔ الفتح الربانی ۲۲/ ۱۴۲-۱۴۳ ، مشکاۃ ۳/ ۱۷۴۵ وصححہ الالبانی ،

[۶۱۵]۔ صححہ الحاکم اور اقرہ الذہبی کما فی الفتح الربانی ۲۲/ ۱۴۲ فی الشرح ۔ [۶۱۶]۔ الفتح الربانی ۲۲/ ۱۴۵

الیسا مت کہو وہ مسلمان ہوگئی ہے۔ اور بڑا اچھا اسلام لائی ہے۔

اور مسند احمد کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کے الفاظ کہے تھے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ناراض ہوئے کہ تین ماہ تک کلام نہیں کیا۔ [۶۱۷]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دس حدیثوں کی راوی ہیں۔ ایک متفق علیہ، اور نو دیگر کتب حدیث میں ہیں۔ اور انہوں نے رمضان ۵۰ھ میں انتقال فرمایا۔ [۶۱۸]

رضی اللہ عنہا وارضاھا

ذکر امّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث

رضی اللہ عنہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارھویں زوجۂ محترمہ امّ المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حویطب بن عبد العزّٰی سے، اور دوسرا ابورہم بن عبد العزّٰی سے ہوا تھا۔ ۷ھ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء ادا فرمایا تو اس وقت تک یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ [۶۱۹]

اور ترمذی و بیہقی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نکاح کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

۶۱۷۔ انظر النص الکامل فی الفتح الربانی ۲۲/ ۱۴۳-۱۴۴ وقال: سندہٗ جید۔

۶۱۸۔ مدارج النبوۃ بحوالہ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۸۰ والاستیعاب،

۶۱۹۔ رحمۃ للعالمین ۲/ ۱۸۰،

میمونہ رضی اللہ عنہا کے وکیل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مابین پیام رسانی میں نے کی۔ [۶۲۰]

اور یاد رہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن ام فضل لبابہ کبریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں، کیونکہ صحیح مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت میمونہ کے ایک بھانجے حضرت یزید بن اصم سے مروی ہے

وکانت خالتی وخالۃ ابن عباس۔ [۶۲۱]

کہ وہ میری اور ابن عباسؓ کی خالہ تھیں۔

اور ان کی ایک بہن لبابہ صغریٰ حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں اور ماں کی جانب سے ایک بہن ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی اور صرف دو یا تین ماہ بعد انتقال کر گئیں۔ اسی طرح ماں کی جانب سے ایک بہن سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں۔ جو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ اور ماں کی طرف سے ہی ایک بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا تھیں جو پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں۔ پھر ان کا نکاح ثانی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اور ان کی وفات کے بعد ان (حضرت اسماء بنت عمیسؓ) کا تیسرا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ [۶۲۲]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عورتوں سے نکاح کیا،

---

[۶۲۰] - الفتح الربانی ۱۱/۲۲۹ ، ۲۱/۱۳۳ ، ۲۲/۱۳۷ ،

[۶۲۱] - بحوالہ الفتح الربانی ۱۱/۲۲۹ فی الشرح،

[۶۲۲] - رحمۃ للعالمین ۲/۱۸۰-۱۸۱

Marfat.com

اور رخصتی بھی ہوئی، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان میں سے آخری زوجہ محترمہ تھیں[۶۲۳]
اور طبقات ابن سعد میں ہی صحیح سند سے مروی ارشادِ نبوی ہے:۔

الأخوات مؤمنات میمونہ و ام الفضل و اسماء۔

میمونہ، ام الفضل اور اسماء (رضی اللہ عنہن) (تینوں) بہنیں مومن (ایماندار) ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مومن و ایماندار ہونے کی گواہی و شہادت دی
اور طبرانی میں سلمیٰ کا نام بھی مذکور ہے، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:۔

إنها كانت من أتقانا لله و أوصلنا للرحم (قال الحافظ و هذا سند صحیح)
وہ (حضرت میمونہؓ) ہم سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار تھیں اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔ یعنی قرابت داروں کا خیال رکھنے والی تھیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ۷۶ احادیث کی راوی ہیں، جن میں سے سات متفق علیہ ایک صرف بخاری اور ایک صرف مسلم میں اور باقی ۶۷ دیگر کتبِ حدیث میں ہیں۔
اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ۵۱ھ میں وفات پائی۔

رضی اللہ عنہا و ارضاہا [۶۲۴]

۶۲۳۔ الفتح الربانی ۱۱/۲۲۹

۶۲۴۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۳۷–۱۳۸، رحمۃ للعالمینؐ ۲/۱۸۱

نقشہ

متعلق حالات تاریخی امّہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن

تتمہ باب امّہات المؤمنین مشمولہ جلد دوم، کتاب

رحمۃ للعالمین ۲ ص ۱۸۲

نمبر شمار	نام ازواجِ مطہرات	سنہ نکاح	ام المؤمنین کی عمر بوقت نکاح	عمر	سنہ وفات	مقبرہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے کی مدت	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بوقت نکاح
۱	خدیجۃ الکبریٰ رض	سنہ ۲۵ میلاد النبی ﷺ	۴۰ سال	۶۵ سال	سنہ ۱۰ نبوت	مکۂ معظمہ	تقریباً ۲۵ سال	۲۵ سال
۲	سودہ رض	سنہ ۱۰ نبوت	۵۰ ″	۷۲ ″	سنہ ۱۹ ھ ہجرت	مدینہ منورہ	۱۴ ″	۵۰ ″
۳	عائشہ صدیقہ رض	نکاح سنہ ۱۰ نبوت رخصتی شوال سنہ ۱ ھ	۹ ″	۶۳ ″	سنہ ۵۷ ھ ۱۷ رمضان المبارک	″	۹ ″	۵۴ ″
۴	حفصہ رض	شعبان سنہ ۳ ھ	۲۲ ″	۵۹ ″	سنہ ۴۱ ھ جمادی الاول	″	۸ ″	۵۵ ″
۵	زینب بنت خزیمہ رض	سنہ ۳ ھ	تقریباً ۳۰ سال	۳۰ ″	سنہ ۳ ھ	″	۳ ماہ	۵۵ ″
۶	امّ سلمہ رض	سنہ ۴ ھ	۲۴ سال	۸۰ ″	سنہ ۶۰ ھ	″	۷ سال	۵۶ ″
۷	زینب بنت جحش رض	سنہ ۵ ھ	۳۶ سال	۵۱ ″	سنہ ۲۰ ھ	″	۶ ″	۵۷ ″
۸	جویریہ رض	شعبان سنہ ۵ ھ	۲۰ ″	۷۱ ″	ربیع الاول سنہ ۵۶ ھ	″	۶ ″	۵۷ ″
۹	ام حبیبہ رض	سنہ ۶ ھ	۳۶ ″	۷۲ ″	سنہ ۴۴ ھ	″	۶ ″	۵۸ ″
۱۰	صفیہ رض	جمادی الآخر سنہ ۷ ھ	۱۷ ″	۵۰ ″	رمضان المبارک سنہ ۵۰ ھ	″	۳ ۳/۴ ″	۵۹ ″
۱۱	میمونہ رض	ذیقعدہ سنہ ۷ ھ	۳۶ ″	۸۰ ″	سنہ ۵۱ ھ	سرف قرب مکۂ معظمہ	۳ ۱/۴ ″	۵۹ ″

Marfat.com

تعدّدِ زوجات کے سلسلہ میں

عام مسلمانوں اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جن گیارہ ازواجِ مطہرات کا ذکر گزرا ہے اُن میں سے سب سے پہلے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ بلکہ جب تک وہ زندہ رہیں، وہ صرف اکیلی ہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دوسری زوجہ محترمہ سے ان کی زندگی میں نکاح نہیں کیا

اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا صرف دو یا تین ماہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں زندہ رہیں۔ اور وفات پا گئیں۔ اِن دونوں کا انتقال تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی ہو گیا۔ اور جب خود سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا تو اس وقت نو ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھیں۔ اور ان سب میں سے سب سے آخر میں بقول حافظ ابن حجرؒ [۶۲۵] (فی الاصابہ) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعمر ۸۴ سال میں وفات پائی۔ اور وہ عورتیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا مگر رخصتی نہیں ہوئی، وہ دس تھیں۔ اور جنہیں پیغامِ نکاح دیا مگر نکاح نہیں کیا، وہ بھی دس تھیں۔ اور امام قتادہ کے بقول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو کنیز تھیں۔ حضرت ماریہ ام ابراہیم ابن الرسولؐ، اور ریحانہ (رضی اللہ عنہما) اور بعض نے اور بھی ذکر کی ہیں۔ [۶۲۶]

یہاں چند امور کی طرف اشارہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے: مثلاً یہ کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں عام مسلمانوں اور نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے

۶۲۵۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۳۲، کما فی المواہب وشرحہ الزرقانی۔

۶۲۶۔ راجع للتفصیل تفسیر قرطبی ۷/۱۴/ ۱۶۴- ۱۶۹، الفتح الربانی ۲۲/ ۱۴۷- ۱۴۸ وغیرہما من کتب السیرة۔

Marfat.com

مابین ربِ کائنات کی طرف سے ہی فرق رکھا گیا ہے۔

عام مسلمانوں کی نسبت حکم الٰہی یہ ہے کہ اگر صرف ایک بیوی سے شادی کے تمام مقاصد باحسن وجوہ پورے ہو رہے ہوں تو پھر صرف ایک پر اکتفا کرنا ہی افضل و بہتر ہے۔ ہاں اگر ایک بیوی سے وہ مقاصد پورے نہ ہو پائیں تو بعض اسباب و وجوہ کی بنا پر اور بعض شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے۔ اور پھر ایک سے زیادہ کا عدد کوئی غیر محدود نہیں کہ جتنی چاہے کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حد بندی کر دی ہے، کہ چار عورتوں تک سے شادی کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت ۳ میں ارشادِ الٰہی ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا۔

اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ (نکاح کر کے) انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لے لو جو تمہارے قبضہ میں آئی ہوں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہی زیادہ قرینِ صواب ہے۔

اس آیت کی رو سے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جمہور اہلِ علم اور جمیع فقہاء امت کے نزدیک چار سے زیادہ بیویاں جمع کرنا منع ہے نیز ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی شکل میں سب کے ساتھ عدل و انصاف اور برابری کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور جو شخص عدل کی شرط پوری نہیں کرتا، مگر ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کے ساتھ دغا بازی کرتا ہے۔ [۶۲۷]

اور کتب حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سے زیادہ بیویوں کو جمع کرنے کی ممانعت کر دی۔ جیسا کہ ترمذی، ابن ماجہ، اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے، تو ان کے پاس دس بیویاں تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا۔

اِخْتَرْ مِنْهُنَّ اَرْبَعًا۔ [۶۲۸] ، "ان میں سے صرف چار کو رکھ لو۔"

ایسے ہی ابو داؤد، ابن ماجہ اور مسند شافعی میں دیگر واقعات بھی مذکور ہیں۔ [۶۲۹]

البتہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور چار سے زیادہ ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ تھی۔ جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۵۰ میں ارشاد الٰہی ہے۔

"اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کے لیے حلال کر دیں آپؐ کی وہ بیویاں جن کے مہر آپؐ نے ادا کیے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے آپؐ کی ملکیت میں آئیں، اور آپؐ کی چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، اور خالہ زاد بہنیں، جنہوں نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہبہ کیا ہو۔ اگر نبیؐ اسے نکاح میں لینا چاہے۔"

آگے فرمایا۔

خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

۶۲۷۔ ابن کثیر اردو ۵۳۷/۱ ، حاشیہ قرآن مجید مترجم از مولانا مودودی ،

۶۲۸۔ بحوالہ مختصر ابن کثیر للرفاعی ۳۵۲/۱ ،

۶۲۹۔ انظر ابن کثیر اردو ۵۳۸/۱-۵۳۹ ،

"یہ رعایت خالصتہً آپؐ کے لیئے ہے، دوسرے مومنوں کے لیئے نہیں ہے۔"

اور فرمایا :-

"ہمیں معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیں ہیں (لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حدود سے ہم نے اس لیئے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ آپؐ پر کوئی تنگی نہ رہے۔ اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جن حدود کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ سورۂ نساء کی آیت ۳ میں مذکور ہیں۔ یعنی زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کی اجازت۔

اور جب سورۂ احزاب کی آیت ۲۸ اور ۲۹ نازل ہوگئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو اللہ و رسول اور دارِ آخرت پسند کر لینے یا پھر دنیا اور اس کی زینت کو چن لینے کا اختیار دے دیا۔ اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواجِ مطہرات تھیں۔ اور جب اُن سب نے اللہ و رسولؐ اور دارِ آخرت کو پسند کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس حسنِ اختیار کا صلہ عطا کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی رفاقت بخشنے کے لیئے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ احزاب ہی کی آیت ۵۲ میں حکم فرما دیا تھا کہ :-

"اس کے بعد آپؐ کے لیئے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں، اور نہ اس کی ہی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو، البتہ کنیزوں کی آپؐ کو اجازت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران ہے۔" [۶۳۰]

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تک اگرچہ یہ حکم منسوخ ہوگیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر وہی نو ازواجِ مطہرات موجود رہیں۔

---

۶۳۰ :- راجع للتفصیل تفسیر القرطبی (۷/ ۱۴/ ۲۰۶ - ۲۱۹ وما بعد-) وغیرہ من کتب التفسیر۔

Marfat.com

تعدّدِ زوجات اور قانون

شادی کے اغراض و مقاصد تو معروف ہیں اور اس سلسلہ میں ہر شخص اگر مکمل گہرائی میں جا کر ان تمام مقاصد کو نہیں سمجھ سکتا تو کم از کم جو امورِ بالکل ظاہر و باھر اور واضح و روشن ہیں انہیں تو ہر شخص جانتا ہی ہے۔ اور ان اغراض و مقاصد کے حصول کے لیئے بعض اسباب و وجوہ کی بناء پر اگر کوئی ایک شخص ایک سے زیادہ شادیاں کرنا چاہے تو اسلام نے بعض شروط و قیود کے ساتھ دو، تین اور چار شادیاں کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ اور اس تعدّدِ زوجات میں کیا مصلحتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ ہم پھر کبھی نکاح و طلاق کے مسائل میں ذکر کریں گے۔ انشاءاللہ!

لیکن سردست دیکھنا یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کو اس تحدید سے اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعتاً چار سے زیادہ ازواج مطہّرات سے نکاح کیا۔ تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔ اور کیا اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم پہلے پیغمبر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا کیا۔ اور کیا اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی اس کی کوئی مثال موجود ہے؟ اور ایک سے زیادہ بیویوں کے مسئلہ پر بعض مغربی اقوام، اور خصوصاً عیسائی لوگ جو اعتراض کرتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور نبیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی پر جو زبانِ طعن دراز کی جاتی ہے۔ اور بعض ایسے فقرے چست کیئے جاتے ہیں جنہیں "نقلِ کفر، کفر نباشد" کا قاعدہ موجود ہونے کے باوجود کوئی مسلمان اپنی زبان سے ادا کرنا گوارا نہیں کرتا۔ اور اگر کبھی ان غیر مرغوب و ناخوشگوار جملوں کو اصل مسئلہ کی حقیقت واضح کرنے کے لیئے زبان سے کہنا ہی پڑے تو ان کے اوّل یا آخر میں معاذاللہ یا نعوذ باللہ کہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے فقروں کی اخلاقی حیثیت کیا ہے؟ آئندہ چند موضوعات میں ہم

انہی امور کا جائزہ لیں گے۔ وبیداللہ التوفیق۔

ایک سے زیادہ بیویوں کے جواز یا عدمِ جواز کی بحث صرف دو ہی پہلوؤں سے کی جا سکتی ہے۔

اوّلاً۔ دستور و قانون کی رُو سے۔

ثانیاً۔ مذہبی نقطۂ نظر سے۔

دستور و قانون کی رُو سے تو ایک سے زیادہ بیویوں کے مسئلہ پہ کوئی مسلمہ اعتراض موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ایک قانون دان، ہندوستان کی ریاست پٹیالہ کے سابق سیشن جج اور معروف سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

"قانون اس مسئلہ کا فیصلہ یورپ کے لیئے اَور طرح کرتا ہے، اور ایشیا کے لیئے اور طرح۔ ہندوستان کی تمام ہائی کورٹیں ایک سے زیادہ بیویوں کی شخصیت کو دیوانی و فوجداری قوانین میں صحیح تسلیم کرتی ہیں۔ یہ اعلیٰ عدالتیں اُن مقدمات میں جو جائیداد سے متعلق ہوں دو یا دو سے زیادہ بیویوں کے حقوق کو (بمقابلہ ان کے شوہر کے وُرثاء قانونی کے) تسلیم کرتی ہیں۔ اور ڈگریاں جاری کرتی ہیں۔ یہ اعلیٰ عدالتیں ہمیشہ مقدمات زیر دفعہ ۴۹۴ تعزیراتِ ہند میں ایسی عورت کو جو اپنے شوہر کی دوسری یا تیسری یا چوتھی بیوی تھی (مطلقہ یا بیوہ ہوئے بغیر) کسی دوسری جگہ شادی کر لینے سے مجرم قرار دیتی ہیں۔ اور اُس شخص کو بھی مجرم ٹھہراتی ہیں، جو ایسی عورت کے ساتھ شادی کر لیتا ہے۔ ہندوستان کی ہائی کورٹوں کا یہ متفقہ اور مسلمہ رویّہ انگلستان کے قانونِ بائی گیمی کے بالکل خلاف ہے۔ تو گویا ہندوستان کی عدالتوں کا یہ قانونی دستور ایشیا کو یورپ سے متمیز کرتا ہے۔ اس لیئے ثابت ہو گیا کہ محض قانونی پہلو سے اس مسئلہ پہ کوئی مسلمہ اعتراض موجود نہیں ہے۔ [۶۳۱]

---

[۶۳۱]: رحمۃ اللعالمین ۲/ ۱۲۶،

اور متحدہ ہندوستان کے قانون کی دفعات ۳۶۳ اور ۳۶۶ کو بھی جب شادی شدہ عورت کے متعلق ہوں، نیز دفعہ ۴۹۸ کو بھی اس نظیر میں شامل کر لینا چاہیئے۔ تب ایک سے زیادہ بیویوں کا، قانون کی رُو سے جائز ہونا بالکل ہی واضح ہو جاتا ہے۔

اب اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ ہندوستان کی عدالتوں نے اس بارہ میں خالصتہً ہندوستانی رسم و رواج کی پیروی کی ہے تو اُن کی یہ بات درُست نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر قانون وضع کرنے والے اس مسئلہ کو قطعاً مخرب اخلاق سمجھتے تو اس کا ضرور کلّی انسداد کر دیتے خواہ رسم و رواج اس کی تائید میں پائے ہی جائے۔

رسم ستی کے انسداد کے متعلق حکومت نے ایسا ہی کیا۔ اگرچہ بعض لوگ اس کی بنیاد مذہب پر بھی بتاتے تھے۔ [۶۳۲]

الغرض مسلم ممالک میں مروج وضعی قانون سے قطع نظر خاص متحدہ ہندوستان کے قانون کی دفعات شاہد ہیں کہ ایک سے زیادہ بیویاں غیر قانونی نہیں بلکہ دیوانی و فوجداری قوانین ان کے وجود کو جائز و صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

یہ تو تھا مسئلہ تعددِ زوجات کا قانونی پہلو اور جواز، رہا اس بارے میں مذہبی نقطہٗ نظر تو یہ آگے آنے والے اوراق میں بیان کیا جاتا ہے۔ انشاءاللہ۔

---

۶۳۲ — حاشیہ رحمتہ اللعالمینؐ ۲/ ۱۲۶ - ۱۲۷ بتصرف

تعدّدِ زوجات ہندوؤں اور اہلِ کتاب میں

ایک سے زیادہ بیویوں کے جواز پر قانونی دلائل پیش کیئے تھے۔ اور اب آیئے
[اس] مسئلہ پر اسلام کے علاوہ دیگر مختلف مذاہب کی تعلیمات اور اُن کے پیشواؤں کے ذاتی
[حا]ل کو بھی دیکھیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مذہب کا اصل سرچشمہ ایشیائی ممالک ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت [م]سیح علیہ السلام بھی شام میں پیدا ہوئے۔ اور ایشیائی ہی ہیں۔ اور ایشیا کے تقریباً سبھی مشہور [مذا]ہب ایک سے زیادہ بیویوں کے جواز کی تائید کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر:-

قدیم ہندوستان کو ہی لے لیجئے، ہندو مذہب کے پیشواؤں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شری رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرت کی تین بیویاں تھیں ایک رام چندر جی کی والدہ پٹ رانی کوشلیا۔ دوسری لچھمن جی کی والدہ رانی سمترہ اور تیسری بھرت جی کی والدہ رانی کیکئی۔

اور شری کرشن جی (جو اوتاروں میں سولہ کلاں سپورن تھے) سینکڑوں بیویاں ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ ان کے سوانح نگار آنجہانی لالہ لاجپت رائے نے اپنی کتاب "کرشن چرتر" میں کرشن جی کی طرف اٹھارہ رانیاں تسلیم کی ہیں۔ اور ہمارے مدعا کے لیئے یہ تعداد بھی بہت کافی ہے۔ اور راجہ پانڈو جو مشہور پانڈوؤں کا جدِ اعلیٰ ہے، ان کی دو بیویاں تھیں، ایک کنتی، اور دوسری مادری۔ اسی طرح راجہ شنتن کی بھی دو بیویاں گنگا اور ستیہ وتی تھیں۔ ایسے ہی بچترا یرج کی دو بیویوں امبکا اور امبالکا کے علاوہ ایک کنیز کا بھی پتہ چلتا ہے۔ [۶۳۳]

ان تصریحات اور تاریخی حقائق کو پیشِ نظر رکھا جائے تو کم از کم ان پیشواؤں کے

۶۳۳۔ تفصیل کے لیئے دیکھئے رحمۃ اللعالمین ۲/ ۱۲۷ ،

Marfat.com

مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ اسلام میں متعدد بیویوں کے جواز پر اعتراض کریں۔ شری کرشن جی کی زیادہ نہیں تو کم از کم اٹھارہ رانیاں تو خود ان کے پیروکار خاص اور سوانح نگار نے تسلیم کی ہیں۔ اگر یہ کوئی عجوبہ نہیں تو نبیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیک وقت نو بیویوں کا وجود بھی کوئی انوکھی بات نہیں سمجھی جانی چاہیئے۔

اور ہندو مذہب کی طرح ہی یہودی اور عیسائی مذہب کی اصل کتابوں میں بھی متعدد بیویوں کے بارے میں اسلام کے موقف کی تائید موجود ہے، اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے ہوئے کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے یہاں بھی متعدد بیویاں تھیں مثلاً "جد الانبیاء" حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جنہیں انجیل باب ۲۳ فقرہ ۲ کی رو سے عیسائی لوگ بھی صاحبِ عظمت اور خلیل الرحمٰن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی تین بیویاں تھیں۔ ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہؑ ہیں۔ جن کا ذکر کتاب پیدائش باب ۴ فقرہ ۱۶، میں موجود ہے۔ دوسری بیوی حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ حضرت سائرہؑ تھیں۔ جن کا ذکر کتاب پیدائش باب ۱۵ فقرہ ۱۸ میں ہے۔ اور حضرت خلیل علیہ السلام کی تیسری بیوی قتورہ خاتون تھیں جو زمران کی والدہ ہیں، اور جن کا ذکر کتاب پیدائش باب اول فقرہ ۲۵ میں موجود ہے۔

اور بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں جنہیں کتاب تواریخ باب ۱۰ فقرہ ۲۲، اور کتاب خروج باب ۴ فقرہ ۱۱ کی رو سے عیسائی حضرات بھی نہایت برگزیدہ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ ان حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ ایک یہودہ کی والدہ لیاہ ہیں۔ دوسری زلفہ، تیسری حضرت یوسف علیہ السلام و بنیامین کی والدہ راحل ہیں۔ اور چوتھی بلہہ تھیں۔ اور ان چاروں کا ذکر بھی کتاب پیدائش بالترتیب باب ۲۳، ۲۴، ۲ اور ۲۹ میں موجود ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں جنہیں کتاب

استثناء باب ۱۰ فقرہ ۳۴ کی رُو سے عیسائی بھی ایسا عظیم الشان نبی مانتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، اور ان کو اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی بخشنے کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ ان کی بھی چار بیویاں تھیں۔ جن میں سے ایک کا نام کتاب خروج کے باب ۳۱، فقرہ ۲ میں سفورہ خاتون ملتا ہے۔ دوسری حبشیہ تھیں اور باقی کا ذکر کتاب قاضیون کے باب ۱۶ میں ملتا ہے۔ اور کتاب استثناء کے باب ۲۱، فقرہ ۱۰ تا ۱۳ کے مطالعہ سے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیئے لاتعداد بیویوں کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔"

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی نو بیویوں کے نام کتاب سموئیل کے باب ۳، ۱۱، ۲۳ اور ۲۷ میں اور دس حرموں کا تذکرہ باب ۳۰ میں موجود ہے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بکثرت بیویاں ہونے کا ذکر کتاب سلاطین باب ۳، فقرہ ۱۱ میں موجود ہے۔ اور چار، دس، بیس نہیں بلکہ ایک ہزار عورتوں کا ذکر ہے جن میں سات سو بیگمات اور تین سو حرمیں تھیں۔ [۶۳۴]

[۶۳۴] ۔ راجع للتفصیل رحمۃ اللعالمین ۲/ ۱۲۸-۱۲۹-۱۳۰، تعددِ زوجات از ڈاکٹر عبدالناصر توفیق العطار ص ۸۱-۸۶، حکمۃ اباحۃ تعدد التزوجات، شیخ عبداللہ بن زید آلِ محمود ص ۱۲-۱۴، مجموعۃ الرسائل ۲۴/۲۷۹-۲۸۰ تعدد الزوجات فی الاسلام ص ۵-۱۶ للشیخ عبداللہ ناصح علوان۔

ان کتب میں مذکورہ یہ حوالے تو معترضین کی اپنی کتابوں کے ہیں۔ جبکہ قرآن کے بعد مسلمانوں کی معتبر اور صحیح ترین کتاب بخاری شریف، الجہاد ۲۳ جلد ۶ ص ۳۴ مع الفتح میں سلیمان علیہ السلام کا ایک سو اور ننانوے [۱۹۹] بیویوں کو ایک رات میں ملنا مذکور ہے۔ یہی کتاب النکاح باب ۱۱۹ میں ہے۔ اور الانبیاء ۴۰ ص ۴۵۸ میں ستر [۶۰] کا ذکر ہے۔ اور الایمان ۳ (جلد ۱۱ ص ۵۲۴ مع الفتح) میں نوے [۹۰] مذکور ہیں، اور کتاب التوحید ۳۱ جلد ۱۳ ص ۴۴۶ مع الفتح، اور النکاح ۱۱۹ میں مطلق "عورتیں" مذکور ہے۔ نیز صحیح مسلم کتاب الایمان ۲۲، ۲۳، ۲۵ (مختصر صحیح مسلم بتحقیق الالبانی ۲/ ۲۷) ترمذی نذور ۷، نسائی ایمان ۴۰-۴۳-۴۵ اور مسند احمد ۲/
(باقی)

Marfat.com

ان سب حوالوں سے یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ اللہ کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔ عیسائی حضرات سے پوچھا جائے کہ ان لوگوں نے کثرتِ ازدواج کو بنیاد بنا کر اُن انبیآء کی تقدیس و عظمت پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا تو پھر نبیِّ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر کیوں ؟

معاملہ انبیآء علیہم السلام کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہے۔ اگر کسی ہما شما کے بارے میں یوں دو پیمانے استعمال کرنے کا کھیل رچایا جاتا تو پھر کہا جاسکتا تھا کہ ؎

تیری زُلف میں پہنچی تو حُسن کہلائی
وُہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی

حضرت عیسٰی علیہ السّلام اور عیسائی اکابرین

سے تعددِ زوجات کی تائید

ہندوستان کے اکثریتی مذہب کے پیشواؤں کے ذاتی فعل اور سابقہ انبیآء کرام کے عمل سے اور اہلِ مذاہب کی اپنی مقدّس و معتبر کتابوں کے حوالہ سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ ان کے یہاں بھی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں۔

اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے بعض ارشادات سے بھی متعدد بیویوں کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً انجیل متّی کے باب ۲۵ میں حضرت مسیح علیہ السّلام

باقی حاشیہ:۔ حدیث ۲۲۹ - ۲۷۵ - ۵۰۶ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ادیان و امم سابقہ میں تعددِ ازدواج کے عنوان کے تحت ڈاکٹر محمد یوسف عید نے مختصر مگر جامع بحث کی ہے۔ دیکھیئے ان کا ایم۔ اے (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) کا مطبوعہ مقالہ، قضایا المرأۃ فی سورۃ النسآء ص ۵۱ - ۵۲، طبع دار الدعوۃ۔ کویت۔

Marfat.com

لے اپنی آمد کی خبر میں دس کنواریوں کا ذکر فرمایا ہے کہ پانچ نے دُولہا کے ساتھ شادی کی، گھر میں گئیں اور پانچ جو پیچھے رہ گئی تھیں ان کے لیئے دروازہ نہ کھولا گیا۔ یہ الفاظ بڑے واضح ہیں کہ پانچ عورتوں نے ایک شخص سے شادی کی۔

اب عیسائی حضرات زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام تمثیلی ہے۔ حالانکہ اگر ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناپسندیدہ ہوتا تو وہ اس تمثیلی بیان کو کبھی زبان پر نہ لاتے۔ اور مغرب کے بعض معروف اہلِ نظر نے بھی اس کلام سے یہی مطلب سمجھا ہے۔ چنانچہ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن اسی تمثیل کی بنیاد پر ایک سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں لینے کے جواز کا قائل تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام اور دیگر انبیآء کرام سے متعلق سابقہ کتب کے حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہزاروں سال سے کثیر انبیآء علیہم السلام نے جو منہاجِ نبوت اپنے محکم و مستقیم عمل سے قائم کیا وہ یہ تھا کہ نبی کے گھر میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔ اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی شخص اس نتیجہ سے اتفاق کرنے پر تیار نہیں، تو پھر اسے عبرانیوں کے باب ۴ کا فقرہ ۱۳ پڑھ لینا چاہیئے۔ جو کچھ یوں ہے کہ،

"بیاہ کرنا سب میں بھلا ہے، اور بستر ناپاک نہیں۔ یہ خدا حرام کاروں اور زانیوں کی عدالت کرے گا۔"

اس فقرہ میں صرف دو ہی صورتیں مذکور ہیں۔ پہلی بیاہ، اور دوسری زنا۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں ناپاک بستر ہے تو کیا وہ یہ اقرار کرنے کو بھی تیار و آمادہ ہے کہ وہ سب مقدس لوگ جن کے یہاں متعدد بیویاں ہونے کا ذکر سابقہ آسمانی کتب میں پایا جاتا ہے، وہ سب (معاذاللہ) اس فقرہ کے مصداق تھے۔ ہمیں یقین ہے کہ کوئی بھی عیسائی ایسا نہیں پایا جائے گا۔ لہٰذا جس طرح وہ حضرت ابراہیم و یعقوب، سلیمان و داؤد اور موسیٰ علیہم السلام کے معاملہ

Marfat.com

میں خاموش ہیں۔ اسی طرح ہی انہیں پیغمبر آخر الزمان، نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے بھی باز رہنا چاہیئے۔[۶۳۵]

اور حقیقت یہ ہے کہ عیسائی مذہب کے پیروکاروں میں جہاں کچھ مذہبی جنونی، متعصب مزاج اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خواہ مخواہ بغض و عداوت اور معاندانہ رویہ رکھنے والے پائے جاتے ہیں۔ وہاں کچھ احترام باہمی کا قاعدہ جاننے والے اہلِ فکر و نظر، متشددانہ رویہ سے بالا رہنے والے منصف مزاج و معتدل خیال لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے نہ صرف یہ کہ نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کبھی گستاخی نہیں کی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے پاک چال چلن اور مقدس کردار کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ کئی اہلِ علم نے صرف اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں تقریباً تمام مذاہب کے غیر مسلم اکابرین، پیشواؤں فلاسفروں، ڈاکٹروں، پروفیسروں، ادیبوں، شاعروں، صحافیوں، زعماء حکومت حتیٰ کہ ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تعریفی اقوال جمع کیے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم "اغیار کی نظر میں" یا ان الفاظ سے ملتے جلتے نام کی کوئی کتاب اُٹھا کر دیکھی جاسکتی ہے۔ اور مجموعی تعریف و توصیف کے علاوہ خاص تعددِ زوجات کے موضوع پر بھی مغربی مفکرین اور مصنفین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کی ہے۔

چنانچہ علی احمد الجرجاوی نے اپنی کتاب "حکمۃ التشریع و فلسفتہ" کے جزء ثانی ص ۱۶ پر معروف کرسچن عالم، گوستاف لیون کا بیان نقل کیا ہے کہ جس میں کہا گیا ہے کہ

"تعددِ زوجات کا نظام حقیقت میں ایک مستقل نظام ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی پہلے مشرقی اقوام و عوام میں موجود تھا۔ یہ نظام عہدِ قدیم سے فارس میں مشروع، یہود میں مسنون اور عربوں میں مروج تھا۔ اور ادیانِ عالم میں سے کسی دین میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس نظام کو منسوخ کرسکے۔ جسے قرآنی دین (یعنی اسلام) نے برقرار رکھا ہے۔"

---

[۶۳۵] رحمۃ اللعالمین ۲/۳۱-۱۳۰ بتصرف۔

Marfat.com

اور پھر تعدد کے اسباب ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:
میں نہیں سمجھتا کہ اہلِ مشرق کا یہ شرعی نظام تعدد اہلِ مغرب کے فحش نظام تعدد سے گرا ہوا کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ مغربی نظام نکاح میں محض قانون کی حد تک تو صرف ایک ہی بیوی ہو سکتی ہے۔ جبکہ عادتاً کوئی شاذ و نادر شخص ہی ہو گا جو صرف ایک عورت پر قناعت کرتا ہو۔ [۶۳۶]
ان الفاظ کا مفہوم بڑا واضح ہے کہ نصاریٰ مغرب کے یہاں حلال طریقہ سے متعدد بیویاں کرنا تو ناپسندیدہ فعل ہے۔ مگر حرام طریقہ سے لاتعداد عورتوں کے ساتھ خفیہ تعلقات اور آشنائی رکھنا عام ہے۔ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ"

اور ایسے ہی تعددِ زوجات کے موضوع پر تائیدی بیانات انگریز فلاسفر سپنسر، اور ٹومس کارلائل کے بھی ہیں۔ جن میں سے سپنسر کا بیان اس کی اپنی کتاب "اصول علم معاشرہ" کے حوالہ سے شیخ عبداللہ نے اپنے رسالہ (ص ۱۱ و مجموعہ ۲/ ۲۷۷) میں نقل کیا ہے۔ اور ڈاکٹر عبدالناصر العطار نے اپنی کتاب تعدد الزوجات من النواحی الدینیۃ والاجتماعیۃ والقانونیۃ (جو کہ ۲۳۲ صفحات کی اپنے موضوع پر بڑی جامع کتاب ہے) کے ص ۱۰۸ پر دونوں کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں کئی عیسائی انجمنوں کا ذکر کیا ہے جو تعدد کو مباح قرار دلوانے میں کوشاں رہیں۔ اور کئی عیسائی قومیں (افریقی و حبشی) تعدد پر عمل پیرا ہیں۔ جن کا ذکر محمود سلام زنانی کی کتاب "النظم القانونیۃ الافریقیۃ (ص ۱۰۱، ۱۰۷) کے حوالہ سے کیا ہے۔

اور وسٹر مارک کی کتاب جس کا عربی ترجمہ عبدالمنعم الزیادی نے "قصۃ الزواج" کے نام سے کیا ہے۔ اُس کے ص ۳۵۶ سے نقل کیا ہے کہ: ۱۵۳۱ء میں مونسٹر میں عیسائی پادریوں نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا کہ جو شخص حقیقی مسیحی بننا اور رہنا چاہتا ہے۔ اس

---

[۶۳۶] بحوالہ حکمۃ تعدد الزوجات ص ۸، شیخ عبداللہ آلِ محمود قطر یا مجموعۃ الرسائل لہ ۲/ ۲۷۳-۲۷۴۔

Marfat.com

کے لیئے ضروری ہے کہ متعدد بیویوں سے شادی کرلے۔ [۶۳۶]

اسی طرح ڈاکٹر مصطفےٰ اسباعی کی کتاب "المرآۃ بین الفقہ والقانون" اور عباس محمود عقاد کی کتاب "المرأۃ فی القرآن الکریم" کے ابواب متعلقہ تعدد اور عبداللہ ناصح کی تعدد الزوجات (ص ۱۵-۲۵-۵۸-۶۰) میں بھی عیسائی مفکرین مصنفین اور پادریوں کی اس تعددِ ازواج کی تائید میں دی جانے والی آراء دیکھی جاسکتی ہیں۔ اور سورۃ رعد، آیت ۳۸ میں ارشادِ الٰہی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً۔

تم سے پہلے بھی (اے میرے نبیؐ)، ہم بہت سے رسُول بھیج چکے ہیں۔ اور ان کو ہم نے بیویوں اور اولاد والا بنایا تھا۔

تین اہم نقاط

مختلف ادیان کی مقدس کتب اور ان پیشواؤں کے ذاتی فعل کے حوالہ سے اور منہاج نبوت کی رُو سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ایک سے زیادہ شادیاں صرف اسلام میں ہی روا نہیں بلکہ دیگر ادیان میں بھی رہی ہیں اور متعدد بیویوں کو بیک وقت اپنی زوجیت میں رکھنا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی بس نہیں، بلکہ پہلے انبیاء اور کئی مذاہب کے پیشوا ایسے گزرے ہیں جنہوں نے متعدد عورتوں کو اپنے نکاح میں لیا۔ لہٰذا جب معترضین کے اپنے گھر سے اس فعل کے جواز کی شہادت مل گئی تو ان کا اعتراض اپنی وقعت کھو بیٹھا۔ لہٰذا اصل بات تو یہیں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اعتراض کرنے والوں کے مزید اطمینان کی خاطر ہم یہ بھی عرض کر دینا چاہتے

۶۳۶۔ قصۃ التزواج ص ۱۰۷-۱۰۸ تفصیل کے لیئے دیکھیں۔

Marfat.com

ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ازواج مطہرات سے نکاح کر لینے میں محض ذاتی اغراض اور شخصی طلبات کار فرما نہیں تھیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر بیشمار تعلیمی، تشریعی، معاشرتی اور سیاسی فوائد تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نکاح میں لاتعداد حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی تھیں۔ اور ان سب دینی فوائد۔ سیاسی مصالح اور معاشرتی مقاصد کو بہتر طور پہ سمجھنے کے لیئے تین اہم نقطے اپنے ذہن میں بٹھالیں۔

اوّلاً:۔ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تریسیٹھ سالہ حیات مبارکہ میں سب سے پہلے پچیس سال کوئی شادی کیئے بغیر کمال تجرد سے گزارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عنفوانِ شباب اور جوشِ جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور پرہیز گاری سے گزارا۔ اور پھر پہلی شادی کی۔ اور پچیس سال سے پچاس سال تک کی عمر کا زمانہ صرف ایک اُس خاتون کے ساتھ بسر کیا جو پہلے ہی دو شوہروں کی بیوہ، کئی بچوں کی ماں، اور عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ اس کے باوجود آپؐ کی پچیس سالہ ازدواجی زندگی میں اپنی اس زوجۂ محترمہ سے محبت و دلبستگی میں ذرا کمی نہ آئی۔ اور اُن کے جیتے جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا کوئی نکاح نہ کیا۔ کیا ایسی مقدس شخصیت کے بارے میں اعلیٰ رائے قائم نہیں ہوتی؟ اور کیا کوئی منصف مزاج شخص یہ سوچ بھی سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شادی کی وجہ وُہی تھی، جو عام پرستارانِ حُسن کی شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔

ثانیاً:۔ اور دُوسرا نقطہ یہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ پچاس سال کی عمر تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُوسری شادی نہیں بلکہ اس کے بعد عمر کے ۵۵ سے ۵۹ سال تک پنج سالہ زمانہ میں ازواجِ مطہرات سے حُجرات آباد ہوئے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے میں قدم رکھ چکے تھے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر بھی (معاذاللہ) وُہ اغراض و مقاصد ہوتے جو شہوت پرست، حُسن پرست اور عیش کوش لوگوں کے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عہدِ شباب میں متعدد نکاح کرتے۔ نہ کہ عمر رسیدہ ہو کر۔
ثالثاً:۔ اور تیسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ صرف ایک ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات بیوہ اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مطلقہ تھیں۔ اور ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا پچاس سالہ معمر خاتون تھیں۔ اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقتِ نکاح قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی تحقیق کے مطابق تقریباً تیس سال، اور علامہ محمد محمود الصواف کے بقول ساٹھ سال تھی۔ ۶۳۸

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ) ایسے خیالات و جذبات کے مالک ہوتے جیسا کہ یہ مستشرقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ناحق زبان درازی کرتے ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری دوشیزاؤں کا انتخاب فرماتے، نہ کہ عمر رسیدہ، بیوہ اور مطلقہ خواتین کا۔

اگر ان تینوں نقاط کو پیشِ نظر رکھا جائے تو حاقدین و معاندین کا اعتراض پا در ہوا ثابت ہوتا ہے۔ اور معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر شخص نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس و طہارت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ۶۳۹

عیسائی حضرات اور خصوصاً نصارائے یورپ جو ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرنے کا بڑی شد و مد سے پرچار کرتے ہیں۔ ان کی اپنی مقدس کتب کے حوالہ سے جو امور ذکر کیئے جا چکے ہیں ان کے علاوہ ان کی مذہبی تاریخ میں بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ ان لوگوں کے تعددِ زوجات کے خلاف ہونے کے باوجود بعض لوگوں نے اپنے مذہبی راہنماؤں کی موجودگی میں اور پورے مذہبی آداب کے ساتھ دوسرا نکاح کیا۔ مثلاً:۔

مشہورِ عالم شخص نپولین بونا پارٹ نے دوسری شادی کی، جو خاص پوپ کی موجودگی میں سرانجام پائی۔ اور اس کی دوسری شادی کو پورے یورپ نے تسلیم بھی کیا۔ اور اس

---

۶۳۸ ۔ رحمۃ اللعالمینؐ ۱۸۲/۲ ، زوجات النبیؐ الطاہرات وحکمۃ تعددھنّ للصواف ص ۴۶ طبع دوم دارالاعتصام مصر

Marfat.com

دوسری شادی کے جواز کے لیے ان کے پاس صرف ایک ہی عذر تھا کہ نپولین کا پہلی بیوی سے کوئی بچہ نہیں تھا جبکہ وہ چاہتے تھے کہ بوناپارٹ کی نسل باقی رہے محض اس بناء پر اُسے نہ صرف دوسری شادی کی اجازت دی گئی، بلکہ وہ خاص پوپ کی موجودگی میں ہوئی۔ اب ذرا اس واقعہ پر غور فرمائیں کہ یہ ضرورت، ان عظیم مقاصد و مصالح کے مقابلہ میں، جو انبیاء کرام علیہم السلام کی تزویج میں ہوتے ہیں۔ کیا درجہ وحیثیت رکھتی ہے۔ [۶۴۰]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

تعددِ ازواج کی حکمتیں، مصلحتیں اور فوائد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو متعدد نکاح کیئے تھے۔ ان میں بے شمار علمی ودینی، تبلیغی وتشریعی، اور معاشرتی وسیاسی حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں تھیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متعدد ازواج مطہرات کو اپنے نکاح میں لینا لاتعداد منافع وفوائد پر مشتمل تھا۔ چنانچہ معروف اسلامی مفکر ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی نے اپنی کتاب "المرأۃ بین الفقہ والقانون" میں، پروفیسر عبداللہ ناصح علوان نے اپنی کتاب تعدد الزوجات فی الاسلام والحکمہ من تعددِ ازواج النبیؐ میں، ڈاکٹر عبدالناصر توفیق العطار نے تعدد الزوجات من النواحی الدینیہ والاجتماعیہ والقانونیہ میں جو کہ اپنے موضوع پر تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل بڑی جامع کتاب ہے۔ شیخ محمود الصّواف نے اپنی کتاب زوجات النبی الطاہرت وحکمۃ تعددھن میں، شیخ

---

[۶۳۹] ۔ رحمۃ اللعالمینؐ ۲/۱۳۱، تعدد الزوجات فی الاسلام والحکمۃ من تعدد ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ص ۶۲-۶۴ عبداللہ ناصح علوان۔ شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسولؐ، محمد علی الصابونی ص ۹-۱۲، طبع سعودیہ ۱۹۸۰ء۔

[۶۴۰] ۔ حاشیہ رحمۃ اللعالمینؐ ۲/۱۳۲،

Marfat.com

محمد علی الصابونی نے اپنے رسالہ شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں، اور قاضی سلیمان منصور پوری نے رحمۃ اللعالمین میں اس موضوع پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جس کا خلاصہ ہم آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مقدس جوانی کا عہد گزار لینے کے بعد اپنی عمر شریف کے ۵۵ سے ۵۹ سال کے درمیانی پانچسالہ عرصہ میں، یا پھر اس عرصہ کی مکمل احتیاط سے حد بندی کی جائے تو ۲ھ سے ۸ھ تک کے سالوں میں متعدد ازواج مطہرات سے نکاح کیے۔ اور یہ عرصہ وہ دور ہے جس میں مسلمانوں اور مشرکین و کفار کے مابین یکے بعد دیگرے کتنی ہی جنگیں لڑی گئی تھیں۔ اور اس عرصہ میں کیئے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نکاح میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں تھیں۔ مثلاً۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ و حفصہ اور اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہن کے نکاح نے تعلیمات قرآن و سنت کی حفاظت، نشر و اشاعت، تعلیم نسواں اور تہذیب النساء کے میدانوں میں بہت کام کیا۔

ازواجِ مطہرات تین ہزار سے زیادہ احادیث کی راوی ہیں۔ اور صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو ہزار دو سو دس احادیث کی راوی ہیں۔ ان کے علاوہ شرعی فتوے علمی مشکلات کا حل، عربی روایات اور تاریخی واقعات کا بیان اس پر مستزاد، اور خواتین کے متعلقہ مسائل کی وضاحت کا فریضہ امہات المؤمنین خصوصًا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خوب ادا کیا۔

صحیح بخاری و مسلم میں غسل حیض و جنابت کے بارے میں بعض صحابیات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجسمۂ حیاء ہونے کی بناء پر ایسے سوالات کا اشارے کنائے میں جواب دینا، اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سائل خاتون کو الگ لے جا کر تفصیل سمجھانا اس بات کا شاہدِ عدل ہے۔

Marfat.com

چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ :۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی انصاری عورت آئی۔ اور اس نے غسل حیض کے بارے میں سوال کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسک (کستوری) لگا، روئی کا ٹکڑا لے کر اس کے ساتھ طہارت حاصل کرو، اس نے کہا کیسے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس سے طہارت حاصل کرو۔ اس نے کہا کیسے ؟ فرمایا:۔
سبحان اللہ ! طہارت کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس عورت کو الگ کھینچ لیا، اور اسے بتایا کہ جہاں خونِ حیض لگتا ہے، وہاں وہ کستوری والی، روئی لگائیں (تاکہ بدبو کا اثر زائل ہو جائے)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خون نکلنے اور لگنے کی جگہ کی صراحت کرنے میں حیاء محسوس کی، تو اس عورت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت سے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کیا ہے ؟ کیونکہ عورت کو عورت کے ساتھ ایسی صراحت کرنے میں کوئی جھجک مانع نہیں ہوتی۔ [۶۳۱]

اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح نے رسم تبنیت کے قدیم بت کو توڑا، اور نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث پر کاری ضرب لگائی۔ اور اسے باطل ثابت کیا۔
ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنو مصطلق سے تھیں۔ ان کے والد اس طاقتور قبیلہ کے سردار تھے۔ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح تک کفر و اسلام کی ہر جنگ میں یہ قبیلہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والوں میں شامل ہوتا۔ مگر یہ نکاح ایسا بابرکت ثابت ہوا، کہ اس کے بعد نہ صرف اس قبیلہ نے مسلمانوں کے خلاف لڑنا، بند کر دیا۔ بلکہ اپنے آبائی پیشہ قذاقی اور رہزنی کو بھی

۶۳۱۔ شبہات و اباطیل للصابونی ص ۱۵۔ تعدد الزوجات عبداللہ ناصح ص ۶۵۔ وانظر ایضاً کتاب۔ مع المفترین والمستشرقین فی زواج النبیؐ بزینب بنت جحشؓ، از ڈاکٹر زاہر عواض الالمعی طبع حلبی قاہرہ۔

Marfat.com

چھوڑا اور متمدن زندگی اختیار کر لی۔

اس نکاح کی وجہ سے ایک سَو گھروں کے سات سَو افراد کو قید سے رہائی ملی، اور مسلمانوں کا یہ حسنِ سلوک دیکھ کر وہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔ اسی نکاح کی برکت کا نتیجہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ میں نے جویریہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اپنی قوم کے لیئے باعثِ برکت کوئی عورت نہیں دیکھی۔ کیا یہ کوئی معمولی فائدہ ہے؟

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ اور قوم کا نشانِ جنگ اِنہیں کے گھر میں رکھا رہتا تھا۔ جب وہ نشانی یا جھنڈا باہر کیا جاتا تو پوری قوم فوراً اس کے گرد جمع ہو جاتی۔ اور ابوسفیان کے اشارۂ ابرو کی منتظر رہتی۔ غزوۂ احد، حمراء الاسد، بدر الاخریٰ اور غزوۂ احزاب میں ابوسفیان ہی اُس نشان کو لیئے ہوئے قائدِ قریش نظر آتا ہے۔ لیکن حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کر لینے کے بعد ابوسفیان کسی بھی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آتا، بلکہ اس نکاح کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ بعد اگلے ہی سال خود ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بھی اسلام کے جھنڈے تلے پناہ لیتا اور مسلمان ہو جاتا ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اور اسلام لانے سے قبل بھی جب اُسے اس نکاح کی خبر ملی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بڑی عمدہ شہادت دی، اور فرمایا۔

ھو/ ذلك الفحل لا یجدع (لا یقدع) أنفه [۶۴۲]

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا بر ہیں کہ جن کا ہم پلّہ کوئی نہیں ہو سکتا۔

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے قبل کفار نے مسلمانوں کے خلاف

۶۴۲۔ الفتح الربانی ۲۲/۱۳۴ - تعددِ زوجات۔ عبداللہ ناصح ص ۶۹۔

Marfat.com

جتنی محاذ آرائیاں کیں، ان میں سے ہر ایک میں یہود کا پوشیدہ یا ظاہری تعلق ضرور ہوتا تھا۔ مگر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے۔

اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن سردارِ نجد کے گھر میں تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نے ملکِ نجد میں امن و آشتی، صلح و سلامتی اور اسلام کی نشر و اشاعت میں بہترین نتائج پیدا کیئے۔ حالانکہ قبل ازیں اہلِ نجد ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ستر واعظین و قاری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دھوکے سے اپنے ملک لے جا کر قتل کر دیا۔ اور کئی بار اُن کی طرف سے نقضِ امن اور فساد انگیزی کے واقعات ظہور میں آ چکے تھے۔ امنِ عامہ اور اصلاحِ معاشرہ کے فوائد کو جاننے والا ہر شخص اس نکاح کو مفید اور باعثِ برکت قرار دینے پر مجبور رہے۔

اس طرح ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جن کی عمر نکاح نبوی میں آنے کے وقت مختلف روایات کے مطابق ۵۰ اور ۶۰ سال کے مابین تھی۔ اور انہوں نے اسلام کی خاطر پہلے حبشہ اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر جب وہ بیوہ ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ کیونکہ ان کے اہلِ خاندان میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں ان قربانیوں کے بعد ان کے غیر مسلم رشتہ داروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ اور انہیں ام المؤمنین ہونے کی سعادت بخشنے میں ان کے ایثار و قربانی کا صلہ دینا بھی مقصود تھا۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسن سلوک، جمیلِ وفا، اور دعوتِ اسلامی کے محاسن کو دیکھتے ہوئے، ان کے کثیر اہلِ قوم مسلمان ہو گئے۔

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر شریف کے آخری پہر میں جو متعدد نکاح

Marfat.com

کیے، ان میں ایسی ہی بے شمار ولاتعداد حکمتیں، مصلحتیں، دینی ودُنیاوی فوائد اور معاشرتی وسیاسی منافع موجُود تھے۔

اور ازواجِ مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حصولِ فتوٰی، حلِ مسئلہ اور استفساراتِ دینیہ کے میدان میں مرجع خلائق رہیں۔ اور خصوصًا عورت جو معاشرے کا نصف ہے، اس کے متعلقہ مسائل نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ازدواجی تعلقات کی مسنون کیفیت وغیرہ امُور میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بارك علےٰ عبدك ورسولك
محمّد وعلےٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذرّیاتہ
اجمعین ومن تبعهم بِإِحْسَانٍ اِلٰى
یوم الدّین ٥

والسّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ

ابوعدنان
محمّد منیر قمر

مراجع ومصادر

۱۔ ارشاد العقول فی بدعۃ الاحتفال بمولد الرسولؐ — عبدالمجید عبدالحسن، رکن مرکز الدعوۃ والارشاد، دبی۔

۲۔ اسلامی سالِ نو اور ماہِ محرّم — نشریہ از جامعہ محمدیہ، منصورہ ممبئی، انڈیا۔

۳۔ اظہار الحق — رحمت اللہ بن خلیل الکیرانوی، طبع الشؤون الدینیہ قطر۔

۴۔ الاعتصام للشاطبی — طبع مصر۔

۵۔ اعلام الساجد . زرکشی — طبع وزارتِ اوقاف وامورِ اسلامیہ، متحدہ عرب امارات۔

۶۔ امتاع الاسماع للمقریزی — طبع الشؤون الدینیہ، قطر۔

۷۔ الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف ، ابوبکر الجزائری۔ — طبع احیاء التراث العربی - کویت۔

۸۔ آیات للسائلین فی ہجرۃ سید المرسلینؐ — وائل بن محمّد القبیسی۔

۹۔ الایجاز فی شمائل السیرہ ووجوہ الاعجاز — سیف الرحمٰن احمد، دار الحدیث، مدینہ طیبہ۔

۱۰۔ بخاری مع الفتح — طبع دار الافتاء۔ ریاض ، السعودیہ۔

۱۱۔ البدایۃ والنہایۃ ، لابن کثیر — طبع دار المعارف ، بیروت۔

۱۲۔ بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی — احمد عبدالرحمٰن البنّاء ، طبع دار الشہاب، قاہرہ۔

۱۳۔ بلوغ المرام مع حاشیہ الدہلوی — طبع المکتب الاسلامی دمشق، بیروت۔

۱۴۔ تاریخ ابن جریر الطبری (اُردو) — طبع نفیس اکیڈمی، کراچی۔

۱۵۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی۔ — عبدالرحمن مبارک پوری ، طبع مدنی
۱۶۔ تخریج صلوٰۃ الرسول — مصنفہ حکیم محمد صادق سیالکوٹی ، حافظ عبدالرؤف طبع دارالاشاعت اشرفیہ سندھو ، بلوکی ، قصور۔
۱۷۔ تخریج و تعلیق فرقۂ ناجیہ ، از محمد اشرف سندھو۔ حافظ عبدالرؤف حفید المؤلف۔ — طبع دارالاشاعت اشرفیہ ،
۱۸۔ ترجمۂ قرآن ، مولانا مودودی — طبع دوم ص ۱۹۸۰ ، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔
۱۹۔ الترغیب والترہیب للمنذری تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید۔ — طبع السعادہ ، مصر۔
۲۰۔ تطہیر المجتمعات ، شیخ احمد بن حجر آل بوطی قاضی محکمہ شرعیہ قطر۔ — طبع قطر۔
۲۱۔ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی — طبع مکتبہ نذیریہ ، لاہور۔
۲۲۔ تعدد الزوجات ، ڈاکٹر عبدالناصر توفیق العطار۔
۲۳۔ تعدد الزوجات فی الاسلام — عبداللہ ناصح علوان۔
۲۴۔ تفسیر ابن کثیر — طبع حلبی ، مصر
۲۵۔ تفسیر ابن کثیر مختصر ، — علامہ محمد نسیب الرفاعی ، طبع بیروت۔
۲۶۔ تفسیر القرطبی ، امام قرطبی — طبع مصر۔
۲۷۔ تفہیم القرآن ، مولانا مودودی — طبع مکتبہ تعمیر انسانیت ، لاہور۔
۲۸۔ تہذیب سیرت ابن ہشام ، — عبدالسلام ہارون ، طبع کویت

Marfat.com

۲۹۔ ا ب ح الصغیر للسیوطی ، — طبع بیروت ۔

۳۰۔ حدائق الانوار ، ابن الدیبع الشیبانی — طبع قطر ۔

۳۱۔ حکمۃ اباحۃ تعدد الزوجات ۔ — شیخ عبداللہ بن محمود آل محمود ، طبع قطر ۔

۳۲۔ خاتم النبیین ، محمد ابوزہرہ ، — طبع حکومت قطر

۳۳۔ خالص الاعتقاد ، — اعداد و شائع کردہ ، مرکزی حزب الاحناف ہند ۔

۳۴۔ رحمۃ اللعالمین ؐ ۔ — قاضی سید سلیمان سلمان منصور پوری ، طبع لاہور ۔

۳۵۔ الرحمۃ المہداۃ ، ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر ۔ — طبع مدینہ منورہ ۔

۳۶۔ الرحیق المختوم ، صفی الرحمٰن مبارکپوری ، — طبع رابطہ عالم اسلامی ، مکہ مکرمہ ۔

۳۷۔ الروض الانف للسہیلی تعلیق و تحقیق عبدالرحمٰن وکیل ۔ — رئیس انصار السنۃ ، طبع مصر ۔

۳۸۔ الروضۃ الندیہ شرح الدرر البہیہ علامہ نواب صدیق حسن خان والی بھوپال — طبع دار المعرفۃ ، بیروت ۔

۳۹۔ ریاض الصالحین مراجعہ الارناؤوط — طبع دار المامون ۔ دمشق

۴۰۔ زاد المعاد لابن قیم بدون تحقیق — طبع قدیم بیروت ،
و بتحقیق الارناؤوط — طبع حکومت قطر ۔

۴۱۔ زاد المسیر لابن الجوزی — طبع المکتب الاسلامی بیروت علی نفقۃ حاکم قطر ۔

۴۲۔ زوجات النبی الطاہرات و حکمۃ تعددھن ، للصواف ، — طبع دار الاعتصام ۔ مصر ۔

۴۳۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام للصنعانی ۔ — طبع بیروت و مصر ۔

Marfat.com

۴۴۔ سنن ابن ماجہ ، تحقیق محمد محیٰ الدین عبدالحمید۔ — طبع بیروت۔

۴۵۔ سنن ابی داؤد — طبع مکتبہ الریاض الحدیثیہ ، الریاض السعودیہ

۴۶۔ سنن الترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی۔ — طبع مدنی

۴۷۔ سنن النسائی بالتعلیقات السلفیہ — طبع مکتبہ سلفیہ لاہور و طبع بیروت۔

۴۸۔ سیرت ابن ہشام مع الروض الأنف۔ — طبع جمالیہ۔

۴۹۔ سیرت النبیؐ ، شبلی نعمانی و سلیمان ندوی۔ — طبع قرآن محل ، کراچی۔

۵۰۔ السیرۃ النبویۃ ، علی میاں ندوی۔ — طبع دارالشروق جدّہ۔

۵۱۔ شبہات و اباطیل حول تعدد زوجات الرسولؐ۔ — محمد علی الصابونی ، طبع السعودیہ۔

۵۲۔ شرح السنۃ للبغوی ، تحقیق الارناؤوط — طبع المکتب الإسلامی۔

۵۳۔ شرح الشفاء ملّا علی قاری ، — تحقیق حسین محمد مخلوف ، طبع مصر

۵۴۔ صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ ، الالبانی — طبع المکتب الاسلامی۔

۵۵۔ صحیح مسلم ، تحقیق ترقیم محمد فؤاد عبدالباقی — طبع احیاء التراث العربی ،
و مع شرحہ للنووی — طبع دارالفکر بیروت۔

۵۶۔ طبقات ابن سعد (اردو) — نفیس اکیڈمی ، کراچی۔

۵۷۔ عارضۃ الاحوذی شرح الترمذی — لابن العربی ، طبع سوریا (شام)

۵۸۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر — طبع دارالافتاء ۔ ریاض ، السعودیہ۔

Marfat.com

۵۹۔ الفتح الربانی للبناء (ترتیب مسند احمد) طبع دارالشہاب، قاہرہ، مصر۔

۶۰۔ الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول لابن کثیر۔
تحقیق محمد عبدالخطراوی و محی الدین مستو طبع داراللواء۔ الریاض۔

۶۱۔ فقہ السنۃ، لسید سابق طبع بیروت۔

۶۲۔ فقہ السنۃ، محمد عاصم (اردو) طبع چراغ راہ، کراچی۔

۶۳۔ فقہ السیرۃ، محمد غزالی بتحقیق الالبانی۔

۶۴۔ فقہ السیرۃ، ڈاکٹر محمد رمضان البوطی طبع دمشق۔

۶۵۔ فوائد سلفیہ، المسمّٰی بہ اشرف الحواشی از مولانا محمد عبدہٗ الفلاح، طبع لاہور۔

۶۶۔ فی ظلال القرآن للسید قطب الشہید طبع مصر۔

۶۷۔ قضایا المرأۃ المسلمۃ فی سورۃ النساء ڈاکٹر محمد یوسف عبد۔ طبع دارالدعوۃ کویت۔

۶۸۔ الکلم الطیب لابن تیمیہ بتحقیق الالبانی طبع المکتب الاسلامی۔

۶۹۔ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق عبداللہ آل محمود، طبع قطر۔

۷۰۔ مجمع الزوائد للہیثمی، طبع مؤسسۃ المعارف، بیروت

۷۱۔ مجموعۃ الرسائل، عبداللہ آل محمود طبع قطر۔

۷۲۔ محمدؐ افضل الخلق، علامہ محمد نصیب الرفاعی۔

۷۳۔ محمدؐ فی الکتاب المقدس، پروفیسر عبدالاحد سابق بشپ، طبع قطر۔

۷۴۔ محمدؐ القدوۃ الکاملۃ، اعداد و طبع وزارۃ العدل والشؤون
الاسلامیہ، دبی۔

۷۵۔ محمدؐ نبی الاسلام فی التوراۃ والانجیل
والقرآن، محمد عزت طہطاوی۔ طبع مصر

۷۶۔ مختصر سیرت الرسول محمد بن عبدالوہاب طبع دارالافتاء۔ السعودیہ۔

Marfat.com

۷۷۔ مختصر صحیح مسلم للمنذری تحقیق الالبانی — طبع المکتب الاِسلامی۔

۷۸۔ مختصر تفسیر طبری — طبع قطر۔

۷۹۔ مُرشد جیلانیؒ کے ارشادات حقانی،
از مولانا محمد حنیف یزدانی۔ — طبع مکتبہ نذیریہ ۔ لاہور

۸۰۔ المرعاۃ شرح مشکاۃ ، مولانا عبیداللہ رحمانی، طبع مکتبہ اثریہ ، سانگلہ ہل، شیخوپورہ (پاکستان)

۸۱۔ مشکاۃ تحقیق الالبانی ، — طبع المکتب الاِسلامی۔

۸۲۔ مع المفترین والمستشرقین فی زواج النبیؐ بزینبؓ بنت جحش۔ — طبع حلبی قاہرہ ، مصر

۸۳۔ المغنی لابن قدامہ — طبع مصر ، و بیروت۔

۸۴۔ المعجم المفہرس (الفاظ القرآن) — طبع بیروت۔

۸۵۔ المعجم المفہرس (الفاظ الحدیث) — طبع لیڈن۔

۸۶۔ موارد الظمان لزوائد ابن حبان — طبع دارالکتب العلمیہ بیروت تحقیق محمد عبدالرزاق حمزہ۔

۸۷۔ نیل الاوطار للشوکانی — طبع بیروت و طبع مصر۔

۸۸۔ الوفا باحوال المصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ابن الجوزی، تحقیق محمد زہری النجار — طبع المؤسسۃ السعیدیہ ، الریاض۔

۸۹۔ الہجرۃ ، احمد عبدالغفور العطار — طبع مکہ مکرمہ۔

اور

متعدد جرائد و مجلات۔

ہماری دیگر مطبوعات

آئینہ نبوت

صفحات:256

سیرت سرور عالم ﷺ سے متعلقہ تقریباً تمام پہلوؤں کو شامل کر کے اسے **نبی اقدس** ﷺ کی حیات طیبہ کا حقیقی آئینہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں سے ہر ذہن کا آدمی **آپ** ﷺ کی زندگی کا مکمل عکس دیکھ سکے، اور رہنمائی حاصل کر سکے۔

ظہور امام مہدی

صفحات:224

(ایک اٹل حقیقت)

- مسئلہ **ظہور امام مہدی** پر اردو زبان میں مفصل اور تحقیقی کتاب۔
- **احادیث مہدی** پر طعن اور اس کی حقیقت۔
- **احادیث مہدی** کے بارے کبار اہل علم کے اقوال۔
- انداز خالص علمی، قابل قدر، اعلیٰ سفید کاغذ، عمدہ خوبصورت کتابت معیاری طباعت، جاذب نظر ٹائٹل۔

گلدستہ نصیحت سے پچاس پھول

صفحات:48

- اصلاحی، اخلاقی اور معاشرتی ہدایات پر مشتمل آیات واحادیث کا **دلکش انتخاب**۔
- قرآن وحدیث کی نصیحتوں کا **حسین گلشن**۔ جس میں ہر نوع اور ہر رنگ کے **چیدہ چیدہ پھول** چن دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف سپاس و تشکر

اس کتاب کی طباعت واشاعت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ

جماعة مسجد الامام ابو حنیفه

قاعدة الملک عبدالعزیز الجویة ، الظهران

(ظہران ائیر بیس، سعودی عرب)

نے تعاون کیا ہے

فجزاهم الله خیرا فی الدنیا والآخرة

لہٰذا ہم اسے تجارتی وکاروباری نقطہ نظر سے نہیں

بلکہ محض دعوتی وتبلیغی انداز سے

آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

ابو عدنان محمد منیر قمر

Marfat.com

(سلسلہ منشورات ریڈیو متحدہ عرب امارات ام القیوین)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۔ القرآن

سیرۃ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

حضرت مولانا محمد منیر قمر صاحب ترجمان شرعی کورٹ ام القیوین

ترتیب و تبییض

حافظ ارشاد الحق صاحب

یکے از منشورات

مکتبہ کتاب و سنت ریحان چیمہ ضلع سیالکوٹ